ہدیۂ کتاب بنا بنظر عالی بکلی

المسمیٰ بہ

صحیفۃ العابدین

یعنے

سوانح عمری جناب امام زین العابدین علیہ السلام

مؤلفہ و مرتبہ

مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کواتھ ضلع شاہ آباد (آرہ)

مؤلف

سراج المبین - سر حسین - ذبح عظیم - مآثر الباقریہ - آثار جعفریہ - علوم کاظمیہ

تحفۂ رضویہ - تحفۃ التقیین - سیرۃ النقی - العسکری - در المقصود فی احوال المہدی

الموعود سلام اللہ علیہ من رب المعبود

بار دوم

1919ء

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہٖ وَاٰلِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاہِرِینَ ○

سیرۃ اہلبیت علیہم السلام کے موجودہ سلسلہ کا یہ چوتھا نمبر ہے جسکا دیباچہ میں آج بکمال مسرت لکھ رہا ہوں سنہ ۱۳۲۵ ہجری کو گزری ہوئی ابھی کتنے دن ہوئے جناب خامس آلِ عبا اور احنالہ الفدا کے حالات تخمیناً چھ سو دس ۶۱۰ صفحوں میں لکھکر ہدیۂ ناظرین کر چکا ہوں۔ آپکے حالات کو تمام کرکے پوری تین مہینے بھی نہیں گذرے کہ میں نے اتنی بڑی دماغی محنتوں کے بعد سکون نہیں لیا اور یہ سوچکر کہ جو کام آج کا ہے کل پر دہر نہیں رکھتے۔ اس چوتھی کتاب کی تدوین کی طرف مصروف ہو گیا۔

جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام کے حالات کی ترتیب میں مجھکو خود اعتراف ہے کہ کسی سخت اور دشوار گزار محنت سے سامنا نہیں ہوا مگر تاہم امیر مختار علیہ الرحمہ کے تفحص احوال اور ترتیبِ واقعات میں البتہ کسی قدر زائد غور و فکر سے کام لینا ہوا۔ پھر اسکے بعد سنہ ۶۱ ہجری سے لیکر سنہ ۹۵ھ تک کے ایسے تاریخی واقعات کی مطابقت اور انکی پوری پوری تلاش کرنی ہوئی جنکو جنابِ امام زین العابدین علیہ السلام کی مقدس سیرت سے پورا تعلق تھا۔

غرضکہ میری موجودہ کتاب میں سفرِ شام سے لیکر واپسی مدینہ تک اور واپسیِ مدینہ سے خانہ نشینی تک اور خانہ نشینی سے وقت وفات تک کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ آپکی مبارک سیرت کے مخصوص حالات کے علاوہ حضرت سلیمان ابن صرد خزاعی اور امیر مختار اور مالک بن ابراہیم رضوان اللہ علیہم کے حالات اور محاسن خدمات اور جنگِ عین الوردہ اور جنگِ نہرِ خزرج کے پورے واقعات کافی تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہیں۔ آخر کتاب میں اپنے تاریخی سلسلہ کے قائم رکھنے کی غرض سے ظالم حجاج ابن یوسف اور اسکے غیر متحمل مظالم بھی جو اسنے دوستدارانِ اہلبیتِ اطہار اور شیعیانِ حیدرِ کرار رضوان اللہ علیہم پر کیے پوری تفصیل کے ساتھ مختلف تاریخوں سے لکھے گئے ہیں اور اسکی سیرت بھی بالاختصار قلمبند کی گئی ہے۔

ایک جداگانہ باب میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حالاتِ وفات اور آپکے محاسنِ اخلاق اور جمیلِ فضل و کمال اور بینظیر خصائل و شمائل کے متعلق واقعات تاریخی شہادتوں کے ساتھ مندرج کیے گئے ہیں۔

المختصر ہماری موجودہ کتاب **صحیفۃ العابدین** انہی مضامین کو لیے ہوئے ہماری قوم اور ہمارے فرقہ کے ذی استعداد اور روشن ضمیر بزرگوں کی خدمات میں پیش کیجاتی ہے اور امید کیجاتی ہے کہ وہ مؤلف کی تحریری خطاؤں اور فروگذاشتوں پر خیال فرمائینگے بلکہ اسکے مخدوش مقامات کو اپنی بیش بہا اصلاحوں سے درست فرماکر مؤلف کو اپنے احسانات اور عنایات کا ممنون بنائینگے۔

والسلام خیر الختام۔

کوآنہ ضلع آرہ شاہ آباد
مورخہ ششم رجب سنہ ۱۳۲۶ ہجری

المؤلف
عبدہ احقر سید اولاد حیدر بلگرامی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ المیامین
الیٰ یوم الدین

اسم مبارک آپ کا۔ علیؑ۔ کنیت ابو محمد اور ابن الحسین ہے۔ مشہور ترین القاب زین العابدین سیدالساجدین۔ امین۔ زکی۔ طاہر۔ اور ذو الثفنات ہے۔ آپ کی والدہ معظمہ کا نام ام ولد تھا۔ اور اُن کو غزالہ بھی کہتے تھے، بعضوں نے اُمِ سلمہ اور شاہ زناں بھی لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الاُمّہ میں لکھتے ہیں :۔

"کنّیتہ ابومحمد وابن الحسین ویلقب بزین العابدین وسجّاد وذو الثفنات والزّکی والامین واُمّہ اُمّ ولد اسمہا غزالہ وقیل امّ سلمہ وقیل شاہ زنان"

آپ کی کنیت ابو محمد اور ابن الحسین ہے اور لقب زین العابدین اور سجّاد اور ذو الثفنات اور زکی اور امین ہے۔ آپکی والدہ کا نام غزالہ اور کنیت امّ ولد تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ اُمِ سلمہ نام تھا اور بعضوں نے شاہ زناں لکھا ہے۔ اور ذہبی نے طبقات الحفاظ میں آپ کی کنیت ابن الحسین اور ابو محمد کے علاوہ ابو عبداللہ بھی لکھی ہے۔ تاریخ ابن خلکان میں بذیلِ تذکرہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام یہ عبارت درج ہے :۔

وعلي ابن الحسين ابن ابيطالب عليهم السّلام المعروف بزين العابدين
ويقال له علی الاصغر ولیس الحسین عقب الّا من زین العابدین وهو ابو الائمة
و سادات التابعین آپ کا نام علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب ہے۔ آپ زین العابدین
کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ اور اُن کو علی اصغر بھی کہا جاتا ہے۔
سوائے امام زین العابدینؑ کے جناب امام حسین علیہ السلام کے نرینہ اولاد باقی نہیں
تھی۔ آپ ابو الائمہ اور سیّد التّابعین بھی مشہور ہیں۔ اسی رعایت سے کتب اہلبیت
علیہم السّلام میں آپ آدم آلِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معزّز لقب سے یاد
کیے جاتے ہیں۔ ابنِ خلکان نے آپ کا لقب ابن الخیرتین بھی لکھا ہے۔ اُنکی عبارت یہ ہے:۔
امّه سلافه بنت یزدجرد اخر ملوك فارس وكان یقال زین العابدین علیه السّلام
ابن الخیرتین لقوله صلى الله علیه واله وسلّم انّ الله تعالی اصطفی من عباده
خیرتان وخیرته من العرب قریش ومن العجم فارس ۔حضرت امام زین العابدین
علیہ السّلام کی مادرِ گرامی کا نام سلافہ بنتِ یزدجرد تھا۔ یزدجرد پر شاہانِ فارس کا سلسلہ
ختم ہوتا ہے۔ ان کو ابن الخیرتین بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جناب رسالتآب صلّی اللہ علیہ
وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ خدا کے بندوں میں سے دُو گروہ بہتر ہیں۔ پس اُس نے عرب
میں سے قریش کو اور عجم میں سے فارس کو منتخب کیا ہے۔
ولادتِ باسعادت آپ کی پانچویں شعبان روزِ پنجشنبہ ۳۸ھ ہجری کو آپ کے جدّ امجد
جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے عہدِ خلافت میں آپکی وفات سے دو برس پہلے مدینہ
میں ہوئی چنانچہ علامہ سبط ابن جوزی فرماتے ہیں:۔ ولد یوم الخمیس فی المدینه
خامس شعبان سنه ثمان وثلاثین في ایام جده علي ابن ابي طالب علیه السّلام
قبل وفاته بسنتین آپ کی ولادت باسعادت مدینۂ طیبہ میں پانچویں شعبان ۳۸ھ ہجری
کو آپ کے جدِّ بزرگوار جنابِ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کے عہدِ خلافت
میں ہوئی۔
فریقین کا اس امر پر اتّفاق ہو چکا ہے کہ آپ کی والدۂ معظمہ کا اسم گرامی شاہ زنان بنتِ
یزدجرد ہے جو شہر بانو کے نام سے مشہور ہیں۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصّفا علّامۂ زمخشری
کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں:۔ در ربیع الابرار مسطور است کہ امیر المومنین علی ابن ابیطالب

علیہ السلام حریث ابن جابر جعفی را بحکومت بعضے از بلاد مشرقیہ فرستاد و حریث دو دختر یزدجرد را بدست آوردہ بخدمت آنحضرت علیہ السلام فرستاد۔ حضرت مقدس امیر المومنین علیہ السلام شہربانو را بہ قرۃ العین امام حسین علیہ السلام داد و دیگری را کہ مسماۃ گیہان بانو بود بہ محمد ابن ابی بکر ارزانی داشت تا بخواست از یک خواہر امام زین العابدین علیہ السلام متولد شد و از آں خواہر قاسم ابن محمد۔ روضۃ الصفا جلد سوم صفحہ ۴ بمبئی۔

جناب شہربانو سلام اللہ علیہا کی نسبت علمائے فریقین نے اکثر اختلاف کیا ہے جناب شیخ مفید عطر اللہ مرقدہ اور علامہ زمخشری نے تو وہی روایت لکھی ہے جو روضۃ الصفا سے اوپر لکھی گئی، مگر اس اتفاق میں بھی اختلاف ہے۔ بعض جناب شہربانو کا آنا خلافت ثانیہ میں اور بعض نے خلافت ثالثہ میں لکھا ہے۔ خلافت ثانیہ میں ان کے آنے کی یوں کیفیت درج ہے :-

جب یزدجرد ابن شہریار آخر بادشاہ عجم کی دختروں کو لائے تو جمیع دختران مدینہ اُن کے تماشائے حُسن و جمال کے لیے آئیں اور جب خلیفۂ وقت نے اُن کے مُنہ دیکھنے کا قصد کیا تو وہ مانع ہوئیں اور کہنے لگیں کہ ہرمز کا مُنہ سیاہ ہو کہ آج اُسکی اولاد کی طرف ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ عمر نے کہا کہ اے گبر زادی تو مجھے دشنام دیتی ہے اور چاہا کہ اُسی سزا کو پہنچائیں جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا اس کی بات کو ہم نہیں سمجھتے تمکو کیونکر معلوم ہوا کہ یہ تمہیں دشنام دیتی ہے۔ پھر خلیفۂ وقت نے حکم دیا کہ ان کے فروخت کی منادی کرائی جائے۔ حضرت نے فرمایا دختران سلاطین کا بیع کرنا ہر چند کہ وہ کافر ہوں جائز نہیں۔ لیکن اس سے کہو کہ ان مسلمانوں میں سے ایک کو قبول کر لے! ور اسکو اُس سے تزویج کردو اور اُس کا مہر بیت المال سے دیا جاوے۔ عمر نے قبول کیا اور کہا کہ کسی کو اہل مجلس سے اختیار کرلے اُس سعادتمند نے امام حسین علیہ السلام کے دوش مبارک پر ہاتھ رکھدیا۔ پس جناب امیر علیہ السلام نے زبان فارسی میں اُن سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ اُسنے کہا جہاں شاہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ تم سچ کہتی ہو۔ پس حضرت امام حسین علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم اس باسعادت سے نیکی کرنا کیونکہ اس سے ایک ایسا فرزند ہوگا جو بعد تمہارے بہترین اہل زمین ہوگا۔ اور یہ میری ذریت میں جو وصی ہونگے اُن کی ماں ہے۔ چنانچہ جناب امام زین العابدینؑ اُن سے پیدا ہوئے۔ جلاء العیون صفحہ ۲۴۰۔

جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی مادرِ گرامی حضرت شہر بانو علیہا السلام کا ایک خواب بھی بعض علمائے اہلبیتؑ نے اپنی معتبر تالیفات میں درج کیا ہے وہ یہ ہے کہ قبل اس کے کہ مسلمانوں کا لشکر اُن کی طرف جائے جناب شہر بانو نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم مع حضرت امام حسین علیہ السلام کے اُن کے گھر تشریف لائے اور مجھ کو اُن سے تزویج کیا۔ جناب شہر بانو فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوئی اس خورشیدِ فلکِ امامت کی محبت میرے دل میں مستحکم ہوئی اور مجھے ہمیشہ اور ہر وقت آنحضرتؐ کا خیال رہتا تھا۔ جب دوسری شب ہوئی تو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس تشریف لائیں اور اسلام کی مجھے ہدایت فرمائی۔ میں نے خواب ہی میں اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں فرمایا کہ لشکرِ اسلام تمہارے باپ پر غالب ہوگا۔ اور تم اسیر ہو کر بہت جلد میرے فرزند جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچو گی +

فریقین کے علمائے معتبرین نے جناب شہر بانو کا آنا خلافتِ عثمان میں لکھا ہے چنانچہ خواجہ محمد پارسا اپنی معتبر اور مستند کتاب فصل الخطاب میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں:

امّہ شہر بانو بنت یزدجرد ابن شہریار ابن شیرویہ ابن پرویز ابن ہرمز ابن انوشروان الملک العادل اتوھا مع اختھا گیہان بانو من حدود الفارس فی خلافۃ عثمان ابن عفان فاراد بیعھما قال لہ علی علیہ السلام لا یعامل فی بنی الملوک معاملہ سائرھم فتزوّج الحسین علیہ السلام شہر بانو فولدت علی الاصغر وتزوّج محمد ابن ابی بکر گیہان بانو فولدت لہ قاسم قالوا انظر الیٰ برکۃ العدل حیث جعل اللہ تبارک وتعالیٰ الائمّۃ المھدیّین من نسل الحسین علیہ السلام من بنت یزدجرد المنتسب الیٰ کسریٰ نوشیروان الملک العادل۔

جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ معظمہ حضرت شہر بانو علیہا السلام تھیں حضرت شہر بانو بنتِ یزدجرد ابن شہریار ابن شیرویہ ابن پرویز ابن ہرمز ابن نوشیروان العادل تھیں اپنی بہن گیہان بانو کے ساتھ حدودِ فارس سے مقید ہو کر خلافتِ عثمان ابنِ عفان میں مدینہ منورہ لائی گئیں۔ عثمان نے اُن کے بیچڈالنے کا ارادہ کیا تو جناب

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اولاد سلاطین کا معاملہ سائر اُمت اسلامیہ کے ایسا نہ ہونا چاہیے۔ پس آپ نے حضرت شہربانو کا عقد امام حسین علیہ السلام سے کردیا اور گیہان بانو کا عقد محمد ابن ابی بکر سے کردیا۔ جناب شہربانو سے حضرت علی اصغر الملقب بہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور گیہان بانو سے قاسم ابن محمد ابن ابو بکر پیدا ہوئے۔ نوشیروان کی عدالت کا یہ ثمرہ ہے کہ خدائے سبحانہ تعالےٰ نے جناب امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ائمہ معصومین کو پیدا کیا اور یہ تمام حضرات جناب شہربانو کے بطن سے تھے، اور وہ مخدومہ یزدجرد کی صاحبزادی تھیں، جو پانچویں پشت میں نوشیروانِ عادل سے ملتا ہے" یہی روایت معتبر اور مستند بین الفریقین ہے علمائے اہلبیت میں علامہ ابن بابویہ نے جناب امام رضا علیہ السلام کے اسناد سے ایسی ہی روایت کی ہے اور ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ علامہ ابن بابویہ کی تصدیق کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہی روایت اشہر اور اقویٰ ہے۔ جلاء ص ۲۴۰۔ علمائے اہلسنت میں علامہ ابن حجر۔ خواجہ محمد پارسا اور امام سلیمان قندوزی بھی اسی کی تصدیق فرماتے ہیں۔ ینابیع المودۃ ص ۳۱۵۔ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی سابق پروفیسر علی گڑھ بھی ایسا ہی روایت کرتے ہیں۔

اس امر پر اتفاق ہو چکا ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام اپنے جدِ بزرگوار حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے زمانۂ خلافت میں پیدا ہوئے اور کامل دو برس تک اپنے جدِ امجد کے کنارِ عاطفت میں پرورش پاتے رہے، بعد اس کے دس برس تک اپنی عمِ نامدار حضرت امام حسن علیہ السلام کی آغوشِ شفقت میں آرام سے بسر کرتے رہے پھر دس برس تک اپنے والدِ بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ اس حساب سے واقعہ کربلا تک آپکا سنِ مبارک ۲۲ برس کا ثابت ہوتا ہے۔

اس کتاب سے پہلے ہم اس سلسلہ کی ماقبل جلدوں میں نہایت واضح طور سے دکھلا آئے ہیں کہ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کو ظاہری تعلیم و تدریس کی حاجت نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ مبدأ فیض سے ان حضرات کو علوم لدنیہ میں کافی حصہ عنایت ہو چکا تھا اور اُن میں سے خلعت گرانمایۂ الرّاسخون فی العلم ان کی مقدس قامت کے لیے قطع ہو چکا تھا پھر ان روحانی تعلیموں کے مقابلہ میں ظاہری اور معمولی درس و تدریس کی کوئی حقیقت اور ضرورت

نہیں تھی سمجھ لینے کو یہی کافی ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السّلام کی تعلیم بھی وہی تعلیم تھی جو از آدم تا بہ خاتم سلام اللہ علیہم اجمعین انبیائے مرسلین کے مقدس دائرے میں مخصوص طور پر محدود اور محفوظ پائی جاتی ہے۔ جس طرح جناب امیر المومنین علیہ السّلام نے خدمت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تعلیم پائی اور حضرات حسنین علیہما السّلام نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں اکتساب علوم کیا اسی طرح جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے عم نامدار حضرت امام حسن علیہ السّلام اور اپنے والد بزرگوار جناب امام حسین علیہ السّلام کی خدمات بابرکات میں جملہ علوم کی تکمیل و تحصیل فرمائی اور اسی طرح آپ کے بعد اس روحانی تعلیم کا سلسلہ ایک امام سے دوسرے امام تک قائم رہا۔ یہاں تک کہ امام عصر عجل اللہ ظہورہ تک منتہی ہو کر اثنا عشر نقیبا کی مقدس اور پاک بشارت واضح طور پر ظاہر ہو گئی۔

بہر حال حضرت امام حسن علیہ السّلام کے زمانۂ خلافت سے لیکر واقعہ کربلا کے آغاز تک ہم کو تاریخ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس کو جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی مبارک سیرت سے کوئی تعلق پایا جاتا ہو۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے بعد معاویہ کے زمانہ میں ایک نقل آپ کے متعلق بعض کتابوں میں لکھی پائی جاتی ہے۔ مگر جہاں تک اُس کی نسبت تلاش کیگئی ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ وہ واقعہ جناب علی اکبر علیہ السلام کے متعلق ہے نہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے۔ چنانچہ ہم اُس کو پوری تفصیل کے ساتھ جناب علی اکبر علیہ السّلام کے حال میں لکھ آئے ہیں، حضرت امام حسن علیہ السّلام کی وفات سے آغاز معرکۂ کربلا تک کا زمانہ آپ کے متعلق کچھ بھی نہیں تبلاتا۔ اور تاریخوں میں آپکے متعلق کوئی ذکر پایا نہیں جاتا۔ اس لیے ہم اپنی کتاب کے آئندہ مضامین کو جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد سے آغاز کرتے ہیں، اور آپ کے مقدس حالات کو اُس وقت سے شروع کرتے ہیں جس وقت سے آپ اپنے پدر عالی مقدار کی جگہ منصب امامت پر متمکن ہوئے۔

امام زین العابدین علیہ السّلام کی امامت کا زمانہ اسیری اور سفر شام کی حالت

جناب سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السّلام کا سن مبارک اُسوقت ۲۳ برس کا تھا آپ حضرت امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی سے منسوب تھے۔ اور اپنے پدر بزرگوار

جناب امام حسین علیہ السلام کے سامنے صاحبِ اولاد ہو چکے تھے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام معرکۂ کربلا میں موجود تھے، فریقین نے اس نونہال چمنِ امامت کا سن اسوقت چار یا پانچ سال کا تبلایا ہے۔

بہرحال۔ اب ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آغاز کرتے ہیں کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت آپ کئی روز قبل سے مرضِ اسہال میں مبتلا تھے، اور صاحب فراش ہو رہے تھے، یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ تمام گھر کے لوگ آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے، اسی وجہ سے وہ وصیتیں جو منصب امامت سے مخصوص تعلق رکھتی تھیں امام حسین علیہ السلام نے ایک کاغذ پر لکھکر جناب فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے سپرد فرمایا تھا اور کہدیا تھا کہ جب تمہارے بھائی ہوش میں آئیں تو اُن کو دیدینا۔ چنانچہ بموجب ارشاد تعمیل کی گئی۔ جلاء العیون ص ۱۲۲۔

حمید ابنِ مسلم کا بیان ہے کہ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام جب شمر امام زین العابدین علیہ السلام کے خیمہ میں آیا تو دیکھا کہ حضرت بستر بیماری پر بیہوش تھے۔ اُس شقی نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ مگر میں نے کہا سبحان اللہ تم نے سب کو قتل کر ڈالا۔ اب اس بیمار واجب الرحم کو بھی نہیں چھوڑتے۔ مقتل ابنِ اسحاق اسفرائنی میں لکھا ہے کہ وہ اونٹ کا چمڑا جس پر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی بیماری کی حالت میں پڑے تھے۔ اشقیا آپ کے نیچے سے کھینچ لے گئے۔ علامۂ مجلسی رح ان واقعات کی تفصیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب کبریٰ سے منقول ہے کہ بعد غارت مال واسباب کے جب ہم اپنے خیموں میں آئے تو دیکھا سب اسباب لوٹ لے گئے، اور ہمارے برادرِ عالیقدر امام زین العابدین علیہ السلام بیماری اور تشنگی کے سبب مُنہ کے بھل زمین پر پڑے ہیں اور ہمارے حال پر رو رہے ہیں، ان پُر درد واقعات کو انہیں تفصیلوں کے ساتھ مقتل ابو مخنف۔ ینابیع المودہ۔ روضۃ الصفا۔ اعثم کوفی میں بھی لکھا ہے، اور یہ واقعات ایسے مشہور اور متواتر ہیں جو تمام کتابوں میں کثرت سے درج ہیں، چونکہ ہماری موجودہ تالیفی ضرورت ہم کو زیادہ واقعات مصائب کے بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی اس لیے ہم ان کی تفصیل سے قطع نظر کرکے اہلبیت کرام علیہم السلام کی اسیری اور لاشہائے شہدا کے دفن ہونے کے حالات کو اپنی ضرورت کے مطابق

ذیل میں درج کرتے ہیں۔
ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ دسویں تاریخ تمام کر کے گیارھویں تاریخ زوال کے بعد عمر سعد نے خیمۂ امام علیہ السلام میں آگ لگا دینے کا حکم دیدیا۔ یہ خلاف مشہور ہے جمہور کا اتفاق اسی پر ہے کہ ع ہوتے ہی شام آگ لگا دی خیام میں۔ بہر حال خیمۂ مطہّر میں آگ لگا دی گئی، اُن مصیبت دیدہ و آفت رسیدہ بیبیوں، بچّوں کے اضطرار اور انتشار کی کیفیت ایسی نہیں ہے جو کسی کی خیالی قوتوں سے اندازہ کی جا سکے۔ ایسی قیامت ناک حالتوں میں ان غریبوں کا مدد کرنے والا کہاں پوچھنے والا تک بھی کوئی نہ تھا، اُن غریبوں کی مدد کرنے والے جو تھے وہ تو سب کے سب پہلے ہی کٹ چکے تھے، اب صرف خیمہ باقی تھا، جس میں وہ مصیبت کی ماری بیبیاں اپنے سروں کو زانوؤں پر جھکائے زمین پر بیٹھی تھیں، اور اپنے پارہ ہائے جگر کو یاد کر کر کے آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھیں۔ افسوس اب بھی اُن ظالموں کو اُن کی گئی گزری حالتوں پر افسوس نہ آیا۔ دفعۃً خیمۂ مطہّر میں آگ لگا دی گئی، وہ غمدیدہ اور آفت رسیدہ سرگردان و مضطر ہو کر اُنہیں بھڑکتے ہوئے شعلوں میں نکل پڑیں اور وا محمّداہ وا علیّاہ کے نالے بلند کرنے لگیں۔ اُن نامردوں میں تو کسی کو غیرت یا حمیت کا ذرا بھی جوش نہ آیا، مگر قبیلۂ بکر ابن وائل میں سے ایک سپاہی کی بی بی جو ہمراہیان عمر سعد سے تھی یہ قیامت ناک منظر دیکھ کر اپنے آپے میں نہ رہی اور بیتاب ہو کر اپنے خیمہ سے باہر نکل پڑی اور چلا چلا کر کہنے لگی۔ یا آل بکر ابن وائل اتسلب بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم لا حکم الا اللہ یالثارات رسول اللہ اے بکر ابن وائل کے قبیلہ والو! اے آلِ پیغمبرؐ کے خون کے دعویدارو۔ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی بیٹیوں کو سر برہنہ کرتے ہوئے اور اُن کے مال و اسباب کو غارت کرتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ کسی کا کوئی حکم سوائے خدا کے حکم کے نہیں ہے۔ پس تم کیونکر اُن کے خون کا انتقام نہیں لیتے۔ اُسکا یہ حال دیکھکر اُس کے شوہر نے فوراً اُس کو تھام لیا اور باہر سے لیجا کر خیمہ میں بٹھلا دیا۔ بہر حال خیمۂ مقدس تو جلکر خاک ہو گیا مصیبت زدہ بیبیاں اور آفت رسیدہ بچے نکلکر اُس قیامت خیز میدان میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ عمر ابنِ سعد نے پھر اُن کے اسیر کیے جانے کا حکم دیا، اور دم کے دم میں

اُن اشقیائے اس لُٹے ہوئے قافلہ کو گھیر لیا اور اُن کو ننگے اونٹوں پر سر برہنہ سوار کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو طوق وزنجیر میں مقیّد کر کے ایک اونٹ پر بٹھلا دیا، چونکہ آپ بیمار تھے اس لیے گر جانے کے خوف سے اُن کے دونوں پاؤں اونٹ کے پیٹ سے باندھ دیے گئے تھے، یہ اسیروں کا قافلہ پہلے عمر سعد کے جائزہ کو چلا۔ ان عزیز مُردوں کی نگاہیں جس وقت اپنے پیاروں کی لاشوں پر پڑیں۔ بے اختیار رو ہو کر اونٹوں سے گر پڑیں اور ہر ایک مصیبت زدہ بی بی نے اپنے پارۂ جگر کی لاش کو اپنے کلیجہ سے لگالیا جناب زینب سلام اللہ علیہا کی نظر جب لاشِ مطہّر جنابِ امامِ حسین علیہ السّلام پر پڑی تو ذیل کے کلمات میں صدائے نالہ و فریاد بلند فرمائی:-

یا محمّد اہ بناتک السبایا و ذریتک مقتلۃ تسفی علیھم ریح الصبا وھٰذا حسین محزوز الرّاس من القفا مسلوب العمامۃ والرّداء بابی من عسکرہ فی یوم الاثنین نھبا بابی من فسطاطہ مقطّع العرای بابی من لا ھو غائب فیرتجی ولا جریح فیداوی بابی من نفسی لہ الفداء بابی من لہ الھموم حتّٰی قضی بابی من ھو العطشان حتّٰی مضی بابی من شیبہ تقطر بالدّماء بابی من جدّہ رسول اللہ السّماء بابی من ھو سبط نبی الھدیٰ بابی محمّد المصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بابی خدیجۃ الکبریٰ بابی علیّ المرتضٰی بابی فاطمۃ الزھرآء سیّدۃ النساء بابی من ردّت لہ الشّمس حتّٰی صلّٰی۔

اے محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ آپ کی بیٹیاں ہیں جو قید کی گئیں اور یہ آپ کی اولاد ہی جو قتل کی گئی اور اُن کی لاشیں اُسی طرح ہوا کے سامنے ڈالی گئیں۔ یہ آپ کا پیارا حسین علیہ السّلام ہے جس کا سر اُس کی گردن سے علیحدہ کیا گیا۔ اور سلاح جنگ اور سارا لباس اُس کے جسم سے اُتار لیا گیا۔ میرے ماں باپ اُس پر فدا ہوں جس کا لشکر دوشنبہ کے دن غارت کیا گیا۔ میرے ماں باپ اُس پر فدا ہوں جس کے خیمے گرا دیے گئے۔ میرے ماں باپ اُس پر فدا ہوں جس مسافر کے پھر آنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اور میرے ماں باپ اُس مقتول و مذبوح پر فدا ہوں جس کے زخموں کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ میری جان اُس شخص پر فدا ہو جس کے سر کا خون اُس کے

مُنہ اور تمام بدن پر جاری تھا میرے ماں باپ اُس شخص پر فدا ہوں جو بھوکا پیاسا اس جہان سے گزرا۔ میری جان اُس شخص پر فدا ہو جس پر فدا ہونے کے لیے میری جان پیدا کی گئی ہے، میرے ماں باپ اُس شخص پر فدا ہوں جو ہمیشہ رنج وغم میں اپنی زندگی بسر کرتا رہا۔ میرے ماں باپ اُس پر فدا ہوں جس کا نانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ اور وہ فرزندِ نبی تھا۔ میری جان جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الانبیاء وجناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا وحضرت خدیجۃ الکبرےٰ وجناب فاطمۃ الزہرا سیدۃ النسا سلام اللہ علیہا پر فدا ہو۔ میرے ماں باپ اُس پر فدا ہوں جس کے لیے آفتاب پھر اپنے مقام پر آ گیا۔ یہاں تک کہ اُس نے اپنی نماز تمام کر لی ناسخ التواریخ جلد ششم ص ۴۱۳۔

مورخین بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کے یہ پُر درد نالے سُنکر دوست دشمن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ یہ قیامت ناک عالم دیکھکر عمر ابن سعد نے اہلبیت علیہم السلام کو اُن کے جگر پاروں کی لاشوں سے کسی نہ کسی طرح چھڑایا اس کے بعد عمر سعد نے اتنے عرصہ تک کربلا کے میدان میں قیام کیا کہ اُس کی طرف کے مقتولین سب دفن کر دیے گئے۔ صرف جناب امام حسین علیہ السلام اور آپ کے تمام اعوان و انصار اُسی طرح خاک و خون میں آغشتہ چھوڑ دیے گئے۔ اپنی طرف کے لوگوں کو مدفون کر کے عمر سعد نے کوفہ کی روانگی کا قصد کیا اور اپنے لشکر کو یوں آراستہ کر کے روانہ کیا کہ فوج کے آگے آگے شہدائے کربلا کے سرہائے بریدہ نوکِ نیزہ پر نصب۔ اُن کے پیچھے اسیرانِ اہلبیت ع کے اونٹوں کی قطاریں۔ اُن کے پیچھے جدا جدا قبیلوں کے سواروں کے رسالے۔ سواروں کے بعد پیادے۔

جناب امام حسین علیہ السلام کا فرقِ مبارک خولی ابن یزید الاصبحی کو دیا گیا۔ خولی کی متعلق ایک واقعہ فریقین کی معتبر کتابوں میں پایا جاتا ہے کہ خولی اصبحی آپ کے سرِ مبارک کو لیکر شہر کوفہ میں داخل ہوا تو اُس زمانہ میں اُس کی دو بیبیاں تھیں، ایک قبیلۂ بنی اسد سے تھی اور ایک قبیلۂ حضرموت سے اور یہ حضرموت کی عورت تھی اُسکا نام نوار تھا۔ خولی اُس دن اُسی کے گھر آیا اور اُس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا جئتک بالذھب ھذا راس الحسین علیہ السلام معلشف الدار یہ زرِ سُرخ لے یہ جناب امام حسین

علیہ السلام کا سر ہے جو تیرے گھر میں موجود ہے فقالت ویلک جاء الناس بالذھب
والفضۃ وجئت براس ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واللہ
لا یجمع راسی و راسک علی وسادۃ ابدا تجھپر افسوس ہے سب لوگ تو اپنے
گھر سونا چاندی لاتے ہیں اور تو فرزند سرور کائنات کا سر لایا ہے۔ قسم خدا کی آج سے
میں اور تو ایک فرش پر کبھی نہ سوئینگے۔ ابو مخنف۔ مقتل ابی اسحاق وغیرہ۔

بہر حال یہ تو امام حسین علیہ السلام کے فرق مبارک کے متعلق ایک واقعہ تھا جو لکھا گیا۔
اسی طرح اور شہدا کے سر بھی افسران فوج پر تقسیم کر دیے گئے۔ چنانچہ قیس ابن اشعث
کندی کو جو قبیلہ حضر موت کا سردار تھا تیرہ سر دیے گئے۔ شمر ذی الجوشن کو جو قوم ہوازن
کا سردار تھا۔ سترہ سر دیے گئے۔ گروہ بنی اسد کو سولہ سر اور قبیلہ مذحج کو سات سر
ملے۔ باقی اور قبیلوں کو اسی طرح تقسیم کیے گئے۔

عمر ابن سعد اپنی طرف کے کشتوں کو دفن کر کے چلتا ہوا۔ اور فرزند رسول مقبول صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو مع اُن کے اعوان و انصار کے اُسی طرح فرش خاک پر عریاں چھوڑ گیا۔
شاید وہ ان برگزیدگان خدا کو ومن مات فاقبرہ کے قابل بھی نہیں سمجھتا تھا۔ اب
ان مجاہدان فی سبیل اللہ کے لاشہائے ناپرساں پر کیا گزری، وہ یہ ہے کہ اہل غاضریہ
جو قبیلہ بنی اسد سے تھے اپنی زراعت کی ضرورت سے ادھر آئے تو ان غریبوں اور
وطن آواروں کی یہ حالتیں دیکھکر اپنے حمیت اسلامی کو بدنام کرنیکی ذلت گوارا نہ کر سکے
اور اپنے قبیلہ کے لوگوں کو جمع کر کے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اعوان و انصار کی
لاشوں کو باحتیاط تمام سپرد خاک کر دیا۔

علمائے اہلبیت علیہم السلام اس واقعہ کی تصدیق فرماتے ہوئے اتنا اضافہ اور فرماتے
ہیں کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام بھی ان لوگوں کے شریک ہوئے۔ چنانچہ
بحار الانوار جلد عاشر اور جلاء العیون جلد ثانی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے
منقول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے اُس علم و قدرت کے اختیار سے جو متعلق
امامت آپ کو حاصل تھے اُس مقام پر تشریف لائے اور اپنے پدر بزرگوار علیہ السلام
کو مدفون فرمایا۔

حافظ جمال الدین محدث جو سواد اعظم اہل سنت کے علمائے معتبرین سے ہیں اپنی کتاب

روضتہ الاحباب میں لکھتے ہیں کہ :۔

کوفہ کا داخلہ۔ جب عبداللہ ابن زیاد کو اسیرانِ اہلبیتؑ کی آمد معلوم ہوئی تو اُس نے تمام شہر میں منادی کرادی کہ کوئی شخص مسلح ہوکر گھر سے باہر نہ نکلے اور کسی قسم کا ہتھیار اپنے ساتھ نہ رکھے۔ اس کے علاوہ دس ہزار فوج کو تمام شہر کی گلیوں اور ناکوں پر متعین کردیا کہ شیعیانِ علی علیہ السلام اور دوستدارانِ اہلبیت کرام کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ شہر کے ضروری انتظام کے بعد اُس نے قصر دارالامارہ کو بھی خوب آراستہ و پیراستہ کیا ع قدرت خدا کی جشن ہے قتل حسینؑ کا۔ دوسرے دن صبح کو عمر سعد اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ بڑے تزک و احتشام سے شہر میں داخل ہوا۔ داخلۂ اہلبیت علیہم السلام کی خبر پاکر چاروں طرف سے کوفہ کے بے غیرت نامردوں کا وہ ہجوم ہوا کہ الحفیظ والامان۔ دوست دشمن سب ذریتِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس حالت میں دیکھکر ہائے ہائے کرکے رونے لگے، اور سب کے سب اپنے کیے پر پچھتانے لگے، جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اُن کو اس حالت سے دیکھکر فرمایا فقال علي ابن الحسين عليه السلام بصوت ضعيف اتنوحون وتبكون لاجلنا فمن قتلنا امام علیہ السلام نے بآوازِ ضعیف فرمایا اے لوگو جب تم لوگ ہمارے حال پر روتے اور نوحہ کرتے ہو تو بتلاؤ کہ ہمارا قتل کرنے والا کون ہے۔

سہل شہرزوری کا بیان ہے کہ میں نے اسیرانِ اہلبیتؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُن کو اسیرانِ ترک و دیلم کی طرح لیجاتے ہیں۔ چاروں طرف سے تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ کوٹھوں پر سے عورتیں اُن کی عبرت خیز حالتوں کا نظارہ کررہی تھیں اُن میں سے ایک نے پوچھا من ای الاساری انتن تم لوگ کس قوم کے اسیر ہو؟ فقلن نحن اساری ال محمد صلى الله عليه واله وسلم ہم لوگ اسیرانِ آلِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ بشیر ابنِ جزلم کا بیان ہے کہ ان تماشائیوں کو مخاطب کرکے جناب زینب سلام اللہ علیہا نے ذیل کا خطبہ آغاز فرمایا۔

الحمد لله والصلوٰة على ابى محمد وّاله الطيّبين الاخيار اما بعد يا اهل الكوفة يا اهل الختل والغدر اتبكون فلا رقات العبرة ولا هدأت الزفرة

انما مثلکم کمثل التی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا تتخذون ایمانکم
دخلا بینکم هل فیکم الا الصلف و العجب و الشنف و الکذب و ملق
الاماء و غمز الاعداء او کمرعی علی دمنه او کفضه علی ملحودة الاساء ما قدمت
لکم انفسکم ان سخط الله علیکم و فی العذاب انتم خالدون إي اجل و
الله فابکوا و الله انتم احق بالبکآء فابکوا کثیرا و اضحکوا قلیلا فقد بلیتم
بعارها و منیتم بشارها و لن ترحضوها ابدا و انی ترحضون قتل سلیل
خاتم النبوة و معدن الرسالة و سید شباب اهل الجنة و ملاذ حزبکم
و معاذ حزبکم و مقر سلمکم و اسی کلمکم و مفزع نازلتکم و المرجع الیه عند
مقالتکم و مدرة حججکم و منارة محجتکم الا ساء ما قدمت لکم انفسکم و
ساء ما تزرون لیوم بعثکم فتعسا و نکسا نکسا لقد خاب السعی و تبت
الایدی و خسرت الصفقه و بؤتم بغضب من الله و ضربت علیکم الذلة
و المسکنة اتدرون و یلکم ای کبد لمحمد صلی الله علیه و اله و سلم فریتم
و ای عهد نکثتم و ای کریمة له برزتم و ای حرمة له هتکتم و ای دم له
سفکتم لقد جئتم شیئا اذا تکاد السموات یتفطرن منه و تنشق الارض
و تخر الجبال هدا لقد جئتم بها علما صلعاء عنقاء سوآء و فی بعضها خرقآء
سوهاء طلاع الارض و السمآء افعجبتم ان قطرت السمآء دما و لعذاب الاخرة
اخزي و هم لا ینصرون فلا یستخفنکم المهل فانه عز و جل لا یحفزه
البدار و لا یخاف علیه فوت الثار کلا ان ربکم لنا و لهم لبالمرصاد ثم
انشات فقالت ؎ ما ذا تقولون اذ قال النبی لکم + ما ذا صنعتم و
انتم اخر الامم + باهلبیتی و اولادی و مکرمتی + منهم اساری و
منهم ضرجوا بدم + ما کان ذاک جزآئی اذ نصحت لکم + ان تخلفونی بسوء
فی ذوی رحم + انی لاخشی علیکم ان یحل بکم + مثل العذاب الذی
اوتی علی ادم +

اے اہل کوفہ اے اہل مکر و دغا تم میری حالتوں پر روتے ہو حالانکہ ابھی تک تمہارے
ہی جور و ستم سے ہماری آنکھیں خونبار اور ہماری پلکیں اشکبار ہیں تمہاری مثال ان

عورتوں کی ایسی ہے جو اپنے کپڑوں کو خوب بنیں اور پھر بنکر اُن کو کھول ڈالیں۔ کیونکہ تم لوگوں نے
عہد و پیمان کیے وہ توڑ ڈالے، اور تم لوگوں کی فطرتوں میں خودستائی۔ مکر۔ کذب
خوشامد اور چغل خوری کے سوا اور عادت نہیں ہے۔ تمہاری مثال ایسی چاندی کی
ہے کہ نہ وہ کھانے میں شامل کی جاتی ہے اور نہ اُس کے ظرف میں کھانا کھایا جا سکتا ہے
تمہاری ایسی خراب طبیعت واقع ہوئی ہے کہ تمہاری نفسانیتوں نے تمہارے لیے ہمیشہ
کے لیے دوزخ میں جگہ بنا رکھی ہے جب تم ہم لوگوں کو قتل کر چکے تو اب ہماری حالتوں پر
روتے ہو۔ خدا کی قسم تم ہمیشہ کے لیے رونے کے سزاوار ہو، پس زیادہ روؤ اور کم ہنسو
پس تم نے اپنے آپ کو ایسے عیب و عار میں آلودہ کیا ہے کہ قیامت تک وہ آلایش
کسی پانی سے نہیں چھوٹ سکتی اور وہ دھبا کیونکر چھوٹ سکتا ہے۔ کیونکہ تم نے
اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند اور سید جوانانِ اہلِ بہشت کو قتل کیا
ہے اور ایک ایسے بزرگ کا خون اپنے ذمے لیا ہے اور بہایا ہے جو تمہارے میدانہائے
جنگ کی پشت و پناہ۔ تمہارے عقول کا معین۔ تمہاری صداقت کا کفیل۔ تمہاری
جراحتوں کا طبیب۔ تمہاری بلاؤں کا مامن۔ تمہاری دلائل کی قوت اور تمہارے
براہین کی علت اور تمہارے تمام طریقوں کا راہبر تھا۔ اے مردمانِ کوفہ جرم
عظیم تم نے اپنے ذمہ لیا۔ اور نہایت خوفناک طریقہ اپنے لیے قیامت میں جمع کیا
اور ہلاکت و بربادی کا باعث اپنے لیے ٹھہرایا۔ تمہارے ہاتھ کاٹے جائیں اور
تمہارے اُمور معاہد کو ہمیشہ خسارہ نصیب ہو۔ تم سب خدا کے عذاب میں مبتلا ہو گئے
اور ذلت و رسوائی کے باعث کفِ افسوس ملنے کے سزاوار ہو گئے۔ افسوس ہے تم پر
آیا تم جانتے ہو کہ تم نے کونسے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل
کیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کون سے عہد کو توڑا ہے اور تم نے
کن صاحبانِ عصمت کو اُن کے گھروں سے نکالکر بے پردہ کیا ہے۔ تم نے کس کی حرمت
کو ضائع کیا ہے اور کس کے خون کو بہایا ہے۔ تمہاری ان حرکتوں سے نزدیک
تھا کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاوے۔ پہاڑ سرنگوں
ہو جائیں اس حادثہ عظمےٰ اور اِس واقعہ کبریٰ نے اطرافِ زمین و آسمان
گھیر لیا ہے۔ تعجب نہیں کہ آسمان سے خون برسے۔ وہ زمانہ بہت جلد آتا ہے

کہ تم خدائے قادر و توانا کے عذاب الیم میں گرفتار ہو اور یہ مہلت جو تم کو ملی ہے اس پر تم مطمئن اور خوشدل مت ہو کیونکہ خدائے مطلق امور انتقام میں جلدی نہیں کرتا۔ اور اس کو وقت کے گزر جانے سے کوئی خوف نہیں ہوتا کیونکہ خدائے سبحانہ تعالےٰ ہمیشہ مجرموں کی تاک میں ہے۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔
تم کیا جواب دوگے جب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے پوچھینگے کہ تم تو بہترین اُمت تھے۔ تم نے ہمارے اہلبیت۔ ہماری اولاد اور ہماری عترت کے ساتھ کیا کیا۔ اُن کو تم نے اسیر کیا۔ اور اُن کو تم نے خون میں آلودہ کیا۔ کیا میری تمام وصیتوں اور نصیحتوں کی جزا یہی تھی کہ تم ہمارے صاحبانِ رحم کے ساتھ بعد میرے بُری طرح سے پیش آئے۔
بشر ابنِ فزاحم جو موقعہ پر حاضر تھا بیان کرتا ہے کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کے اس سچے اور پُر اثر خطبہ نے اہلِ کوفہ کے سخت دلوں پر ایسا اثر کیا کہ تمام چھوٹے بڑے زنان پسر مردہ کی طرح دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور اپنی ندامت کے ہاتھ کاٹنے لگے میرے پہلو میں ایک ضعیف العمر شخص کھڑا تھا میں نے اُس کی طرف دیکھا تو اُسکو نہایت بُری حالت سے روتا ہوا پایا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو پے در پے اُس کے مُنہ اور ڈاڑھی پر رواں تھے، پھر اُس نے اُسی حالت میں اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور جناب زینب سلام اللہ علیہا کے خطبہ کے جواب میں کہنے لگا بابی و اُمی کھولھم خیر الکھول وشبابھم خیر شباب ونسلھم نسل کریم وفضلھم فضل عظیم یعنی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تمہارے بزرگوار ہمارے بزرگوں سے بہتر ہیں اور تمہارے جوان ہمارے جوانوں سے بہتر ہیں، اور تمہاری شرافتیں ہماری شرافتوں سے بہتر ہیں۔ بشر ابن فزاحم کا بیان ہے کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا سے بڑھکر عرب میں کسی دوسری عورت کو فصیح و بلیغ و گویا ہمنے نہیں پایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام خود اپنی زبانِ صداقت ترجمان سے تقریر فرما رہے ہیں۔ یہ عالم تھا کہ جس گروہ کی طرف آپ خطاب فرماتی تھیں وہ جماعت کی جماعت آپ کے حسن تقریر سُنکر خجالت وندامت کے سبب سر بگریبان ہو جاتی تھی۔
بہرحال ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا کی تقریر کے

بعد جناب امام زین العابدین نے اُس مجمع کو مخاطب فرما کر ذیل کا خطبہ ارشاد فرمایا۔
ایھا النّاس فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا علی ابن الحسین ابن علی ابن
ابیطالب علیہ السّلام انا ابن المذبوح بشط الفرات من غیر ذحل ولا ترات
انا ابن من انتہک حریمہ وسلب نعیمہ وانتہب مالہ وسبی عیالہ انا ابن
من قتل صبرا وکفی بذالک فخرا ایھا النّاس ناشدتکم باللہ ھل تعلمون
انکم کتبتم الی ابی وخدعتموہ واعطیتموہ من انفسکم العھد والمیثاق و
البیعۃ وقاتلتموہ وخذلتموہ فتبا لکم لما قدّمتم لانفسکم وسوءۃ لرایکم
بایۃ عین تنظرون الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذ یقول
لکم قتلتم عترتی وانتہکتم حرمتی فلستم من امتی۔
جو لوگ نہ پہچانیں وہ اور جو کہ پہچانے وہ بھی جان لے کہ میں علی ابن الحسین ابن
علی ابن ابیطالب علیہ السّلام ہوں۔ میں اُس بزرگوار کا فرزند ہوں جسکا فرق مبارک
فرات کے کنارے کاٹا گیا۔ ایسی حالت میں کہ کوئی اُس کے خون کا عوض لینے والا
بھی نہیں تھا۔ میں اُس بزرگوار کا فرزند ہوں کہ جس کا پردۂ حرمت چاک کیا گیا۔
اور اُس کے سلاح جنگ کو غارت کیا گیا۔ اُس کے مال واموال کو لوٹا۔ اُس کے
اہل وعیال کو اسیر کیا۔ اُس کو نہایت سخت تکلیفوں سے قتل کیا اور یہی امر ہماری
اور اُس کی مفاخرت کے لیے کافی ہے۔ اب اے لوگو میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں
آیا تم لوگ وہ نہیں ہو جنہوں نے پے در پے خطوط لکھکر میرے پدر بزرگوار کو بلایا
جب اُنہوں نے تمہاری استدعا کو قبول کیا تب تم لوگوں نے اُن سے مکر و فریب کر کی
بیعت کی اور وعدہائے مستحکم قرار دیے۔ اس کے بعد پھر تمہیں لوگوں نے ان کو قتل
کیا۔ اور اُن کو اُن کے منصب سے علیحدہ کیا۔ پس ایھا النّاس۔ تم سب کو ہلاکت نصیب
ہو۔ کچھ یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ تم نے اپنے لیے بروز قیامت کیا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے
تم کیسے ناقص رائے اور بدعقیدہ قوم ہو۔ تم کن آنکھوں سے جناب رسالت مآب
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو گے اور کس منہہ سے آنحضرتؐ کے
سامنے جاؤ گے۔ ایسی حالت میں کہ جب آنحضرتؐ تم سے ارشاد فرمائیں گے کہ تمہیں نے
میرے بچّوں کو قتل کیا اور میرے پردۂ حرمت کو پارہ پارہ کیا۔ پس تم سب میری اُمت

سے نہیں ہو۔
آپ کے کلام صداقت التیام یہاں تک پہنچے تھے کہ تمام حاضرین نے سخت گریہ وزاری شروع کی اور چاروں طرف سے صدائے نالہ و شیون بلند ہوئی، یہ کیفیت مشاہدہ فرما کر جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد کیا رحم اللہ امرأ قبل نصیحتی وحفظ وصیتی فی اللہ وفی رسولہ واہلبیتہ فان لنا فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اسوۃ حسنۃ خدائے بجانہ وتعالیٰ اُس شخص کی حالت پر رحم کرے جو راہِ خدا اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہماری نصیحت وصیت کو قبول و محفوظ رکھے۔ کیونکہ ہم کو جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص متابعت و عقیدت حاصل ہے۔ آپ کے یہ ارشاد ہدایت بنیاد سُنکر تمام اہلِ کوفہ یکزبان ہو کر کہنے لگے کہ صدقت یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہم سب آپ کے فرمان کے مطیع ومنقاد ہوتے ہیں۔ آپ جو کچھ ارشاد فرمائیں گے ہم سر آنکھوں سے بجا لائینگے۔ آپ جس کے ساتھ لڑینگے ہم بھی اُس کے ساتھ جنگ کرنے کو موجود ہیں اور آپ جس کے ساتھ صلح کرینگے ہم بھی اُس کے ساتھ طریقہ مصالحت اختیار کرینگے یہانتک کہ ہم اُن تمام جفا پیشوں سے اُن مظالم کا پورا بدلہ لینگے جو ان شریروں نے آپکے ساتھ کیے ہیں۔
فقال علیہ السلام ھیھات ھیھات ایتھا الغدرۃ المکرۃ حیل بینکم وبین شھوات انفسکم اتریدون ان تاتوالی کما اتیتم الی آبائی من قبل کلا ورب الراقصات فان الجرح لما یندمل ابی بالامس واھل بیتہ معہ ولم ینسنی تکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تکل ابی وبنی ابی ووجد بین لھانی ومرارتہ بین حناجری وحلقی وغصصہ تجری فی فراش صدری ومسئلتی ان لاتکونوا لنا ولا علینا۔
اُن کے کلام سُنکر امام زین العابدین علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے اہلِ کوفہ افسوس افسوس۔ اے قوم نابکار۔ تم سب ہم سے دور رہو۔ تم وہ دغاباز او حیلہ ساز گروہ ہو جس کی طبیعت اور فطرت مکر وحیلہ سے بھری ہوئی ہے۔ تمہارا اصلی مقصود یہ ہے کہ تم نے جو کچھ ہمارے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کیا ہے وہ ہمارے ساتھ بھی کرو۔ حاشا وکلا قسم خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی میں کبھی اسے منظور نہیں کروں گا وہ

زخم جو میرے والد بزرگوار کی شہادت کے سبب میرے قلب پر لگے ہیں اور جنہوں نے میرے قلب کو توڑ دیا ہے ابھی تک اچھے نہیں ہوئے ہیں، اور ابھی تک وہ میرے دل سے بھولے نہیں ہیں۔ ابھی تک میرے باپ، بھائی اور عزیزوں کی مصیبتیں میرے سینہ میں نیش لگا رہی ہیں اور اس غم والم کی تلخی ابھی تک میرے گلے میں محسوس ہو رہی ہے اور اُس کا غصہ میرے سینے میں موجود ہے میں اب تم لوگوں سے صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ تم نہ ہمارے موافق ہو نہ ہمارے برخلاف۔

مسلم جصاص جو سلطنت امویہ کی طرف سے علاقۂ کوفہ کا میرِ عمارت تھا۔ بیان کرتا ہے کہ میں نے اسیرانِ اہلبیتؑ کو کوفہ میں آتے ہوئے دیکھا کہ زن و مردِ کوفہ اُنکی مصیبت ناک حالتوں کو دیکھکر روتے تھے اور عورتیں روٹی کے ٹکڑے۔ جَو اور خُرمے اُن پر تصدق کرتی تھیں معصوم بچے اُن کو اُٹھا کر منہہ میں ڈال لیتے تھے جناب ام کلثوم علیہا السلام اُن کے ننھے ننھے ہاتھوں سے وہ اشیاء صدقہ لے لیتی تھیں اور اُن پھینکنے والوں کی طرف مخاطب ہو کر فرماتی تھیں یا اھل الکوفۃ ان الصدقۃ علینا حرام اے اہلِ کوفہ صدقہ تو ہم لوگوں پر حرام ہے۔

ابن زیاد کے دربار میں اہلبیت علیہم السلام کا ورود

صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے خولی ابن یزید الاصبحی اور بشر ابن مالک جناب امام حسین علیہ السلام کے فرقِ مبارک کو لیکر ابن زیاد کے آگے آئے۔ بشر ابن مالک نے اور بعض کے نزدیک خولی نے مختصر تمہید کے بعد یہ اشعار پڑھے ؎

املأ رکابی فضۃ و ذھبا۔ انی قتلت الملک المحجبا ۔ ومن یصلی القبلتین فی الصبی قتلت وخیر الناس اما و ابا۔ وخیرھم اذ ینسبون النسبا اے امیر میری رکاب کو سونے اور چاندی (روپیہ اور اشرفی) سے بھر دے۔ کیونکہ میں نے ایسے بادشاہِ غیور کو قتل کیا ہے جس نے بچپن سے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے اور میں نے اُس بہترین مرد کو قتل کیا ہے جو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے بہترین عالم اور اپنی شرافت نسبی کے اعتبار سے افضل ترین جہاں تھا۔ یہ سنکر ابنِ زیاد بدنہاد نے جواب دیا ویحک فان علمت خیر الناس اما و ابا لم قتلتہ اذا واللہ ما تلقی منی خیرا الا الحقتک بہ فامر بضرب عنقہ فعجل اللہ بروحہ الی النار ثم پرسنت

منوس ہے۔ جب تو جانتا تھا کہ وہ ماں باپ کے اعتبار سے تمام جہان سے فاضلترین
دم تھے تو تو نے کیوں ایسے بزرگ کو قتل کیا۔ تیرے لیے میں کوئی انعام نہیں دونگا سوائے اسکے
مجھ کو بھی اُنہیں کے ساتھ ملادوں۔ اس کے بعد اُس نے حکم دیا کہ بشر ابن مالک کا سر
اُڑا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ شقی ترین مردم داخل دوزخ ہوا۔
ہر حال ابن زیاد نے آپ کے فرق مبارک کو ایک طشت میں رکھا اور اُسکو دیکھکر بہت ہی
مسرور ہوا۔ اور تبسم زیر لب کرکے اُس چھڑی سے جو اُس کے ہاتھ میں تھی آپکے دندان مبارک
کو ٹھکراکر کہنے لگا کان حسن الثغر یعنی آپ کے دانت کیسے حسین ہیں۔ زید ابن ارقم
جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی اُس مجلس میں حاضر تھے۔ اُس کی
بد زبانی اور بے ادبی کو دیکھکر بیتاب ہوگئے اور کہنے لگے ارفع قضیبک عن ھاتین الشفتین
فواللہ الذی لا الہ الا ھو لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
موضع قضیبک من فیہ اے پسر زیاد ان لب ہائے مبارک سے اپنی چھڑی کو اُٹھالے
قسم خدا کی جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ
جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی مقام کے بوسے لے رہے تھے جس جگہ
اوپر تو اس وقت اپنی چھڑی رکھے ہوئے ہے۔ زید ابن ارقم یہ کہکر ایسا بیتاب
ہوئے کہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ابن زیاد کو ان کی یہ کیفیت دیکھکر غصہ آیا اور
وہ کہنے لگا ابکی اللہ عینیک یاعدو اللہ لولا انک شیخ قد خرفت وذھب
عقلک لضربت عنقک خدا تمہاری آنکھوں کو رُلائے۔ اے دشمن خدا۔ اگر تم بوڑھے
نہ ہوتے اور ضعف پیری کے سبب تمہاری عقل زائل نہ ہوگئی ہوتی تو میں اسی وقت تمہاری
گردن کاٹی جانیکا حکم کرتا۔ زید ابن ارقم نے تو اُس کی ان فضولیات کا کوئی جواب نہ دیا مگر
اُس کو بار دیگر مخاطب کرکے کہا کہ اے ابن زیاد میں اب تجکو ایک حدیث سُنا کر متنبہ کرتا ہوں
اور وہ یہ ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دن دیکھا کہ جناب امام
حسن علیہ السلام کو پہلوئے راست پر اور جناب امام حسین علیہ السلام کو زانوئے چپ پر بٹھلائے
ہوئے ہیں اور اپنے دست مطہر ان بچوں کے سر پر شفقت سے پھیر رہے ہیں اور ارشاد فرماتے
ہیں اللھم انی استودعک ھذین ابا ھما صالح المومنین یا اللہ میں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام
اور انکے والد حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام جو صالح المومنین ہیں تیرے سپرد کرتا ہوں۔

کیوں اے پسر زیاد اب مجھکو تو بتلا دے کہ تو ان ودائع جناب نبوی کے ساتھ کس طرح پیش آیا۔ یہ کہکر زید ابن ارقم پھر رونے لگے اور جب رونے سے فراغت پائی تو تمام حاضرین کوفہ کو مخاطب فرما کے کہنے لگے کہ اے قوم عرب! اور اے غلاموں کے غلام! تم نے پسر نابغہ کو لپند کیا اور پسر مرجانہ کو سلطنت اسلامی اسی لیے دی تھی کہ اُسنے اخیار اُمت کو قتل کیا اور اشرار امت کو اپنا ملازم بنایا اور تم نے اُسکو اس لیے آزاد کردیا ہے کہ وہ تم کو ہمیشہ ذلیل و خوار رکھے اور تمام اُمور میں تم سے بہ سختی پیش آوے خدا اپنی رحمت سے اُس شخص کو دور رکھے جو مکر و فریب اور عار و ذلت کو اپنا شعار کرے۔

یہ واقعہ ایسا مشہور ہے اور معتبر کہ باختلاف الفاظ تمام مورخین نے اپنی اپنی تالیفات میں جمع کیا ہے۔ دیکھو روضۃ الصفا۔ روضۃ الاحباب۔ اعثم کوفی۔ کامل ابن اثیر۔ تاریخ طبری وغیرہ وغیرہ۔

شرح صحیح بخاری میں محمد ابن سیرین کی اسناد سے لکھا ہے کہ انس ابن مالک جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی اُس مجلس میں حاضر تھے ابن زیاد بد نہاد کی یہ حرکت دیکھکر زار زار رونے لگے اور کہنے لگے کہ افسوس جناب امام حسین علیہ السلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشبہ ترین مردم تھے۔

ہشام ابن محمد کا بیان ہے۔ جو ابن زیاد کی طرف سے کہانت کے عہدہ پر مامور تھا کہ میں نے ابن زیاد سے کہا کہ اے امیر مناسب یہ ہے کہ تو اپنے پاؤں دشمن کے سر پر رکھ کہ فال نیک ہے۔ ابن زیاد بد نہاد نے اُسکے کہنے کے مطابق کیا سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

ابن زیاد اسیران اہلبیت علیہم السلام کو بکمال مسرت دیکھکر کہنے لگا الحمد للہ الذی فضحکم وقتلکم واکذب احدوثتکم معاذ اللہ۔ شکر خدا کا جس نے تمہیں ذلیل کیا اور تم کو قتل کیا اور تمہارے دروغ کو ظاہر کیا۔ ابن زیاد کے کلام سنکر جناب زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا الحمد للہ الذی اکرمنا بنبیہ محمد وطہرنا من الرجس تطہیرا انما یفتضح الفاسق ویکذب الفاجر وہو غیرنا اُس خدائے سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ہے جس نے بباعث جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم لوگوں کو فضیلت عطا فرمائی اور دنیا کی تمام آلائشوں سے ہمکو پاک و پاکیزہ فرمایا بیشک خدائے قادر و توانا ہر فاسق و بدکار کو ذلیل کرتا ہے اور جھوٹا سمجھتا ہے اور ہم لوگ ایسے نہیں ہیں بلکہ وہ دوسرے لوگ ہیں آپ کا

دیا اُن غمگین اور صبر آثر جواب سنکر ابنِ زیاد نے کہا کیف رایت صنع اللہ باخیك دیکھو خدا نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا کیا جناب زینب نے نہایت استقلال سے جواب میں ارشاد فرمایا ما رایت الا جمیلا ھؤلاء قوم کتب اللہ علیھم القتل فبرزوا الی مضاجعھم سیجمع اللہ بینك وبینھم وتتحاجون وتتخاصمون عندہ وان لك یا ابن زیاد موقفا فاستعد لہ جوابا وانی لك بہ فانظر لمن الفلج یومئذ ثکلتك امك یا ابن مرجانۃ یعنی جو کچھ خدا نے ان کے (امام حسین علیہ السلام) ساتھ کیا اُس میں میں نے سوائے بہتری کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ کیونکہ آل محمد علیہم السلام وہ بزرگ اور معزز قوم ہیں کہ حقتعالے نے اپنی قربت حاصل کرنے کی غرض سے درجۂ شہادت عطا فرمایا ہے۔ اس لیے یہ حضرات اپنے مقصودِ دلی کی طرف رجوع ہونے میں عجلت فرماتے ہیں۔ لیکن خدائے قادر و توانا بہت جلد ہم کو اور تم کو مقام پرسش پر کھڑا کرے گا اور جانبین کی حجتوں کو سنیگا پس ای ابنِ مرجانہ تو ہی غور کر کہ اُسدن نجاتِ ابدی کس کے لیے حاصل ہونے والی ہے۔

اتنا سُننا تھا کہ ابن مرجانہ اپنے غصہ کی آگ میں جل گیا اور چاہا کہ جناب زینب علیہا السلام کو شہید کرے۔ عمر ابن حریث اُسوقت حاضرِ مجلس تھا۔ ابنِ زیاد کا دلی ارادہ معلوم کر کے اُس سے کہنے لگا کہ اب تجھ میں اتنی حمیت بھی باقی نہیں رہی کہ تو اب عورتوں پر بھی ہاتھ اُٹھانے لگا۔ عمر ابنِ حریث کی فہمایش سے وہ باز تو رہا مگر اپنی شریر اور مفسد طبیعت کے تقاضہ سے عاجز اور مجبور آکر پھر جناب علیا مکرمہ کو مخاطب کیا اور کہنے لگا شفانا اللہ من طاغیتك الحسین (معاذ اللہ) والعصاۃ المردۃ من اھل بیتك معاذ اللہ حسینؑ باغی اور مرتدین اہلبیتؑ کے قتل سے میرے قلوب کی شفا ہوگئی۔

اب جب اُس مرتد ازلی کی یہ زبان درازی سنی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے مگر فوراً گریہ کو ضبط فرما کر ارشاد کیا لعمری لقد قتلت کھلی ولبرزت اھلی وقطعت فرعی واجتثثت اصلی فان کان ھذا شفائك فقد اشتفیت میری جان کی قسم تو نے ہمارے ضعیفوں کو مارا۔ ہماری عورتوں کو بے پردہ کیا اور ہمارے برگ و بار کو بیخ و بن سے کاٹ ڈالا۔ اگر تیرے قلب کی شفا اسی میں ہے تو تو اپنی شفا حاصل کر ۔

داریم روا چو او روا می دارد — آبادی دیگراں ز بربادیِ ما

یہ سُنکر ابن زیاد نے کہا ھذہ سجاعۃ ولعمری لقد کان ابوك سجاعا شاعرا یعورت

مثل اپنے پدر بزرگوار کے مسجع اور مقفیٰ الفاظ میں باتیں کرتی ہے۔ قسم خدا کی جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام بہت بڑے سجاع اور شاعر تھے۔ جناب زینب علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میرے کلام مسجع اور مقفیٰ ہوں تو کوئی تعجب نہیں ہے۔ زیادہ تر تعجب تو اس شخص پر ہوتا ہے جو باوجودیکہ جانتا ہے کہ عقبیٰ میں اس سے بازپرس کی جائے گی اور خداوند تعالےٰ اس سے انتقام لیگا مگر تاہم اپنے امام زمانہ کے قتل کا حکم کرتا ہے۔

پھر جناب ام کلثوم علیہا السلام ابن زیاد بدنہاد سے مخاطب ہو کر فرمانے لگیں یا ابن زیاد کان قرت عینك بقتل الحسین علیه السلام فقد کان عین رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم تقر برؤیته وکان یقتله ویمص شفتیه ویحمله واخاه فاستعد غدا للجواب اے پسر زیاد۔ قتل جناب امام حسین علیہ السلام سے تیری آنکھ تو ٹھنڈی ہوئی مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ اُن کے دیدار سے روشن ہوتی تھی اور آپ اُن کے لبہائے مبارک کو چوسا کرتے تھے اور اُنکو اور اُنکے بھائی امام حسن علیہ السلام کو اپنے کاندھے پر چڑھایا کرتے تھے۔ اب تو اُن جوابوں کے لیے تیار رہ جو بروزِ قیامت تجھ سے پوچھے جائیں گے۔

اس کے بعد ابن زیاد نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر حاضرین سے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ تو لوگوں نے کہا یہ علی ابن الحسین علیہما السلام ہے فقال الیس قد قتل الله علی ابن الحسین علیہما السلام کیا علی ابن الحسین علیہما السلام کو خدا نے قتل نہیں کیا ہے؟ آپ نے اُس کے کافرانہ تعریض کے جواب میں نہایت آہستگی سے ارشاد فرمایا قد کان لی اخ یقال له علی ابن الحسین علیہما السلام قتله الناس میرا ایک بھائی تھا جسکا نام علی ابن الحسین علیہما السلام تھا البتہ اُن کو لوگوں نے قتل کر ڈالا اُسنے کہا کہ لوگوں نے نہیں قتل کیا۔ اس کے جواب میں آپنے یہ آیۂ قرآنی تلاوت فرمائی الله یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها خدائے تعالےٰ انسان کی نفوس کو اس وقت مار ڈالتا ہے جب اُسکی موت آجاتی ہے اور جس کا زمانہ موت نہیں آتا وہ اپنی خوابگاہ کی طرف آسودہ ہوتا ہے۔ یہ جواب سُنکر ابن زیاد کی آتش غیظ وغضب سخت مشتعل ہوئی وہ آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ یہ کس قدر جری اور گستاخ ہے۔ اسکو باہر لیجاؤ اور اسکی گردن مارو۔ یہ حکم سُنکر جناب زینب سلام اللہ علیہا کو سخت اضطراب لاحق حال ہوا۔ جناب

علیا مکرمہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے ابن زیاد سے مخاطب ہو کر فرمایا حسبک من
دمائنا واعتنقه وقالت واللہ لا افارقه فان قتلته فاقتلنی معه اے ابن زیاد
ہمارے سب کے خون کرنے کے بعد بھی تو بس نہیں کرتا۔ پھر اپنے ہاتھ اُن کی گردن میں ڈال دیئے
اور فرمایا کہ میں تو اس کو نہیں چھوڑوں گی اگر اس کو مارتا ہے تو مجھ کو بھی مار ڈال۔ جناب
زینب خاتون کے اس کلام نے اُس بیرحم کے دل پر بھی سخت اثر کیا وہ کہنے لگا واعجبا
للرحم واللہ انی لاظنها تزید ان اقتلها معه دعوه فانی اراه لمابه مشغول عزیز داری
اور قرابت کے ایسے مستحکم ارادوں پر سخت تعجب ہے۔ دیکھو جناب زینب حضرت علی
ابن الحسین علیہما السلام کے عوض میں قتل کیے جانے پر راضی ہیں اس لیے اُن کے قتل
سے باز آؤ اور اُن کو اور امام زین العابدین علیہ السلام کو چھوڑ دو کہ وہ بھی اُس چیز کی طرف
نگراں ہو جسکی طرف وہ مصروف ہیں۔ اس کے بعد جناب امام زین العابدین علیہ السلام
نے فرمایا اے عمّہ خاموش رہیے اور اب مجھ کو ابن زیاد کے جواب دینے دیجیے پس آپ نے
اُس کو مخاطب فرما کر ارشاد کیا ابالقتل تهددنی یا ابن زیاد اما علمت ان القتل لنا
عادة وکرامتنا الشهادة اے ابن زیاد تو مجھ کو قتل سے ڈراتا ہے تو یہ نہیں جانتا کہ قتل ہونا
ہماری عادت ہے اور شہادت ہمارے لیے کرامت ہے ان کان بینك وبین هؤلاء النساء
رحم فارسل معهن من یودیهن انت وکان استحیی اگر ان مصیبت زدہ
عورتوں میں اور تجھ میں کوئی علاقہ اور واسطہ قائم ہے تو ان بیچاریوں کو کسی اہل
اعتبار کے ہمراہ ان کے وطن تک پہنچا دے۔

بہر حال ان تمام مکالمات کے بعد ابن زیاد کو سخت ندامت دامنگیر ہوئی اور وہ جھیپ کر کہنے
لگا کہ آپ ہی ان لوگوں کو ان کے وطن تک پہنچائیں گے اس کے بعد ابن زیاد نے تمام
اہلبیت علیہم السلام کو اُس خرابہ کی طرف لیجانے کا حکم دیا جو مسجد جامع کے پہلو میں واقع
تھا جناب زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں لایدخلن علی عربیة الا ام ولد ومملوکة
فانهن سبین وقد سبینا یعنی اُس خرابہ میں ہمارے پاس لٹے لونڈیوں اور اسیر عورتوں کے
اور کوئی عورت نہیں آتی تھی کیونکہ وہ خیال کرتی تھیں کہ جیسے ہم اسیر ہیں ویسی ہی یہ بھی اسیر ہیں۔

عبد اللہ ابن عفیف رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک دن ابن زیاد مسجد جامع میں آیا۔ اُسوقت کوفہ کی جامع مسجد تمام اہلِ اسلام سے بھری ہوئی

تھی۔ منبر پر گیا اور اپنے خطبہ کو یوں آغاز کیا۔ الحمد للہ الذی اظہر الحق ونصر امیر المومنین واشیاعہ وقتل الکذاب ابن الکذاب یعنی اُس خدائے سبحانہ وتعالےٰ کا شکر ہے جس نے کلمۂ حق کو ظاہر کیا اور امر حق کی نصرت فرمائی اور امیر المومنین اور اُس کے دوستوں کی پوری حمایت کی اور معاذ اللہ دروغگو ابن دروغ گو کو قتل کرایا۔

اُسکا سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ عبداللہ ابن عفیف رحمۃ اللہ علیہ نے اُس مجمع کثیر سے اُٹھکر یک بیک اُسکی بات کو اُسکے مُنہہ میں کاٹ دیا۔ یہ بزرگ نابینا تھے اور اُن کے نابینا ہونیکا یہ باعث لکھا ہے کہ اُن کی اُلٹی آنکھ جنگ جمل میں اور سیدھی آنکھ صفین کی لڑائی میں جاتی رہی تھی۔ اُنکے روزانہ مشاغل یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ صبح سے شام تک جامع مسجد میں معتکف رہکر اپنے اوقات عزیز کو صوم و صلوٰۃ کی مشغولیت میں صرف فرماتے تھے۔ المختصر وہ ابن زیاد کی سخت کلامیوں کے سُننے کی مطلق تاب نہ لاسکے۔ اُسکو ڈانٹا اور نہایت استقلال سے کہنے لگے

یابن المرجانۃ ان الکذاب ابن الکذاب انت وابوک ومن استعملک وابوہ یاعدو اللہ اتقتلون ابناء النبیین وتتکلمون بھذا الکلام اے ابن مرجانہ تو اور تیرا باپ دونوں جھوٹے ہیں اور وہ بھی اور اُس کا باپ بھی جھوٹا ہے جسنے تجھ کو عامل مقرر کیا ہے تو اولاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرکے مومنین کے منبروں پر ایسے کلام کرتا ہے ع مرجانہ کے بیٹے تجھے مرجانا ہے لازم۔ ابن زیاد نے یہ سُنکر حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جو ایسی سختی سے مجھے جواب دیتا ہے۔ بغیر اس کے کہ کوئی شخص اُن کی معرفت کرائے عبداللہ ابن عفیف رحمۃ اللہ علیہ نے خود کھڑے ہوکر کہا انا المتکلم یاعدو اللہ اتقتل الذریۃ الطاھرۃ التی قد اذھب اللہ عنھم الرجس وتزعم انک علیٰ دین الاسلام واغوثاہ این اولاد المھاجرین والانصار لاینتقمون من طاغیتک اللعین علیٰ لسان محمد رسول رب العلمین صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین ❖

میں ہوں۔ میں ہوں ان کلمات کا کہنے والا۔ تو ذریت رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل بھی کرتا ہے اور تاہم اپنے آپکو مسلمان خیال کرتا ہے۔ پس اے مہاجر و انصار کی مبارک نسلو! خدا سے فریاد کرو اور اس کافر مطلق سے انتقام لو جس کو جناب سید المرسلین رسول رب العالمین صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین نے لعین ابن لعین فرمایا ہے۔

اتنا سُننا تھا کہ ابن زیاد کے بدن میں آگ لگ گئی، اُس نے فوراً ابن عفیف کی گرفتاری کا حکم

لم کی دیر تھی چاروں طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے، قریب تھا کہ ابنِ عفیف گرفتار ہو جائیں، مگر قبیلہ
ٔد کے لوگ جو قرابت میں عبداللہ سے قریب تھے اٹھ کھڑے ہوئے، اور ابنِ عفیف کو چھڑا کر
ن کے گھر بھیج دیا۔ بات رفت گزشت ہوگئی۔ لیکن ابنِ زیاد کا کینہ دل سے نہ نکلا اُس نے پھر ابنِ
فیف کی گرفتاری کو آدمی بھیجے۔ جب اِس دوسری دوڑ کی خبر قبیلۂ ازد کو پہنچی تو وہ بھی
ست بقبضہ ہوئے اور اُن کے ساتھ قبیلۂ یمن کے لوگ بھی شریک ہوگئے۔ ابنِ زیاد
کے لوگ ان قبائل کی تیاری دیکھکر دست بقبضہ ہونے سے باز رہے اور واپس آئے۔ اِن
کی واپسی کے بعد ابنِ زیاد نے محمد ابن اشعث کے ہمراہ قبیلہ بنی مضر کے لوگوں کو بھیجا او
ہ لوگ عبداللہ کی طرف والوں سے مقابل ہوئے۔ محمد ابن اشعث کی طرف مارے بھی گئے
ر تاہم عبداللہ ابن عفیف کے طرفداروں کو شکست ہوئی اور وہ متفرق ہوگئے۔ محمد ابنِ
شعث نے عبداللہ ابنِ عفیف کے گھر کا دروازہ توڑ ڈالا اور اُن کے گھر میں گھس گیا۔
عبداللہ کی لڑکی نے اپنے باپ سے کہا کہ فوج آگئی۔ ضعیف لیکن جواں ہمت باپ نے
کہا کہ پھر خوف کیا ہے۔ میری تلوار مجھ کو دیدے۔ پھر عبداللہ اپنی تلوار لیکر یہ رجز پڑھتے ہوئے
باہر نکل آئے ؎ انا ابن ذی الفضل العفیف الطاہر + عفیف شیخی وابن ام عامر
کم دارع من جمعکم وحاسر + وبطل جدلت له مغادد + اُن کی صاحبزادی باپ کی تنہائی
دیکھکر کہنے لگی یالیتنی کنت رجلا احاصم بین یدیك هؤلاء الفجرة قاتلی العترة البررة
اے کاش کہ میں مرد ہوتی اور اپنے باپ کی حمایت میں اس قوم جفاکار قاتلانِ عترت اطہار سے
جنگ کرتی۔ یہ کہکر اپنے باپ کے پہلو میں کھڑی ہوگئی اور جب تک عبداللہ ابنِ عفیف
لڑائی میں مشغول رہے یہ سعادتمند اپنے باپ کو برابر تبلاتی رہی کہ داہنی طرف سے حملہ ہوتا ہے
اور اب بائیں جانب سے۔ جناب مرزا دبیر صاحب مرحوم اپنے ایک مرثیہ میں جو عبداللہ
کے حالات میں لکھا ہے اِس مقام پر پہنچکر فرماتے ہیں ؎ کور اُن کو کہنا ورے عار فکی شہ
سے :. نورِ نظر تو بول رہا ہے زبان سے۔ افسوس۔ کتاب موازنہ میں شمس العلماء مولوی شبلی نے
اِن مضامین کی کوئی قدر نہیں کی۔ المختصر عبداللہ غریب گرفتار کیے گئے۔ ابنِ زیاد کے سامنے
لائے گئے اور اُس کے حکم سے قتل کیے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

اہلبیت علیہم السلام کی کوفہ سے شام کو روانگی

ہم اپنے مجوزہ سلسلۂ بیان میں اہلبیت علیہم السلام کے سفر شام کے حالات بیان کرتے ہیں

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ عبیداللہ ابن زیاد نے اہلبیت علیہم السلام کو کوفہ میں اُس وقت تک اسیر رکھا جب تک کہ اُس کی اطلاع کا جواب یزید کے پاس سے نہ آلیا۔ یزید نے ابن زیاد کو لکھ بھیجا کہ اسیران اہلبیت علیہم السلام مع سرہائے شہداء شام میں بھیجدیے جائیں۔ ابن زیاد نے خط پاتے ہی فوراً تعمیل حکم کی اور اہلبیتِ کرام علیہم السلام کو مع اُن کے سروں کے شام کی طرف روانہ کردیا+

کوفہ سے یہ قافلہ شمر ابن ذی الجوشن۔ عمر ابن سعد اور زفر ابن قیس کے ہمراہ شام کو روانہ ہوا اور اربعین کے روز یعنی بیسویں صفر کو ارضِ کربلا میں داخل ہوا۔ باتفاق فریقین ثابت ہوتا ہے کہ اہلبیت بروز اربعین داخل کربلا ہوئے، مگر اختلاف یہ ہے کہ بعض بزرگوار شام سے کربلا میں اربعین کے روز بتلاتے ہیں اور بعض کوفہ سے۔ صحیح یہی ہے کہ کوفہ سے شام تک کے سفر میں ان بزرگواروں کا داخلہ کربلائے معلےٰ میں ہوا۔ چنانچہ صاحب ناسخ التواریخ جلد ششم ص ۳۴۴ میں اس امر کو خوب وضاحت کیساتھ لکھتے ہیں۔

کوفہ سے پہلی منزل کربلائے معلےٰ۔ اس میں کوئی کلام اور کوئی شبہ نہیں ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کا قافلہ کوفہ سے چلکر کربلا میں پہنچا اور وہاں ایک روز قیام کرکے دوسرے دن قادسیہ میں داخل ہوا۔

دوسری منزل قادسیہ۔ قادسیہ ایک مشہور و معروف مقام ہے، جو براہ خشکی کوفہ سے ساڑھے سات میل پر واقع ہے۔ قادسیہ علاقہ موصل کے متعلق ہے اور باعتبار آبادی اور دستکاری کے اسوقت تک ایشیائے مائینر کے مشہور مقامات میں داخل ہے۔ بہرحال اہلبیت علیہم السلام بے سروسامان عریان و پریشان اس شہر میں پہونچے اور یہاں ایک شبانہ روز قیام کرکے شہر موصل میں فرود ہوئے۔

تیسری منزل موصل۔ شہر موصل ملک جزائر اور عراق کے درمیان واقع ہے، اسی کے وسط میں جناب جرجیس علےٰ نبینا وعلیہ السلام کی قبر مطہر واقع ہے۔ یہ شہر اسی نام سے اسوقت تک ترکستان مشرقی کے انگریزی نقشوں میں مندرج ہے۔ حافظ جمال الدین محدث کہ سواد اعظمِ اہلسنت کے معتبر محدثین اور مستند مورخین میں شامل ہیں اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ لوگ شہر موصل کے قریب پہنچے شمر ذی الجوشن نے حاکم شہر کو لکھ بھیجا کہ ہم لوگ فتح و نصرت کے ساتھ مع سرہائے شہداء کربلا

تمہارے شہر میں عنقریب داخل ہونیوالے ہیں، اس لیے تم کو ہدایت کیجاتی ہے کہ تم اپنے
شہر اور شہر کے تمام کوچہ و بازار کو اور قصر امارت کو بزیب و زینت تمام آراستہ و پیراستہ
کرو جس وقت شمر ذی الجوشن کا یہ ہدایت نامہ امیر موصل کو پہنچا اُس نے تمام لوگوں کو بلا کر مضمون
خط سُنا دیا اور اُن سے یہ کہا کہ اگر ان لوگوں کو ہم اس حالت سے شہر میں بلا کر اپنا مہمان بنائیں تو ہم لوگ
کسی فتنہ و فساد کے باعث تو نہ ہوں گے، اور یہ امر تم لوگوں کے رنج و ملال کی وجہ تو نہ ہوگا۔ اُن لوگوں
نے کہا کہ ہم کبھی اس امر پر رضامند نہ ہونگے۔ چنانچہ حاکم موصل نے شمر ذی الجوشن کو لکھ بھیجا کہ
چونکہ اس شہر میں بہت سے شیعوں کی آبادی ہے اس لیے ہم تمکو اور تمہارے لشکر کو اپنے شہر
میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ لوگ بگڑ جائیں گے تو موجودہ امن و امان
میں بہت بڑی خرابی واقع ہوگی۔ مناسب وقت یہی ہے کہ تم لوگ شہر سے کچھ فاصلہ پر
اُترو۔ رسد رسانی کے متعلق تمام ضروری چیزیں فراہم کر کے بھیجدی جائینگی۔ ایسا ہی ہوا
بھی۔ شمر اور اُسکا ہمراہی لشکر موصل سے تھوڑی دور پر علٰحدہ اُترا اور حاکم موصل نے
حسب الوعدہ رسد رسانی کا کافی سامان لشکرگاہ میں بھجوا دیا۔

اکثر علماء کی تالیفات سے شہر موصل کے متعلق یہ واقعہ خاص طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شمر
ذی الجوشن نے قیام موصل کے وقت جناب امام حسین علیہ السّلام کا فرق مبارک نیزہ
سے اُتارا تو ایک قطرۂ خون ٹپک کر ایک پتھر پر گر پڑا۔ اُس پتھر سے ہر سال روز عاشورا
خون تازہ نکلتا تھا اور شیعیانِ علی علیہ السلام جوق جوق اُس پتھر کی زیارت کو آتے تھے
اور وہ پتھر مشہد النقطہ کے نام سے مشہور تھا، یزید لعنۃ اللہ علیہ کے زمانِ حکومت تک قائم
رہا۔ مروان نے اپنی سلطنت کے زمانہ میں اُس پتھر کو ضائع کرا دیا۔ پھر اُسکے وقت سے
اس کا پتہ نہیں چلتا۔ ناسخ التواریخ ص ۲۴۴۔

چوتھی منزل شہر تکریت۔ موصل سے چلکر یہ قافلہ شہر تکریت میں پہنچا۔ یہ شہر شہر بغداد
سے ۴۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس شہر کے قریب پہنچکر بھی شمر ابن ذی الجوشن نے یہاں
کے حاکم کو ویسا ہی ہدایت نامہ لکھا جیسا کہ شہر موصل کے امیر کو لکھا تھا مگر امیر موصل کے
خلاف امیر تکریت نے بڑی مستعدی سے شمر ذی الجوشن کے حکم کی تعمیل کی اور تمام شہر کو نئی
زینت اور تازہ آرائش کا حکم دیا۔ تمام شہر کے لوگ زرق برق نظر آنے لگے۔ حاکم شہر بھی
نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سوار ہوکر لشکر یزید کی رسم استقبال کے لیے روانہ ہوا اور

اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ جو کوئی پوچھے کہ یہ کس کا سر ہے تو تم جواب دینا کہ معاذاللہ ایک خارجی نے یزید پر خروج کیا تھا ابن زیاد نے اُس کا سر کاٹکر یزید کے پاس بھیجا ہے۔ چنانچہ جو کوئی اُس فرق مقدس کی نسبت اُن سے سوال کرتا تھا وہ یہی جواب دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن تماشائیوں میں سے ایک نصرانی نے بڑھکر کہا کہ یہ کسی خارجی کا سر نہیں ہے۔ میں کوفہ سے ابھی ابھی آرہا ہوں اور اس سر کو دیکھ چکا ہوں۔ مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ یہ امام حسین ابن علی ابن ابیطالب علیہم السلام کا سر ہے۔ اُسکا یہ کہنا تھا کہ شہر کے باشندوں میں عام شورش پھیل گئی اور ہر شخص اس کو سنکر اُس مجمع سے علٰحدہ ہونے لگا۔ اُس شہر میں عیسائیوں کی بہت بڑی آبادی تھی وہ سب بھی انہیں لوگوں کے ساتھ ہوگئے اور ایک دل و ایک زبان ہوکر کہنے لگے کہ ہم اُس قوم شقاوت اثر کا کبھی ساتھ نہ دینگے جو اپنے پیغمبر (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے نواسے کو قتل کریں اور اس واقعہ پر خوشی منائیں جب شمر ذی الجوشن وغیرہ نے اُن لوگوں کا رنگ بیرنگ دیکھا تو تکریت میں نہ اُترا۔ بلکہ دارعروہ میں آکر پڑاؤ ڈال دیا جو شہر تکریت سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔

پانچویں منزل وادی نخلہ دارعروہ سے چلکر یہ قافلہ زمین صلیتا سے ہوتا ہوا وادی نخلہ میں فروکش ہوا اور ایک دن ایک رات وہاں مقیم رہا۔

چھٹی منزل شہر لبا۔ صبح کو وادی نخلہ سے کوچ ہوا۔ شام کو شہر لبا میں داخلہ ہوا جب یہ لوگ شہر میں داخل ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو واقعات کربلا کے حالات سے پوری واقفیت ہوئی تو وہ لوگ ہجوم کرکے جناب امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو دیکھکر آپ پر اور آپکے جد و پدر پر درود وسلام بھیجنے لگے اور یکزبان ہوکر ہمراہیان شمر ذی الجوشن علیہ اللعن پر لعنت بھیجنے لگے۔ شمر ذی الجوشن نے اُن سے مقابلہ کیا اور اُن کو قتل و غارت کرکے اور اُنکی آبادی کو خراب کرکے وہاں سے کوچ کیا اور دیہ کحیل میں داخل ہوئے۔

ساتویں منزل دیہ کحیل یہ ایک چھوٹی سی بستی علاقہ موصل کے متعلق دجلہ کے کنارے پر واقع ہے۔ یہاں بھی ایک شبانہ روز قیام کرکے کوچ ہوا۔

آٹھویں منزل شہر نصیبین۔ یہاں بھی ایک شبانہ روز قیام ہوا۔

نویں منزل شہر دعوات۔ شہر نصیبین سے اٹھکر ارض عین الورد ہوتے ہوئے یہ لوگ شہر دعوات کے نزدیک پہنچے۔ شمر ذی الجوشن نے یہاں کے لوگوں کو بھی ویسا ہی اطلاعنامہ لکھا

جیسے پہلے موصل اور تکریت کے عاملوں کو لکھ بھیجا تھا۔ حاکم دعوات نے نہایت سرگرمی سے اس حکمنامہ کی تعمیل کی اور تمام شہر کو آراستہ و پیراستہ کیا اور نہایت تزک و احتشام سے شمر وغیرہ کا استقبال کر کے شہر میں لایا اور وسط شہر میں اُس مقام پر جسے رحبہ کہتے تھے ایک بلند نیزہ پر جناب امام حسین علیہ السلام کے فرقِ مبارک کو نصب کر دیا اور ایک آدمی کو اس نیزہ کے نیچے صرف یہ چلا چلا کر کہنے کے لیے بٹھلا دیا کہ ھذا رأس الخارجی (معاذ اللہ) الغرض وہ گمراہ صبح سے شام تک برابر چلا چلا کر یہی کہتا تھا۔ اہل شہر کے اُس وقت دو فرقے ہو گئے تھے جو ہوا خواہانِ بنی اُمیہ سے تھے وہ مسرور الحال اور شادمان تھے اور جو معتقدانِ اہلبیت تھے وہ نالان و گریاں تھے۔ الغرض شمر نے وہ رات خوب عیش و راحت میں بسر کی۔ شراب کے خم کے خم خالی ہو گئے اور رات بھر چنگ و رباب کی صحبت برپا رہی۔ صبح کو کوچ ہوا۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے روانگی کے وقت اپنے پدر بزرگوار کے فرق مجروح کی طرف دیکھکر یہ اشعار زبانِ مبارک سے ادا فرمائے ۵ لیت شعری اعاقل فی الدیاجی + یات من فجعة الزمان یناجی + انا نجل الامام ما بال حقی + ضائع بین عصبة الاعلاجی +

علمائے کرام رحمہم اللہ کی بعض تالیفات سے مستفید ہوتا ہے کہ جس مقام پر آپکا سر مبارک نیزہ پر نصب کیا گیا تھا وہ مقام ہمیشہ متبرک اور مقدس خیال کیا جاتا تھا اور عوام الناس انجاح مطالب اور اجرائے مقاصد کے لیے وہاں حاضر ہو کر دعائیں مانگتے تھے اور خدائے سبحانہ و تعالے اُن کے جملہ مطالب و مقاصد کو مستجاب فرماتا تھا۔

دسویں منزل شہر قنسرین۔ شہر دعوات سے اُٹھکر یہ قافلہ شہر قنسرین کے قریب پہنچا یہ شہر حلب سے ایک منزل پر واقع ہے۔ جب اس لشکر کی آمد کی خبر قنسرین میں پہنچی تو چونکہ وہاں کثرت سے شیعیان علی ابن ابی طالب علیہ السلام آباد تھے اُن لوگوں نے وہاں کے دروازے بند کر لیے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھکر قاتلانِ امام مظلوم علیہ السلام پر لعن و طعن کرنے لگے اور اُن پر پتھر پھینکنے لگے، اور کہنے لگے اے قاتلانِ آلِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین اگر تم ہماری سب کی گردنیں بھی تلوار کے نیچے رکھ دو گے تا ہم تم میں سے ہم ایک کو اپنے شہر میں آنے کی اجازت نہیں دینگے۔ جب اُن لوگوں نے یہ مستعدی اور تیاری دیکھی تو آخر قنسرین کے قیام سے باز آکر معرة النعمان میں اُتر پڑے

معرة النعمان گیارھویں منزل۔ اِس مقام کے لوگوں نے ان لوگوں کو اُترنے کی جگہ دی اور دانہ

وغیرہ سب مہیا کر دی اور وہ لوگ وہاں با آرام تمام شب بھر قیام کر کے علی الصباح مقام
شیرز کی طرف روانہ ہوئے۔

بارھویں منزل شہر شیرز۔ جب یہ قافلہ شہر شیرز کے قریب پہنچا اور وہاں قیام کرنیکا ارادہ کر لیا
اُس شہر میں ایک ضعیفہ رہتی تھی اُسنے تمام شہر کے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ مجھ کو بہ تحقیق خبر ملی ہے کہ
یہ قوم جفا پیشہ فرزند محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و دلبند علی مرتضیٰ علیہ السلام کا فرق مبارک
لیکر آ رہی ہے پس ان لوگوں کو اپنے شہر میں نہ آنے دو۔ کیونکہ ان کے آنے سے ہم سب دائرۂ
اطاعت آل محمد علیہم السلام سے خارج ہو جائیں گے۔ اُس کی یہ تقریر سُنکر تمام شہر کے لوگ
شمر وغیرہ کی مخالفت پر متفق ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لشکر شقاوت اثر وہاں اُترنے نہ پایا۔ وہاں سے
اُٹھکر ایک چھوٹے سے قلعہ میں جو اُسی شہر کے باہر تھوڑے فاصلہ پر بنا ہوا تھا پہنچے۔ یہ قلعہ
چھوٹا تو ضرور تھا مگر بہت ہی مستحکم تھا اس قلعہ کو قلعۂ کفر طاب کہتے تھے۔ قلعہ والوں
نے بھی دروازے بند کر لیے اور ان لوگوں کو آنے نہ دیا۔ بلکہ قلعہ پر سے ان کی مدافعت کی
فکریں کرنے لگے۔ یہ حالت دیکھکر خولی قلعہ کے نیچے آیا اور کہنے لگا آیا تم لوگ یزید ابن معاویہ
کی رعایا اور زیر فرمان نہیں ہو۔ تم لوگ ہمارے لشکر کو اپنے قلعہ میں آنے دو۔ قلعہ کے دروازے
کھولدو اور آب و طعام اور جملہ ضروریات سے ہماری خبر لو۔ اُن لوگوں نے یکزبان اور یک کلام ہو کر
جواب دیا کہ قسم خدا کی ہم تم کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دینگے، کیونکہ تم تو وہی ہو جنہوں نے
جناب امام حسین علیہ السلام کو بھوکا پیاسا میدان کربلا میں شہید کیا۔ اُنکے یہ کلام سُنکر خولی کو
پوری مایوسی ہو گئی۔ وہاں سے روانہ ہوئے اور ارض سیبور میں داخل ہوئے۔

تیرھویں منزل ارض سیبور۔ جب یہ قافلہ ارض سیبور میں داخل ہوا تو جناب امام زین العابدین
علیہ السلام نے یہ اشعار زیر لب فرمائے ؎ ساد العلوج فما ترضی بذا العرب ٭ وصار
یقدم راس الامة الذنب ٭ یا للرجال لما یاتی الزمان به ٭ من العجیب الذی ما مثله عجب
آل الرسول علی الاقتاب عاریة ٭ وآل مروان تسری تحتهم نجب ٭

جس وقت ابن زیاد کا لشکر شہر کے قریب پہنچا تو تمام شہر کے لوگ جمع ہو کر اس امر پر مشورہ کرنے
لگے کہ آیا ان لوگوں کو یہاں اُتارا جائے یا اور ہمسایہ مقامات کی طرح اُنکو شہر میں نہ آنے دیا جائے
ان لوگوں میں ایک شخص جو اصحاب عثمان ابن عفان میں سے تھا اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ لشکر
یزید کو آنے دیا جائے اور ان کے روکنے میں کسی طرح کی مصلحت نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ کوفہ

سے اس وقت تک برابر ہر شہر اور ہر قصبہ میں ہوتے چلے آتے ہیں کسی جگہ کے لوگوں نے ان سے کسی قسم کی مخالفت نہیں کی ہے۔ ہم لوگ بھی ان کو شہر میں بلا مزاحمت آنے دیں اور یہاں سے بموافقت رخصت کردیں حاضرین نے جواب دیا۔ قسم خدا کی ہم ایسا نہیں کرینگے اور نہ یہ امر کبھی ہم لوگوں کو گوارا ہوگا کہ یہ قوم جفا شعار اُتر کر ہمارے شہر کو بدنام کردے۔ پس وہ لوگ وہاں سے اُٹھے اور تمام پانی کے حوض کاٹ دیے کہ اُنکا پانی بہہ گیا اور مستعد جنگ ہو کر باہر نکل آئے۔ اتنے میں لشکر ابن زیاد بھی آگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوگیا۔ اور سخت لڑائی واقع ہوئی۔ لشکر ابن زیاد سے چھ سو آدمی مارے گئے۔ اور اہل سیبور سے بھی اکثر لوگ مارے گئے۔ جناب اُمّ کلثوم علیہا السلام نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے معلوم ہوا سیبور۔ آپ نے فرمایا۔ اعذب اللہ تعالیٰ شرابهم وارخص اسعادهم و رفع ایدی الظلمة عنهم یعنی خداوند سبحانہ و تعالےٰ پانی پینے کے چشموں کو شیریں تر اور گوارا تر فرمائے اور ضروریات خوردنی اور پوشیدنی ان کی فراواں اور ارزاں فرمائے۔ مورخ ابو مخنف کا بیان ہے کہ وہ زمین آج تک ایسی سرسبز و شاداب ہے اور زرخیز کہ کوئی اور مقام اُس کے مقابلہ میں نہیں بتلایا جاسکتا۔ بہرحال اہل سیبور نے کسی طرح ان لوگوں کو اپنے شہر میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی اور یہ آخر کار مجبور ہو کر وہاں سے واپس ہوئے۔

چودھویں منزل شہر حماة۔ یہاں کے لوگ بھی اُسی طرح پیش آئے اور یہ قافلے کا قافلہ وہاں سے بھی بے نیل مرام واپس آکر شہر حمص میں پہنچا۔

پندرھویں منزل شہر حمص۔ ملک شام کے مشہور و معروف توابعات میں داخل ہے اور شہر حلب و دمشق کے بیچوں بیچ میں واقع ہے۔ اور شہر حمص کا قلعہ مستحکم اور مشہور ہے خالد ابن نشیط اُس وقت یزید ابن معاویہ کی طرف سے شہر حمص کا گورنر تھا۔ جب خولی ابن یزید الاصبحی اور شمر ذی الجوشن اس شہر کے قریب پہنچے تو ان لوگوں نے خالد کو اپنے آنیکی خبر لکھ بھیجی اور رسد رسانی وغیرہ کے ضروری انتظاموں کے لیے ہدایت کردی خالد نے تمام شہر میں آئینہ بندی کا حکم دیا اور خود بھی بڑی شان و شوکت سے اپنی ہمراہی فوج کے ہمراہ لشکر یزید کے استقبال کے لیے روانہ ہوا اور تین میل سے لشکر یزید کا رسم استقبال ادا کیا اب خالد جب اس لشکر شقاوت اثر کے ہمراہ پھر شہر میں آیا تو تمام شہر میں غدر مچ گیا اور تمام لوگ فوج یزید پر ایسے پتھر پھینکنے لگے اور اُنکے چھبیس آدمیوں کو مار ڈالا۔ اہل شہر ان لوگوں

کو مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے یا قوم لا کفر بعد الایمان ولا ضلال بعد الھدیٰ
اے قوم گمراہ۔ بعد ایمان کے کفر نہیں ہو سکتا، اور بعد ہدایت کے ضلالت نہیں ہو سکتی۔
آخرکار اہلِ شہر نے فوج ابن زیاد کو ہٹاتے ہٹاتے کنیسہ قسیتیں تک پہنچا دیا۔ اُس وقت
تمام اہلِ شہر اس امر پر متفق ہو گئے کہ اس قوم جفا شعار سے مقابلہ کیا جائے اور اُن سے فرقِ
امام حسین علیہ السلام چھین لیا جائے۔ چونکہ اہلِ حمص اہلِ جرأت و شجاعت مشہور تھے
اس لیے شمر اور خولی افسرانِ فوج نے شہر دمشق تختگاہِ شام کو قریب سمجھ کر اُن سے مقابلہ و
مقاتلہ کو مناسبِ وقت نہ سمجھا اور آخرکار اپنی طرف سے طرح دیکر وہاں سے کوچ کیا۔

سولھویں منزل بعلبک۔ شہر بعلبک شہر دمشق تختگاہ شام سے تین روز کی راہ پر واقع
ہے۔ یہ شہر سب سے پُرفضا اور پُرتکلف مشہور ہے بہت سے آثار قدیمہ اور قصورِ عجیبہ جو
تمام و کمال سنگِ رخام کے بنے ہوئے ہیں اور جن کی مثالیں دُنیا میں کم پائی جاتی ہیں اِس
وقت تک وہاں موجود ہیں۔ بہرحال جب فوج یزید یہاں پہنچی تو شمر ذی الجوشن نے
یہاں کے امیر کے نام بھی رسد رسانی وغیرہ کے پورے انتظام کے لیے کامل ہدایت کی
اور یہ لکھا کہ چونکہ دشمنانِ یزید علیہ اللعن کے بہت سے سر ہمارے ساتھ ہیں اس لیے ہمارے
قیام کرنے کی جگہ کے لیے وافر سامان کیا جائے۔ امیر بعلبک نے پورے طور سے شمر
کے فرمان کی تعمیل کی۔ سبھوں نے تمام شہر میں آئینہ بندی کرا دی اور دارالامارت میں سامان
رقص و سرود اور انواع و اقسام کے اسبابِ عیش و سرور مہیا کرائے اور جابجا علم نصب کر دیے
اور بہت سی اقسام کے باجے بجوائے۔ غرضکہ کامل طور سے قتل امام حسین علیہ السلام کی عید
منائی گئی اور بڑی تعظیم و تکریم سے فوج یزید کو لیکر شہر میں داخل ہوا۔ جناب ام کلثوم سلام
اللہ علیہا نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے؟ معلوم ہوا بعلبک۔ آپ نے فرمایا اباد اللہ تعالیٰ خضرائہم
ولا اعذب اللہ شرابھم ولا رفع ایدی الظلمۃ عنھم فلو ان الدنیا کانت مملوۃ عدلاً
وقسطاً لما انالھم الا ظلماً و جوراً خدائے تعالیٰ ان کی سرسبزی و شادابی کو خراب
کرے اور ان کا پانی پینا گوارا نہ کرے اور اگرچہ تمام دُنیا عدل و داد سے پُر ہو لیکن تاہم اُن کو سوائے
جور و ستم کے اور کسی شے سے کوئی حصّہ نہ ملے۔ المختصر یزید کا لشکر شب بھر نہایت عیش و عشرت اور
آرام و راحت سے بسر کر کے صبح ہوتے روانہ ہوا۔

سترھویں منزل دیر راہب۔ اب یہ قافلہ دیر راہب میں پہنچا۔ دیر راہب اپنے چشمۂ شیریں

کی وجہ سے تمام گرد و نواح میں ایک مشہور و معروف مقام ہے۔ دیر راہب میں پہنچکر ان لوگوں نے اسیران اہلبیت علیہم السلام کو علیحدہ قیام کرنیکی جگہ دی اور آپ ایک پُر فضا اور آرام دہ مقام پر علیحدہ ٹھہرے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ حالت مشاہدہ فرماکر ذیل کے اشعار پڑھے ؎
هوى الزمان فماتفنى عجائبه + عن الكرام ولا تفنى مصائبه + فليت شعرى الى كم ذا تحاربنا صروفه والى كم ذا نحاربه + يسيرونا على الاقتاب عارية + وسائق العيش يحمى عنه عازبه كاننا من بنات الروم بينهم + او كلما قاله المختار كاذبه + كذبتم برسول الله ويلكم يا امة السوء قد ضاقت مذاهبه +
یہ مقام مدت الایام سے شام کے عیسائیوں کی عبادتگاہ تھا اور یہاں کلیسا کی ایک قدیم عمارت تیار تھی جس میں ایک نصرانی راہب رہتا تھا اور اس صومعہ کی تمامی خدمات اُسی کی متعلق تھیں ہمارے ناظرین کو یاد رکھنا چاہیے کہ دیر راہب کا واقعہ ایسا مشہور اور متواتر ہے کہ اس کو فریقین کے علماء نے بکمال وضاحت اپنی اپنی تالیفات میں تحریر کیا ہے۔ علمائے شیعہ میں سے ملا باقر مجلسی علیہ الرحمۃ والغفران نے جلاء العیون اور بحار الانوار میں اور علامہ طریحی نے منتخبات میں اور ابو مخنف نے مقتل میں اور علمائے اہل سُنت سے امام ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں اور امام ابو اسحاق اسفرائنی نے کتاب ضیاء العین فی مقتل الحسینؑ میں اور حافظ جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں اور خاوند شاہ نے روضۃ الصفا میں کافی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ مگر ہم اس واقعہ کو کتاب روضۃ الاحباب اور ناسخ التواریخ کی عبارت سے ترجمہ کرکے ذیل میں لکھتے ہیں۔
بہر حال جب یہ فوج دیر راہب کے قریب اُتری اور اپنے عیش و عشرت کے مشاغل میں مصروف ہوئی تو جناب امام حسین علیہ السلام کے فرق مبارک کو ایک مضبوط اور مستحکم صندوق میں بند کردیا اور اُس صندوق کو عمارت دیر کے قریب رکھدیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اُن کی مے نوشی کی حالتیں بیہوشی سے مبدل ہونے لگیں تو انہوں نے جام و صحبت کو برخاست کرکے سفرہ طعام بچھایا ناگاہ دیوار سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اُسنے موٹے حرفوں میں یہ شعر دیوار پر لکھدیا ؎ اترجوا امة قتلت حسينا + شفاعة جده يوم الحساب + یہ دیکھکر اُن کو سخت تعجب ہوا اور چاہا کہ اُٹھکر اُس لکھنے والے ہاتھ کو تھام لیں کہ اتنے میں وہ ہاتھ غائب ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر وہ ہاتھ نمودار ہوگیا اور پھر ویسے ہی اُسنے یہ شعر لکھدیا فقد والله ليس لهم شفيع + وهم يوم القيمة فى العذاب خدا کی قسم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی اُنکی شفاعت نہ فرمائیں گے اور

بروز قیامت عذاب میں مبتلا ہونگے۔ یہ حال دیکھکر پھر اُن لوگوں نے ممانعت کا قصد کیا مگر وہ غائب ہو گیا۔ تیسری بار پھر نمودار ہوا اور اب کی بار یہ شعر لکھا ؎ وقد قتلوا الحسین بحکم جور وخالف حکمهم حکم الکتاب۔ جن لوگوں نے ظالموں کے کہنے سے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا انہوں نے مخالف حکم قرآن کے تعمیل کی۔ یہ تو وہ اشعار ہیں جو صاحب ناسخ التواریخ اور روضۃ الاحباب نے لکھے ہیں۔ مگر محقق ابو مخنف نے اپنے مقتل میں سہل ساعدی کی اسناد سے دو شعر اور لکھے ہیں ؎ وقد غضبوا الاله وخالفوه + ولم یخشوه فی یوم المآب الا لعن الاله بنی زیاد + واسکنهم جهنم فی العذاب ۔ یعنی ان لوگوں نے اپنے خدا کو آزردہ کیا اور اُس کے خلاف کیا۔ اور وہ بروز قیامت نہیں چھوٹینگے۔ خدائے سبحانہ وتعالےٰ لعنت کرے آل زیاد پر اور اُن کو جہنم کے عذاب میں داخل کرے۔

بہرحال یہ آثار عظیمہ مشاہدہ کرکے لشکر والوں کے ہوش وحواس جاتے رہے اور مارے خوف کے ان لوگوں نے رات کو کچھ نہ کھایا اور ویسے کے ویسے ہی رہ گئے، یہ تو ان لوگوں کا حال تھا اب اُس راہب نصرانی کی یہ کیفیت ہوئی کہ اُسکے کانوں میں عجیب وغریب آوازیں آنے لگیں جب وہ حسب معمول آدھی رات گئے عبادتِ الٰہی کے لیے اُٹھا تو اُسنے دیکھا کہ ایک صندوق کھا ہے اور اُس سے ایک عظیم الشان نور تا آسمان ساطع ہے اور دروازہ ہائے آسمان کھلے ہوئے ہیں اور فرشتگان رحمت اُس صندوق پر صلوات وسلام بھیجتے ہیں۔ السلام علیک یابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ راہب یہ حال دیکھکر سخت متعجب ہوا اور رات بھر وہ اِسی خوف وبیم میں مبتلا رہا۔ جب سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو وہ اس جماعتِ شقاوت پیشہ کے پاس آیا اور خولی سے پوچھنے لگا کہ اس صندوق میں کیا ہے؟ اُسنے جواب میں کہا کہ معاذ اللہ اس صندوق میں ایک خارجی کا سر ہے جو یزید کے خلاف ہو کر چڑھ آیا تھا لیکن ابن زیاد نے اُس کو قتل کر ڈالا۔ اب ہم لوگ اُس کے سر کو یزید ابن معاویہ کے پاس لیے جاتے ہیں۔ راہب نے پوچھا کہ اس شخص کا کیا نام ہے۔ اُسنے جواب دیا کہ حسین ابن علی علیہما السلام۔ یہ سُنکر راہب نے جواب دیا کہ خدا تمہاری قوم کو ہلاک کرے۔ تم نے ویسا ہی کام کیا جو ہمارے فرقہ کے علماء اور بزرگوں سے ہمیں بتلا گئے تھے انه اذا قتل هذا الرجل تمطر السماء دما عبيطا یعنی جس وقت یہ بزرگ قتل ہوگا اُس وقت خون تازہ آسمان سے برسیگا اور یہ امر عظیم سوائے قتل انبیاء اور اوصیاء کے ممکن نہیں ہے۔ اب میں تم لوگوں سے بمنت کہتا ہوں کہ [illegible]

سر کو میرے پاس رہنے دو۔ خولی نے کہا کہ یہ سر تو سوائے یزید ابن معاویہ کے اور کہیں کھولا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ ہم لوگوں کو اس کے لیے انعامات گرانمایہ ملنے والے ہیں۔ راہب نے پوچھا کہ اس کے لیے تم کو کتنا انعام ملنے والا ہے۔ خولی نے کہا دس ہزار درم۔ راہب نے اُسی وقت دس ہزار درم کی تھیلی اس کے حوالے کر دی اور سر مبارک امام حسین علیہ السلام لیکر اپنے دیر میں داخل ہوا اور فرق مبارک کو مشک و عنبر سے معطر کر کے ایک ریشمی کپڑے میں رکھا اور یوں مخاطب ہو کر کہا واللہ یعز علی یا ابا عبد اللہ ان لا اُواسیک بنفسی ولکن یا ابا عبد اللہ اذا لقیت جدک محمد المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاشھد لی انی اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمد رسول اللہ واشھد ان علیا ولی اللہ اسلمت علی یدیک وانا مولاک اقرار شہادت کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی روایتوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ فرق مبارک جناب امام حسین علیہ السلام نے اُسی وقت اُس راہب کو دخول جنت کا وعدہ عنایت فرمایا۔ دیکھو بحر اللآلی و شرح شافیہ و جلاء العیون وغیرہ جب فوج ابن زیاد نے کوچ کر کے دوسرے مقام پر قیام کیا تو اُس تھیلی کو منگا کر آپس میں تقسیم کرنا چاہا تو دیکھا کہ تھیلی کے ایک طرف لکھا ہوا پایا لا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون اور اُس کے داہنی طرف یہ لکھا ہوا تھا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون خولی نے ان دونوں آیتوں کو پڑھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور اپنے ہمراہیوں سے اس راز کو پوشیدہ رکھا۔ بعض روایتوں سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہی سے اُس راہب نے سکونت دیر ترک کر دی اور اِدھر اُدھر پہاڑوں اور جنگلوں میں رہکر اپنی بقیہ عمر عبادت و ریاضت کے مشاغل میں صرف کر دی۔

اٹھارھویں منزل شہر حرّان۔ حافظ جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں کہ جب یہ قافلہ حرّان کے قریب پہنچا تو یہاں بھی ایک عالم یہود جسکا نام یحیےٰ حرّانی تھا ایک ٹیلہ پر اپنے کلیسا میں رہتا تھا اُس کو جب ان لوگوں کے آنے کی خبر پہنچی کہ یہ لوگ بہت سی عورتوں اور بچوں کو اسیر کیے ہوئے اور بہت سے سرہائے بریدہ کو نیزوں پر نصب کیے ہوئے آ رہے ہیں تو وہ اپنے ٹیلے سے نیچے اُتر کر راہ میں کھڑا ہو گیا اور ان لوگوں کا انتظار کرنے لگا یہاں تک کہ لشکر ابن زیاد ظاہر ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ سرہائے بریدہ نیزوں پر بلند ہیں اور غریب عورتیں اور بچے سر عریاں پریشان و حیران ننگے اونٹوں پر سوار ہیں۔ جن میں

یحییٰ حرّانی کی نظر فرقِ مبارک جناب امام حسین علیہ السّلام پر پڑی آپ کے جمالِ مبارک کی طلعت نے اسکی آنکھوں میں خیرگی پیدا کردی، پھر جب اُسنے غور سے نگاہ کی تو دیکھا کہ آپ کے لب ہائے مبارک بھی جنبش میں ہیں یہ دیکھکر وہ اور قریب آیا اور کان لگایا تو سُنا کہ آپ فرماتے ہیں وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون یہ حالت دیکھکر یحییٰ حرّانی کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اُس کو سخت خوف لاحق ہوا۔ آخرکار وہ سردارانِ لشکر کے پاس آیا اور پوچھا کہ اس بزرگوار کا کیا نام ہے۔ معلوم ہوا کہ حسین ابن علی علیہ السّلام۔ پھر اُس نے پوچھا کہ یہ اسیر کون ہیں؟ جواب ملا کہ جناب امام حسین علیہ السّلام کے عزیز و اقارب۔ یہ سُنتے ہی یحییٰ نے ہائے ہائے کرکے رونا شروع کیا اور کہنے لگا کہ شکر اُس خدا کا کہ بزرگ کا کہ بہت سے اسرارِ نہفتہ آج ہم پر ظاہر ہوگئے۔ واللہ کہ شریعت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں خونِ ناحق کی سزا ہمیشہ کیلیے جہنم ہے، اور ایسی ہی ایسی مصیبتیں سوائے خانوادۂ انبیاء کے اور کسی طبقۂ انسانی کے لیے مخصوص نہیں ہیں، اور یہی مصیبتیں اُن کے حقوق کی واضح دلیلیں ہیں پھر اُسنے پوچھا کہ اس حسین علیہ السلام کی ماں کا کیا نام ہے؟ معلوم ہوا کہ فاطمہ دخترِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ پس یہ کلمہ سُنتے ہی وہ راہب یہودی مسلمان ہوگیا اُسنے چاہا کہ چادر وغیرہ ہدیے کے طور پر اہلبیت علیہم السّلام کی نذر کرے۔ مگر افسرانِ فوج نے اُس کو ان اُمور سے منع کردیا۔ اور سطوتِ یزید سے اُس کو بہت ڈرایا اور دھمکایا تو اُس کو اُن لوگوں پر سخت غصہ آیا اور محبتِ اہلبیتؑ کی خلوص میں اُسنے اُن لوگوں سے مقابلہ کیا یہانتک کہ مارا گیا اور اُسکو دروازۂ حرّان میں مدفون کردیا اُسوقت سے اس وقت تک وہ یحییٰ شہید کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

شہر حرّان نہایت قدیم شہر ہے اور یہ پہلی آبادی ہے جو طوفانِ نوح علےٰ نبیّنا و علیہ السلام کے بعد آباد ہوئی اور لوگ وہاں بسے اور یہی پہلی جگہ ہے جہاں جناب ابراہیم علیہ السّلام ظالم نمرود سے نجات پاکر مقیم ہوئے یہ شہر شہرِ رقہ سے دو روز کی راہ پر واقع ہے۔

اُنیسویں منزل شہر دمشق تختگاہِ شام میں اہلبیت علیہم السّلام کا ورود

حرّان سے کوچ کرکے یہ فوجِ ستم پیشہ شہر دمشق میں پہنچی۔ جب شہر میں داخلہ کا وقت آیا تو جناب اُمِ کلثوم علیہا السّلام نے شمر ذی الجوشن کو طلب کرکے فرمایا کہ میری ایک استدعا ہے اگر تو اسے مان لیگا تو تیرا خاص احسان ہوگا وہ یہ ہے کہ یہ شہر دمشق ہے۔ ہزاروں کیا لاکھوں تماشائیوں کا بلوائیوں کا سامنا اور ہجوم ہے، ہم کو یا تو ایسے دروازہ سے لیچلو جہاں آبادی کم ہو اور تماشائی

کا ہجوم بھی نہ ہو۔ اور نہیں تو مظلوم شہیدوں کے سروں کو بھالے اونٹوں کے آگے لیجاؤ کہ تماشائی
ان کے دیکھنے میں مصروف ہو جائیں۔ اور پھر ہماری طرف اُن کو دیکھنے کا موقع نہ ملے۔ مگر شمر
ایسا کب تھا جو اس تجویز کو پسند کرتا۔ اُسنے اس کے برعکس کیا اور ان مصیبت زدوں کو دروازۂ
ساعات سے جہاں تمام شہر سے زیادہ آبادی تھی اور تماشائیوں کا بھی ایسا ہجوم تھا کہ شانہ سے
شانہ چھلتا تھا شہر میں لے چلا۔ یہ قافلہ دروازۂ ساعات سے دورویہ تماشائیوں کی بھیڑ چیرتا ہوا
مسجد جامع تک پہنچا تو مشائخ شام میں سے ایک نے ان اسیروں کو دیکھکر اور اُن کو معاذ اللہ
اسارائے کفار و اہل ذمہ سمجھکر کہا کہ الحمد للہ الذی قتلکم واھلکم وقطع قرن الفتنۃ اُس
خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو ہلاک کیا اور شاخ فتنہ و فساد کو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالا
اور انہیں باتوں کے ساتھ بہت سے فحش کلام بھی اُسنے کہے۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام
نہایت صبر و استقلال سے اُسکے گستاخانہ کلام کو سُنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہو چکا تو آپ نے فرمایا
کہ اے شیخ تو نے قرآن مجید بھی پڑھا ہے؟ اُسنے کہا ہاں۔ اور میں برابر اُسکی تلاوت کرتا ہوں۔
آپنے فرمایا تو نے قرآن مجید میں یہ آیہ بھی پڑھا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی
اُسنے کہا ہاں۔ آپنے پھر فرمایا کہ یہ آیت بھی پڑھی ہے وآت ذی القربی حقہ اُسنے کہا ہاں۔ پھر
آپنے فرمایا یہ آیت بھی پڑھی ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم
تطھیرا؟ اُس نے کہا ہاں۔ پھر آپنے فرمایا بھائی یہ سب آیتیں ہماری ہی شان میں نازل ہوئی ہیں
ہمیں ہیں وہ ذوی القربی اور ہمیں ہیں وہ اہلبیتؑ جن کو حق سبحانہ وتعالےٰ نے دُنیا کی تمام آلائشوں
سے پاک و پاکیزہ فرمایا ہے۔ یہ سُنکر اُس شیخ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور درگاہ رب
العالمین میں عرض کی اللّٰھم انی اتوب الیک اللھم انی ابرء الیک من عدو ال محمد و
من قتل ال محمد صلی اللہ علیہم اجمعین پروردگارا میں توبہ کرتا ہوں اور برأت چاہتا
ہوں اور بیزار ہوتا ہوں دشمنان آل محمد اور اُن لوگوں سے جنہوں نے اہلبیتؑ علیہم السلام کو قتل کیا۔ یہ عرض
کر کے اُسنے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمتمیں عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم میں برابر ان آیات کی تلاوت کرتا تھا لیکن ان کے مفہوم کو نہیں سمجھتا تھا۔ اب
میں توبہ کرتا ہوں آیا یہ توبہ میری قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ان تبت تاب اللہ
علیک وانت معنا اگر تو توبہ کرتا ہے تو خدائے سبحانہ وتعالی تیری توبہ کو قبول کریگا اور تو ہمارے
ساتھ محشور ہوگا۔ یہ سُنکر وہ بخلوص تمام تائب ہوا۔ جب اسکی خبر یزید کو ہوئی تو اُسنے اُسکو قتل کر ڈالا

اس واقعہ کو بہ تغیر الفاظ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں امام طبرانی کی اسناد سے لکھا ہے اور امام
قندوزی نے ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں نقل فرمایا ہے دیکھو ص ۲۵۲۔
اسی کے ایسا واقعہ سہل ساعدی صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جس کو ہم امام
ابو اسحاق اسفرائنی اور ناسخ التواریخ جلد ششم کے ترجمہ سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔
سہل ساعدی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی بیت المقدس کی زیارت
کو تشریف لیگئے تھے، وہاں سے یہ شام میں آئے جس روز یہ شہر میں آئے تو انہوں نے تمام شہر کو
آرائشہائے گوناگوں اور زینت ہائے بوقلموں سے آراستہ پایا۔ خصوصاً فرمانروائے عصر کے
دارالامارت کی سجاوٹ کا تو کوئی شمار ہی نہیں تھا۔ مخمل و دیبا کے پردہ ہائے زرنگار چھوٹے ہوئے
تھے، اور دربار عام سے لیکر دربار خاص تک کرسی ہائے جواہر نگار کی دو رویہ قطاریں لگی ہوئی
تھیں۔ اور محفل طرب و عیش برپا تھی اور گانیوالے مرد و عورتوں کے ہجوم لگے تھے۔ سہل ساعدی
کو یہ سامان دیکھکر سخت تعجب ہوا۔ سمجھے کہ آج ان کی کسی مخصوص عید کا دن ہے۔ ایک مرد
شامی سے پوچھا کہ آج تم لوگوں کی کونسی عید ہے؟ اسنے تعجب سے پوچھا کہ شاید تم عرب
بادیہ نشین ہو اسی لیے تمہیں آج کے واقعہ کی خبر نہیں ہے۔ سہل نے فرمایا۔ بھائی میں عرب صحرائی
نہیں۔ میں سہل ساعدی ہوں۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی۔ اس مرد شامی نے
کہا ما اعجبك السماء لا تمطر دما والارض لا تخسف باهلها اے سہل تمہارے تعجب
کے لیے یہی کافی ہے کہ آسمان سے خون نہیں برستا اور زمین مع اپنے باشندوں کے دھنس نہیں جاتی
سہل نے کہا۔ بھائی یہ کیوں؟ اس مرد شامی نے جواب دیا۔ کیوں نہ ہو۔ آج ملک عراق سے جناب
امام حسین علیہ السلام کا فرق مبارک دربار یزید میں ہدیہ کے لیے لیے جاتے ہیں یہ سننا تھا کہ
سہل کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ کہنے لگے۔ ارے یزید اور امام حسین علیہ السلام کے سر کا
ہدیہ۔ کیوں بھائی۔ شہر کے کس دروازہ سے آپ کا فرق اطہر لایا جائیگا۔ اس مرد شامی نے دروازہ
ساعات کی طرف اشارہ کیا۔ ابھی ان لوگوں میں یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شور برپا ہوا۔
اور بہت سے علم اور بیرقیں یکایک نمودار ہوئیں۔ اور بہت سے مظلوم شہیدوں کے سر نیزوں
کی نوکوں پر دکھلائی دیے اور ان کے پیچھے شتران بے محمل و بے کجاوہ پر بہت سی مصیبت زدہ
بیبیاں پریشان و باسر عریان نظر پڑیں جو ہجوم کے لحاظ سے اپنے بے نقاب چہروں کو اپنے بالوں
سے چھپائے ہوئے تھیں۔ اور اسیر بھی مارے شرم و حیا کے اپنے سروں کو زانوؤں پر جھکائے

تیں۔ انہیں آفت رسیدوں میں ایک ننگے اونٹ پر ایک صغیر السن لڑکی دکھلائی دی سہل
کا بیان ہے کہ میں اُس کی کم سنی اور بیکسی کی حالت کو نہ دیکھ سکا۔ بیتاب ہو کر اُس کے پاس گیا
اور پوچھا کہ آپ کون ہیں، اُس نے جواب دیا میں ہوں سکینہ دختر جناب امام حسین علیہ السلام
میں نے کہا میں ہوں آپ کے جد بزرگوار صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی سہل ساعدی۔ اگر
آپکو اس وقت مجھ سے کوئی خدمت لینی ہو تو بتلائیے۔ اُس معصومہ نے جواب دیا کہ اگر تجھ سے ہو سکے
تو ان سرہائے بریدہ کو ہمارے اونٹوں کے پاس سے علیحدہ کرا دے تاکہ ان نامحرموں کی بھیڑ
ان سروں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائے اور ہمارے پاس سے یہ ہجوم کم ہو جائے حضرت
سکینہ علیہا السلام سے یہ سُنکر سہل ساعدی نے لشکریان یزید کو کچھ دے دیکر سرہائے مبارک شہدا
علیہم السلام کو وہاں سے ہٹا دیا۔ سہل کا بیان ہے کہ وہ فرقہ جفاکار سرہائے شہدا کو وہاں سے
لیکر چلا تو ساکنین شام میں سے پانچ عورتیں مجھ کو نظر پڑیں جو اپنے کوٹھوں پر تماشہ کے خیال سے
چڑھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کمر خمیدہ عورت تھی۔ جب فرق مبارک جناب امام حسین ع
اُن کے قریب آیا تو اُس نے ایک پتھر کھینچکر آپ کے سر پر مارا۔ میں نے تو فوراً اپنی آنکھیں بند
کر لیں اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر آسمان کی طرف بلند کیے اور درگاہ رب العزت میں دعا کی
کہ اللھم اھلکھا واھلکھن معھا بحق محمد وآلہ صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین پروردگار
اس ملعونہ کو اور ان عورتوں کو جو اسکے ساتھ ہیں ہلاک کر ڈال بحق محمد وآلہ اجمعین۔ سہل کا بیان ہے
کہ ابھی میرا کلام تمام بھی نہ ہوا تھا کہ وہ پانچوں عورتیں کوٹھے سے گر کر مر گئیں +

یزید اور جناب امام زین العابدین علیہ السلام

اسیران اہلبیت علیہم السلام کو فرق امام علیہ السلام کے ساتھ دربار یزید میں لائے۔ یزید اسوقت
فقاع (شراب کی ایک قسم) پی رہا تھا اور شطرنج میں مشغول تھا۔ جب حریف پر غالب ہوتا تھا تو متواتر
جام پر جام پیتا تھا اسی حالت میں اُسنے جناب امام حسین علیہ السلام کے سر کو اپنے تخت کے نیچے
رکھوا دیا جب جام فقاع پیتا تھا اُس میں جو کچھ رہتا تھا وہ اُسی طشت میں ڈالدیتا تھا جس میں امام
مظلوم علیہ السلام کا سر رکھا ہوا تھا ۵ یزید روسیہ کی بیٹیاں بہوئیں محل بھرے میں + نبی کی آل
سر ننگے کھڑے دو دو پہر کانٹے + یزید تو ان مشاغل میں مصروف تھا اسیران اہلبیت کرام اسکے تخت
کے سامنے مہر لب خاموش کھڑے رہے تھے۔ جب دیر تک وہ انکی طرف متوجہ نہ ہوا تو آخرکار جناب امام
زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اتاذن لی فی الکلام فقال قل ولا تقل هجرا الخ تو ...

بر ے سامنے کھڑا ہوں اور تو نے کہ ہماری طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ اب مجھ کو اجازت دے
کہ میں کچھ کلام کروں یزید نے کہا کہ اچھا فرمائیے مگر کلام مہمل نہ فرمائیے گا۔ امام علیہ السلام نے
فرمایا لقد وقفت موقفا لا ینبغی لمثلی ان اقول الھجر میں اس منصب پر فائز ہوں جہاں انسان
ہرگز کبھی کلام مہمل نہیں کرسکتا پھر آپ نے فرمایا انشدك یا یزید ما ظنك برسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لو رآنا علی ھذہ الحال تجھ کو خدا کی قسم تیرا کیا خیال ہے بیان
کر کہ اگر جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت ہم لوگوں کو اس حال سے دیکھتے
تو کیا فرماتے۔ یزید نے جواب دیا یا ابن الحسین علیہ السلام ابوك قطع رحمی وجھل حقی و
نازعنی فی سلطانی فصنع اللہ ما قد رأیت اے فرزند حسین علیہ السلام آپ کے باپ نے میرے
صلہ رحم کو قطع فرمایا۔ میرے حقوق سے انکار کیا اور میری سلطنت میں نزاع واقع کی پس خدائے
سبحانہ وتعالےٰ نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا وہ ظاہر ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے اسکے جواب
میں ارشاد فرمایا وما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل
ان نبرأھا ان ذلك علی اللہ یسیر خدائے تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی مصیبت ایسی نہیں
جو دنیا میں تمہارے نفوس پر پڑی ہو پہلے سے مقدر نہ ہو چکی ہو اور اس نشان سے پہلے نہ مکتوب
ہو چکی ہو۔ اور یہ تمام امور خدا کے نزدیک سہل اور آسان ہیں۔ یزید علیہ اللعن اسی فکر میں لگا ہوا
تھا کہ کوئی بات آپ سے سُنی جائے جسکی پاداش میں آپ کے قتل کا حکم دیا جائے جب اس نے آپ سے
کوئی ایسی بات نہ سُنی تو خواہ مخواہ آپکی تسبیح گردانی پر اعتراض شروع کر دیے۔ بات یہ تھی کہ جناب
امام زین العابدین علیہ السلام کے ہاتھ میں اس وقت ایک چھوٹی سی تسبیح تھی جس کے دانوں کو
آپ گردش دے رہے تھے۔ یزید کے اعتراض کے جواب میں آپنے ارشاد فرمایا کہ میرے پدر
بزرگوار نے میرے جد بزرگوار سے روایت فرمائی ہے کہ وہ جناب نماز صبح پڑھکر کسی سے باتیں نہیں
کرتے تھے تا وقتیکہ سجدہ گزاری سے فراغت نہ ہولے۔ ہاتھ سے تسبیح رکھکر فرماتے تھے اللھم انی
اصبحت اسبحك واحمدك واھللك بعد دما ادیر بہ سبحتی پروردگارا میں نے
ایسی حالت میں صبح کی کہ تسبیح کرتا ہوں میں تیری۔ اور تحمید کرتا ہوں اور شکر کرتا ہوں تیرا اور تہلیل
کرتا ہوں تیری اتنی بار جتنی بار میں نے اس تسبیح کے دانوں کو گردش دی ہے۔ پس اسے یزید
میں اپنے اس عمل میں اپنے جد بزرگوار کی تاسی کرتا ہوں۔ یزید نے کہا لا اکلم احدا منکم
الا و یجیبنی بما یعود بہ میں تم لوگوں میں کسی شخص کو ایسا نہیں پاتا جس نے جواب میں میرا شبہ

توڑ دیا ہو۔ پھر یزید نے اپنا سلسلۂ کلام یوں آغاز کیا الحمد للہ الذی قتل اباک اُس خدا کا شکر ہے جس نے تیرے باپ کو قتل کرایا۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے اب اُس کے گستاخانہ کلام سُنے نہیں گئے۔ بے اختیار ہوکر فرمایا لعنۃ اللہ علی من قتل ابی۔ اے یزید خدا کی لعنت اُس شخص پر ہو جس نے میرے پدر بزرگوار کو قتل کیا۔ یزید تو ایسی باتوں کی تاک ہی میں تھا اور خاصکر اسی لیے اُس نے ان سخت کلامیوں کی طول وطویل تمہید اُٹھائی تھی۔ امام علیہ السلام کا یہ جواب سُنتے ہی اُس نے حکم دیا کہ ان کی گردن ماری جائے۔ اُس کا یہ حکم سُنکر آپ نے فرمایا فاذا قتلتنی فبنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من یردھم الی منازلھم ولیس لھم محرم غیری اے یزید جب تو نے مجھے قتل کرڈالے گا تو پھر حرم رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے گھروں تک کون پہنچائے گا۔ آپ نے کچھ ایسے حسرت آمیز لہجہ میں اُسکو جواب دیا کہ یزید بھی سخت متاثر ہوا۔ اور جیسا کہ کوفہ میں ابن زیاد نے جواب دیا تھا ویسا ہی یزید نے بھی کہا انت تردھم الی منازلھم آپ ہی ان لوگوں کو ان کے گھروں تک پہنچائیے گا۔ اِس کے بعد اُس شقی ازلی نے چوب خیزران لیکر امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک کیساتھ وہ بے ادبی کی جو ابو برزۃ الاسلمی صحابی رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دیکھی نہ گئی۔ وہ یزید کو مخاطب کرکے کہنے لگے۔ ویحلک یا یزید اتنکت ثغر الحسین علیہ السلام بقضیبک اشھد لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یرشف ثنایاہ وثنایا اخیہ الحسن علیہ السلام ویقول انتما سیدا شباب اھل الجنۃ فقتل اللہ قاتلکما ولعنہ اللہ واعد لہ جہنم وساءت مصیرا۔ وائے ہے تجھ پر اے یزید تو دندان جناب امام حسین علیہ السلام پر چھڑی لگاتا ہے۔ قسم خدا کی میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت امام حسن وامام حسین علیہما السلام کے دندان مبارک کے بوسے لیتے تھے اور ان کو چوستے تھے او فرماتے جاتے تھے کہ تم دونوں سرداران جوانان اہل جنت ہو، خدائے سبحانہ تعالےٰ تمہارے قاتلین کو مارے اُن پر لعنت کرے اور اُن کے لیئے آتش جہنم مہیا فرمائے۔

یزید نے جب یہ کلمات سُنے تو اُس نے ابو برزہ کو نکالدینے کا حکم دیا۔ یہ سُنتے ہی سخت خشمگیں ہوکر وہاں سے اُٹھ چلے آئے اور کہنے لگے قطع اللہ یدیک یا یزید خدائے سبحانہ وتعالےٰ تیرے ہاتھوں کو قطع فرمائے۔ اے یزید۔

ایسی ہی حالت سمرہ ابن جنادہ ابن جندب صحابی رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی ہوئی۔ ان سے

وعظ و نصیحت کے جواب میں یزید نے کہا کہ اگر مجھ کو تیرے ساتھ صحبت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال نہ ہوتا تو میں اسی وقت تیرے قتل کا حکم دیتا۔ سمرہ نے کہا۔ سبحان اللہ۔ میرے ساتھ تو صرف صحبت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنا لحاظ کیا جاتا ہے کہ جاں بخشی کی جاتی ہے۔ مگر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ قرابت نبوی کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا اور اُن کو بے گناہ قتل کیا گیا۔ سمرہ ابن خبادہ کی اس تقریر سے اُس محفل میں ایسا اثر پڑا کہ تمام سامعین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور یزید کا دربار شاہانہ خاصہ عزا خانہ ہو گیا۔

یزید اور سفیر سلطان روم

اسی کے ایسا سفیر روم کا واقعہ ہے جو فریقین کی معتبر اور مستند تالیفات میں درج ہے۔ یزید کے دربار میں جہاں اور ممالک کے سفیر حاضر تھے وہاں سلطنت روم کا سفیر بھی موجود تھا۔ اُس نے یزید سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ سر جو طشت طلا میں رکھا ہے۔ کس کا ہے۔ یزید نے پہلے تو اُسے یہ کہکر ٹالدینا چاہا کہ تجھے اِس سے کیا غرض۔ کسی کا سر ہو۔ سفیر روم نے کہا کہ بات یہ ہے کہ جب میں اپنے بادشاہ کی خدمت میں جاتا ہوں تو وہ ذرہ ذرہ تمام حالات مجھ سے پوچھتا ہے اس وجہ سے میں دریافت کرتا ہوں کہ اس سر بریدہ کی حقیقت حال سے مجھے مطلع فرمائیے۔ یزید نے کہا کہ یہ سر امام حسین ابن علی علیہما السلام کا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا کہ ان کی ماں کا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا فاطمہ علیہا السلام۔ اُس سفیر نصرانی نے پوچھا کہ وہی فاطمہؑ جو تمہارے رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی ہے؟ یزید نے کہا۔ ہاں۔ اُس نے کہا۔ افسوس ہے تجھ پر اور تیرے دین پر۔ میرا مذہب اور تیرا ایک نہیں ہو سکتا۔ مجھ کو دیکھو کہ میرا نسب حضرت داؤد علےٰ نبینا وعلیہ السلام پر تمام ہوتا ہے۔ مجھ سے لیکر جناب داؤد علیہ السلام تک بہت سی پشت کا شمار ہوتا ہے لیکن تاہم یہود اور نصاریٰ آج تک میرے قدم کی خاک کو تبرک جھکر اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں اور تم لوگ ایسے بزرگوار کو جو تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسب میں صرف ایک پشت سے جا ملتا ہے قتل کرتے ہو۔ اب تو مجھ سے اس واقعہ کو اپنی تفتیش سے پوچھنے کا اصلی باعث کان لگا کر سُن لے۔ یزید نے کہا۔ اچھا بیان کرو اُس نے کہا کہ مجھ کو ایک بار بحر عمان کا سفر درپیش ہوا۔ اور میں ممالک چین کے ایک جزیرہ میں گیا اس جزیرہ میں ایک بہت بڑا شہر آباد ہے جہاں سے کافور۔ عنبر اور یاقوت احمر لاتے ہیں اور اُسی سرزمین سے عود بھی لاتے ہیں۔ اُس شہر میں بہت سی عیسائیوں کے معبد ہیں۔ اور

انہیں میں سے ایک عبادت خانہ کا نام کنیسۂ حافر ہے۔ اُس عبادت خانہ میں ایک یاقوت سرخ کا ظرف چھت سے لٹکا ہوا ہے اور اُس ظرف میں ایک سُم رکھا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کے گدھے کا سُم ہے۔ ہر سال ہزاروں عیسائی اُس کی زیارت کو آتے ہیں اور نہایت خلوص و اعتقاد سے اُس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور ایک تم لوگ ہو کہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرزند کو قتل کرتے ہو۔ لا بارک اللہ فیکم ولا فی دینکم خدائے سبحانہ تعالےٰ تمہارے اور تمہارے دینی اُمور میں کبھی برکت نازل نہ فرمائے۔

یزید یہ تقریر سُنکر آگ ہو گیا اور اُس نے فوراً حکم دیا کہ اس مرد نصرانی کی گردن ماری جائے۔ جب اُس کو اپنے قتل کیے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے یزید کو مخاطب کر کے کہا کہ سبحان اللہ ایک دوسرا امر عجیب مجھ پر ظاہر ہوا۔ اُس کو بھی سُن لے: میں نے کل رات کو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عالمِ رؤیا میں دیکھا کہ آپ مجھے بہشت کی بشارت دے رہے ہیں، وہ روز یہی تھا۔ میں اب صدق دل سے اسلام قبول کرتا ہوں۔ یہ کہکر اُس نے کلمۂ توحید زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا اور سرِ مبارک امام حسین علیہ السلام کو اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور چشم و جبینِ مبارک کے پے در پے بوسے لیتا رہا۔ یہاں تک کہ ہوا خواہانِ یزید نے بحکم یزید اُس سے وہ سر لے لیا اور اُسکو قتل کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

جناب سید مرتضےٰ و علامہ ابن نما رضوان اللہ علیہما نے اس واقعہ کو راس الجالوت کے متعلق لکھا ہے۔ راس الجالوت اصلی نام نہیں ہے۔ بلکہ ایک تعظیمی لقب ہے۔ اصل میں راس الجالوت لفظ رش کا لوتا کا معرب ہے۔ رش بارائے مہملہ و شین معجمہ زبانِ عبرانی میں سر کو کہتے ہیں اور کالوتا بنی اسرائیل کے اُس فرقے کا نام ہے جو بخت نصر کے بعد بیت المقدس سے نکلکر اطرافِ عالم میں آباد ہوا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار کا نام راس کالوتا ہوا کرتا تھا اہلِ عرب نے اپنی زبان کے قاعدے سے اصل لفظ میں تصرف کر کے راس کالوتا کو راس الجالوت کر دیا اور یہ لفظ یونہی مشہور ہو گیا۔

یزید اور راس الجالوت

بہر حال یہ شخص بھی یزید کے دربار میں موجود تھا، یہ تمام واقعات سُنکر کہنے لگا کہ مجھ میں اور حضرت داؤد علیہ السلام میں ستر پشت کا فرق ہے لیکن اس وقت تک تمام یہود مجھ کو شرافت و

فضیلت کی تعظیمی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن تمہاری قوم پر افسوس ہے کہ آج تم اُس بزرگ کا سر کاٹ لائے ہو جو تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہے اور تمہارے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس میں ایک پشت سے زیادہ کا فاصلہ بھی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ تم کو اور تمہارے دین وملت دونوں کو نیست و نابود فرمائے۔ یہ سُنکر یزید کو سخت طیش آیا۔ وہ کہنے لگا کہ اگر جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مجھ تک نہ پہنچی ہوتی کہ من قتل معاھدا کنت انا خصیمه یوم القیامه یعنی جس نے صاحبانِ عہد اور ذمہ کو قتل کیا میں بروز قیامت اُس شخص سے ضرور مخاصمہ کروں گا۔ تو میں تجھے اس سخت کلامی کی سزا میں آج کبھی زندہ نہ چھوڑتا۔ راس الجالوت نے جواب دیا کہ سبحان اللہ۔ اہلِ ذمہ اور صاحبانِ عہد کے قاتل کے ساتھ تو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مواخذہ فرمائیں اور اپنے فرزند کے قاتل کے ساتھ کوئی مواخذہ نہ کریں۔ اتنا کہکر اُس نے امام مظلوم کے فرقِ مجروح کی طرف خطاب کر کے عرض کی کہ یا ابا عبداللہ علیہ السلام آپ گواہ رہیں کہ میں مسلمان ہو گیا یزید نے اُس کی یہ حالت مشاہدہ کر کے کہا کہ چونکہ اب تو اپنے معاہدہ سے نکل گیا اس لیے تیرا قتل مجھپر لازم ہو گیا۔ پھر اُس کے قتل کا حکم دیا اور وہ بھی قتل کیا گیا۔ اس واقعہ کو ابو اسحاق اسفرائنی نے بھی اپنی کتاب نور العین فی مقتل الحسینؑ میں لکھا ہے۔ دیکھو جلد اوّل صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ بنارس۔

یزید اور جاثلیق نصرانی

صاحب ناسخ التواریخ کتاب عوالم کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ ایک دوسرا مرد نصرانی سلطنت روم کی طرف سے سفارت کے عہدے پر مامور ہو کر آیا تھا وہ بھی حسنِ اتفاق سے اُسوقت یزید کے دربار میں موجود تھا۔ جب اُس کی نظر امام حسین علیہ السلام کے فرقِ مجروح پر پڑی اُسکی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آئے اور بہہ بہہ کر اُس کے مُنہ اور ڈاڑھی پر جاری ہو گئے آخر کار جوشِ رقت کو تھامکر اُسنے یزید سے کہا کہ میں اپنے ایام جوانی میں تجارت پیشہ تھا صورت تجارت سے ایک بار مدینۃ النبیؐ میں آگیا۔ وہاں پہنچکر مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا ازحد شوق دامنگیر ہوا۔ اور اپنے دل میں یہ ارادہ کیا کہ کوئی تحفہ لیکر اُن کی خدمت بابرکت میں جاؤں اس لیے میں آپ کے صحابہ کی مشورت سے دو نافہ مُشک۔ تھوڑا سا عنبر اشہب لیکر آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اُسوقت اُم المومنین جناب اُم سلمہؓ کے گھر

تشریف رکھتے تھے، میں جس وقت آپکی زیارت سے مشرف ہوا بے اختیار میرے ہوش و حواس
جاتے رہے اور جمال انور کی تاثیر سے میرے دل میں آپکی محبّت و الفت قائم ہو گئی۔ سے
اتنے میں آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ میں نے کہا عبدالشمس آپنے فرمایا کہ آج
میں نے تیرا نام عبدالوہاب رکھا ہے اور تیرا تحفہ بھی قبول کیا ہے مگر اس شرط پر کہ تو دعوت اسلام
کو بھی قبول کر۔ آپ کے یہ کلام ہدایت التیام سنکر میں نے آپ کے چہرۂ مبارک پر غور سے نظر
کی تو سارے آثار جاہ و جلالت جو خاصانِ خدا کے اصلی معیار ہوتے ہیں آپ کی جبینِ مبارک
سے موجود آشکارا پائے اور میں نے جناب عیسیٰ مریم علے نبینا و علیہ السلام کی اس بشارت
کو و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں تم کو ایک ایسے رسول کی
بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آنیوالا ہے اور جسکا نام احمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو گا
ہر طرح برحق اور صحیح پایا۔ یہ سوچکر میں فوراً مسلمان ہو گیا۔ پھر میں جبتک مدینۂ منورہ
میں مقیم رہا روزانہ آپکی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک روز میں ام المومنین حضرت
ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرات حسنین علیہما السلام
باہر تشریف لائے اُن کو دیکھتے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے اختیار ہو کر
اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور اُن کو اپنی گود میں بٹھلا کر اُن کے لب و رخسار کے دیر تک
بوسے لیتے رہے اور فرماتے رہے بعد عن رحمۃ اللہ من قتلک لعن اللہ من قتلک
یا حسین و اعان علی قتلک یعنی تیرا قتل کرنیوالا اور تیرے قتل میں اعانت پہنچانیوالا
دونوں رحمت خدا سے دور ہیں، دوسرے روز بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اُس روز دونوں
بزرگوار ہمراہ تھے۔ یعنی حضرات حسنین علیہما السلام ہمراہ تشریف لائے اور عرض کرنے لگے
کہ اس وقت ہم دونوں نے زور آزمائی کی لیکن کوئی کسی پر غالب نہیں آیا۔ اب آپ کے
سامنے ہم دونوں پھر زور آزمائی کرتے ہیں جو غالب آئے آپ اُسے بتلا دیں۔ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ زور آزمائی اور کشتی لڑنا ہمارا طریقہ نہیں ہے بہتر
ہے کہ تم دونوں کچھ لکھو۔ جسکا خط اچھا ہو گا وہ اپنے دوسرے پر ضرور ترجیح پائیگا وہ دونوں
بزرگوار اسپر راضی ہو کر وہاں سے چلے گئے۔ اور ایک کاغذ پر کچھ لکھکر آنحضرت صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے فرمایا حبیبی انا اُمّی لا اعرف الخط اذھبا
الی ابیکما لیحکم بینکما و ینظر ایکما احسن خطاً۔ اے بچو، میں لکھنا نہیں جانتا تم اپنے

خطوط کو اپنے والد بزرگوار کے پاس لیجاؤ اور وہ تبلا دینگے کہ تم دونوں میں کسکا خط اچھا ہے۔ یہ
دونوں صاحب جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپنے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے ایسا اُن کی دل شکنی کا خیال فرما کر کوئی تصفیہ نہ فرمایا۔ اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا
کی خدمت میں لیجانے کی ہدایت فرمائی۔ جناب سیدہ طاہرہ علیہا السلام کو بھی اُن کی دلشکنی کا
وہی خیال آیا۔ مگر آپنے اپنے گلے کا عقد مروارید توڑ ڈالا اور اُس کے دانے زمین پر بکھیر دیئے اور
بچوں سے کہا کہ تم میں سے جو زیادہ دانے اُٹھالیگا اُسی کا خط سب سے اچھا سمجھا جائیگا۔ اُس
ہار میں سات موتی تھے۔ صاحبزادوں نے تین تین موتی اُٹھا لیے۔ ایک رہگیا۔ جسکے لینے کے
لیئے دونوں صاحبزادے کوشش کرنے لگے۔ اتنے میں جناب جبرئیل بحکم ربّ جلیل نازل ہوئے
اور اُس موتی کو دو حصہ کر دیا کہ نصفا نصف دونوں صاحبوں نے اُٹھا لیا۔ اور حق سبحانہٗ و تعالے نے
انکے مراتب میں مساوات کا درجہ قائم رکھا۔ چونکہ اے یزید۔ یہ واقعہ گھر کے اندر ہوا تھا اور میں باہر
تھا اس لیئے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ جناب سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کی زبان سے اُسی وقت
سنا تھا جو باعتبار سلمان منّا اھل البیت عصمت سرا میں جانیکا شرف رکھتے تھے۔ اے
یزید حقیقت میں مسلمان ہوں مگر ملک روم میں اسوقت تک اپنا مذہب میں پوشیدہ رکھتا تھا۔ اب
تو ہی غور کر کہ جس مقدس بزرگوار کی صرف دلشکنی نہ خدا سے کی گئی اور نہ رسولِ خدا صلے اللہ
علیہ و آلہ وسلم سے۔ نہ فاطمہ علیہا السلام نہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام سے۔ اُسی کو
تو نے قتل کیا۔ اور اُسی کو تو نے آزار پر آزار دیے۔ اف لك و لدینك یا یزید تجھ پر اور تیرے
دین پر افسوس ہے اے یزید۔ یہ کہکر اُسنے جناب امام حسین علیہ السّلام کے فرق مبارک کو
اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ اور پے درپے اُس کے بوسے لیئے۔ اور کہا کہ اے حسین مظلوم علیہ السلام
آپ اپنے جدِ بزرگوار و پدر عالیمقدار و برادر ستودہ اطوار کی خدمات میں قیامت کے دن اس
امر پر گواہی فرمایئے گا کہ میں آپکے قاتل پر خدا کی طرف سے لعنت کا خواستگار ہوں۔
دربار عام برخاست ہوا۔ اور اہلبیت کرام علیہم السلام ایک ویران قید خانہ میں بھیجدیے گئے
اور سر مبارک جناب امام حسین علیہ السلام درِ زندان پر لٹکا دیا گیا +

یزید اور جناب امام زین العابدینؑ

دوسرے دن یہ حضرات پھر دربار عام میں بلوائے گئے۔ یزید ملعون نے امام زین العابدین علیہ
السلام کو مخاطب کر کے یوں آغازِ کلام کیا کہ اے علی ابن الحسین علیہما السلام آپکے

باپ اور دادا نے یہ تمنا کی کہ زمامِ خلافت اور عنانِ حکومت اُنکے ہاتھوں میں آئے لیکن
حاشا للہ۔ شکر اُس خدا کا جس نے اُن کو قتل کرایا اور خون بہایا۔ امام علیہ السّلام نے اُسکے
گستاخانہ کلام کے جواب میں ارشاد فرمایا یابن معٰویۃ وھند وصخر لم تزل النبوۃ والامرۃ
لاٰبائی واجدادی من قبل ان تولد ولقد کان جدّی علی ابن ابیطالب علیہما السّلام
فی یوم بدر واحد والاحزاب فی یدہ رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم و
ابوك وجدّك فی ایدیھما رایات الکفّار اے پسر ہند و معویہ وصخر۔ درجۂ نبوّت و
امارت خاصکر ہمارے ہی لیے اُترا ہے۔ قبل اس کے کہ تو پیدا بھی نہیں ہوا تھا معرکہای بدر
واحد وخندق میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے علم ہمارے دادا کے ہاتھ میں تھے
اور جمعیّت کفار کے نشان تیرے دادا کے ہاتھ میں تھے ویلك یا یزید انك لو تدری
ماذا صنعت وما الذی ارتکبت من ابی واھل بیتی واخی وعمومتی اذا لھربت
فی الجبال وافترشت الرّماد ودعوت بالویل والثّبور ان یکون راس ابی
الحسین ابن فاطمۃ وعلی علیہم السّلام منصوبا علی باب مدینتکم وھو ودیعۃ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلّم فیکم فابشر وبالخزی والندامۃ غدا اذا جمع النا
لیوم القیامۃ افسوس ہو اے یزید اگر تو سمجھتا جو کچھ گناہ۔ گستاخی اور آزاردہی تو نے میرے باپ۔ بھائیوں
چچا اور چچا زاد بھائیوں کے ساتھ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ تو مختل الحواس ہو کر جنگل اور بیابانوں
میں نکل جاتا۔ اور ہمیشہ فرش خاک پر بیٹھتا اور نالہ و فریاد کیا کرتا۔ میرے باپ حسین ابن فاطمہ و
علی علیہم السلام کا سر اور تیرے دروازہ پر لٹکایا جاوے۔ اب اے یزید اُس ذلّت اور رسوائی
کے واسطے مستعد رہ جو تیرے واسطے بروزِ قیامت نصیب ہونیوالی ہے۔ جسوقت یہ کلمات
جناب امام زین العابدین علیہ السّلام کے مُنہ سے نکلے یزید غصہ کے مارے جل گیا اور فوراً
آپکے قتل کا حکم دیا۔ جلاد آپکو ایک مقام پر لے گیا اور چاہا کہ قتل کرکے آپکی لاش کو ایک گڑھے
میں ڈال دے کہ یکایک ایک ہاتھ نکلا اور اُسنے پیچھے سے قاتل کی گردن پکڑ لی وہ خوفناک ہو کر
وہاں سے بھاگا۔ یزید کے پاس دوڑا آیا اور سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ وہ بھی سخت ہراساں ہوا اور آپکی
ایذا رسانیوں کی آیندہ تجویزوں سے باز آیا۔ ناسخ التواریخ۔

یزید کی ندامت اور اہلبیت کی رہائی

اہلبیت علیہم السلام عرصہ تک اُس خرابے میں قید رہے۔ کچھ دنوں کے بعد یزید نے بیت قاعدہ

مقرر کیا تھا کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو تنہا اپنی خلوت میں بلاتا تھا اور بہت سے امور پوچھا کرتا تھا۔ چنانچہ ایکدن آپ اُس کے پاس سے جا رہے تھے کہ راستہ میں منہال ابن عمر سے ملاقات ہوئی۔ منہال نے آپ کی مزاج پرسی کی تو اُس کے جواب میں آپنے فرمایا امسینا کمثل بنی اسرآئیل فی آل فرعون یذبحون ابناء ھم ویستحیون نساءھم یامنہال امست العرب یفتخر علی العجم بان محمداعربی وامست قریش تفتخر علی سائر العرب بان محمدا منہا وامسینا بمعشر اھل بیتہ ونحن مغصوبون ومقتولون مشردون فانا للہ وانا الیہ راجعون مما امسینا فیہ ہماری مثال اُن بنی اسرائیل کے ایسی ہے جن کے مرد قتل کیے گئے۔ اور عورتیں چھوڑ دی گئیں۔ اس وقت تک اہل عرب اہل عجم پر فخر کرتے تھے کہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل عرب سے ہیں۔ اور قبیلۂ قریش دیگر اہل عرب پر فخر کرتے تھے کہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے قبیلہ سے ہیں۔ اور اب اُنہیں کی اولاد ہم لوگ ہیں جو مقتول بھی ہوئے اور رُسوا اور پریشان حال بھی ہو رہے ہیں۔

علامہ ابو اسحاق اسفرائنی سہل شہرزوری کے اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن یزید کے سامنے موجود تھے کہ ایک عورت نہایت حسینہ وجمیلہ کہ مثل اُس کے کبھی نہیں دیکھی تھی اور اُس کے کپڑوں کے دامن نیچے لٹکتے تھے یزید کے پاس آئی اور اُس سے پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے؟ جو ملک عراق سے تیرے دربار میں لایا گیا ہے، اُسنے جواب دیا کہ یہ سر امام حسین علیہ السلام کا ہے۔ اُس عورت نے کہا۔ قسم خدا کی بہت شاق ہویہ امر اُس کے دادا اور اُس کے باپ۔ ماں اور اُس کے اہل پر۔ قسم خدا کی جب میں سو گئی تھی میں نے دیکھا کہ دروازے آسمان کے کھلے ہیں اور وہاں سے پانچ بادشاہ اُترے اُن کے ہاتھوں میں آگ کے لوکے تھے اور وہ کہتے تھے کہ خدائے جبار نے حکم کیا ہے کہ اس گھر کو جلا دیں پس یزید اُس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ افسوس ہے تجھپر کہ تو میرے ملک میں رہتی ہے اور یہیں پرورش پاتی ہے اور پھر ایسی بات کہتی ہے۔ میں تجھ کو بُری طرح سے قتل کرونگا اس عورت نے کہا کہ کوئی ایسی شرط بھی ہے جس سے مجھ کو پناہ ملے۔ یزید نے کہا ہاں۔ اس شرط سے میں البتہ تیرے قتل سے باز رہ سکتا ہوں کہ تو منبر پر جا اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام اور اُن کی اولاد کو سب وشتم سے یاد کر۔ اُس عورت نے کہا کہ اچھا ایسا ہی کرونگی۔ پس یزید نے سب

لوگوں کے جمع کرنیکا حکم دیا سب لوگ فراہم ہوئے اور وہ عورت منبر پر گئی اور اس نے کہا
ایہا الناس تم کو معلوم ہو کہ یزید نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں حضرت علی علیہ السلام اور ان کے
اہلبیت علیہم السلام کو برا کہوں۔ حالانکہ وہ ساقی کوثر ہے۔ اور بروز قیامت لوائے حمد اسی
کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور اولاد اسکی سرداران جوانان بہشت ہیں۔ آگاہ ہو تم لوگ کہ لعنت ہے خدا
کی اور لعنت ہے لعنت کرنیوالوں کی یزید پر اور اُن پر جنہوں نے اُسکی بیعت کی اور قتل جناب امام
حسین علیہ السلام پر قدم بڑھایا۔ اور صلوات وسلام ہو علیؑ اور اولاد علی علیہم السلام اور شیعیان
علی رضوان اللہ علیہم پر جب سے کہ اللہ نے دُنیا کو پیدا کیا اور جب تک کہ قیامت ہو اور اسی پر
میں زندہ ہوں اور اسی پر میں مروں گی اور اسی کے اوپر انشاء اللہ تعالےٰ میں قیامت
کے روز مبعوث ہونگی۔ یہ سُنکر یزید کو بہت غصہ آیا اور اُس کے قتل کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ اسی
وقت قتل کی گئی۔

دمشق کی مسجد جامع میں امام زین العابدین علیہ السلام کا خطبہ

اسی طرح یزید نے ایک روز اپنے خطیب سے کہا کہ منبر پر جاکر ہمارے محامد و مناقب اور بنی فاطمہ
علیہم السلام کے مناقص و معائب بیان کر۔ خطیب نے فوراً حکم یزید کی تعمیل کی۔ جناب امام
زین العابدین علیہ السلام بھی حاضر تھے۔ اُس کے کلام شناعت التیام کو سنکر خطیب سے کہنے لگے
ویلک ایہا الخاطب اشتریت مرضاۃ المخلوق بسخط الخالق فتبوء مقعدک من
النار افسوس ہے تجھ پر تو نے ایک بندہ کی خوشنودی کے لیے اپنے خالق کی معصیت
اختیار کرلی۔ پس اپنے مقام کو آتش جہنم سے بھرا ہوا تیار سمجھ لے۔ پھر اسکے بعد جناب امام
زین العابدین علیہ السلام نے یزید سے کہا کہ اگر تو اجازت دے تو میں بھی کچھ خطبہ کے طور پر
بیان کروں۔ یزید پہلے اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ مگر جب حاضرین نے اپنا کمال اشتیاق ظاہر
کیا اور بہت اصرار کیا تب یزید نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اجازت دی۔
اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور بعد حمد خدا و نعت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ
وسلم ذیل کا خطبہ ارشاد فرمایا۔

ایہا الناس اعطینا ستا و فضلنا بسبع اعطینا العلم و الحلم و السماحۃ و الفصاحۃ
و الشجاعۃ و المحبۃ فی قلوب المؤمنین و فضلنا بان منا النبی المختار و منا
الصدیق و منا الطیار و منا اسد اللہ و اسد رسولہ و منا سبطا ھذہ الامۃ

من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی ابتر لہ حسبی ونسبی ایہا الناس انا ابن المکۃ ومنی انا ابن زمزم والصفا انا ابن من حمل الرکن باطراف الرداء انا ابن خیر من ائتزر وارتدی انا ابن خیر من انتعل واحتفی انا ابن خیر من طاف وسعی انا ابن خیر من حج ولبی انا ابن من حمل علی البراق فی الہوی انا ابن من اسری بہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی انا ابن من بلغ بہ جبرئیل الی سدرۃ المنتہی انا ابن من دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی انا ابن من صلی ملائکۃ السماء انا ابن من اوحی الیہ الجلیل ما اوحی انا ابن محمد المصطفی انا ابن علی المرتضی انا ابن ضرب خراطیم الخلق حتی قالوا لا الٰہ الا اللہ انا ابن من ضرب بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسیفین وطعن برمحین وہاجر الہجرتین وبایع البیعتین وقاتل ببدر وحنین ولم یکفر باللہ طرفۃ عین انا ابن صالح المؤمنین ووارث النبیین وقامع الملحدین ویعسوب المسلمین ونور المجاہدین وزین العابدین وتاج البکائین واصبر الصابرین وافضل القائمین من آل یٰسین رسول رب العلمین انا ابن المؤید بجبرئیل المنصور بمیکائیل انا ابن المحامی عن حرم المسلمین وقاتل المارقین والناکثین والقاسطین والمجاہد اعدائہ الناصبین وافخر من مشی من قریش اجمعین واول من اجاب واستجاب للہ ولرسولہ من المؤمنین واول السابقین وقاصم المعتدین ومبید المشرکین وسہم من مرامی اللہ علی المنافقین ولسان حکمۃ العابدین وناصر دین اللہ وولی امر اللہ ولسان حکمۃ اللہ وعیبۃ علمہ سمح سخی بہی زکی ابطحی رضی مقدام ہمام صابر صوام مہذب باقوام قاطع الاصلاب ومفرق الاحزاب اربطہم عنانا واثبتہم جنانا وامضاہم عزیمۃ واشدہم شکیمۃ اشد باسا بطلہم فی الحروب واذا ازدلفت الاسنۃ وقربت الاعنۃ طحن الرحی ویذروہم فیہا ذرو الریح الہشیم لیث الحجاز وکبش العراق مکی مدنی حنفی عقبی بدری احدی شجری مہاجری من العرب سیدہا ومن لوغائہا وارث المشعرین وابو السبطین الحسن والحسین ذالک جدی علی ابن ابیطالب علیہم السلام ثم قال انا ابن سیدۃ النساء انا ابن خدیجۃ الکبری انا ابن المقتول

انا ابن المجزوز والرّاس من القفاء انا ابن العطشان حتّٰی قضیٰ انا ابن طریح کربلاء انا
ابن مسلوب العمامۃ والرّداء انا ابن من بکی علیہ ملٰئکۃ السّماء انا ابن من ناحت علیہ الجن
فی الارض والطیر فی الھواء انا ابن من راسہ علی السّنان یھدیٰ انا ابن من حرمہ من
العراق الی الشام تسبی ایھا النّاس ان اللہ تعالیٰ ولہ الحمد ابتلانا اھل البیت
ببلاء حسن حیث جعل رایۃ الھدیٰ والعدل والتقی فینا وجعل رایۃ الضلالۃ
والردی فی غیرنا۔

یعنی خداوند تعالےٰ نے ہم لوگوں کو علم و حلم و سماحت و فصاحت و شجاعت کے لیے خاص طور پر ممتاز فرمایا ہے۔ اور مومنین کے دلوں کو ہماری محبت سے پر اور مملو کیا ہے۔ اور ہم لوگوں کو بہ نسبت جناب احمد مختار و حیدر کرار و جعفر طیار و حمزہ سید الشہدا علیہم التحیۃ والثنا و فرزندان پیغمبر ابو محمد و ابو عبد اللہ کے تمام لوگوں پر فضیلت بخشی ہے۔ اور جو شخص کہ مجھے نہ جانتا ہو یا جانتا ہو میں اُس کو اپنے شرافت حسب و فضیلت نسب سے اطلاع دیتا ہوں میں ہوں پسر مکہ و منیٰ اور میں ہوں پسر زمزم و صفا۔ میں اُس کا پسر ہوں جسنے حجر الاسود کو اپنے دامن میں اُٹھایا۔ میں اُسکا پسر ہوں جو براق پر سوار ہوا اور تمام آسمانوں کو اپنے پاؤں سے روند ڈالا۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جو سدرۃ المنتہےٰ تک جا پہنچا اور جناب حق سبحانہٗ تعالےٰ نے اُسکو اپنی وحی کا خزانہ بنایا۔ میں اُس بزرگوار کا پسر ہوں جو مقام قاب قوسین او ادنےٰ تک پہنچا میں اُس شخص کا بیٹا ہوں جس نے دو تلواروں اور دو نیزوں سے لڑائیاں لڑیں۔ میں اُس شخص کا بیٹا ہوں جس کی وجہ سے کفار نے طریقۂ حق اختیار کیا۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جس نے پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ دو ہجرت کی۔ ایک ہجرت شعب ابی طالب میں۔ دوسری مدینہ میں۔ میں اُسکا بیٹا ہوں کہ جبرئیل جسکا مولا تھا اور میکائیل جس کا معین و ناصر تھا میں اُسکا بیٹا ہوں جس نے خوارج کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔ اور طلحہ و زبیر کے لشکر کو برباد کر دیا اور شام کی فوجیں اپنی شمشیر آبدار سے کاٹ ڈالیں، میں جناب فاطمۃ الزہرا و حضرت خدیجۃ الکبرےٰ سلام اللہ علیہا کا بیٹا ہوں اور میں اُس کا بیٹا ہوں جس کے رشتۂ حیات کو ستم کے ہاتھوں پارہ پارہ کر دیا۔ اور لب تشنہ اُس کا سر تن سے جدا کیا۔ میں اُسکا بیٹا ہوں جس کا جسم اطہر کربلا کی زمین گرم پر برہنہ چھوڑ دیا گیا۔ اور عبا اُس کی نکال لی گئی۔ میں اُس شخص کا بیٹا ہوں جسکا ماتم فرشتوں نے آسمان پر قائم کیا۔ اور جن و انس اُسکے لیے

زمین پر روئے۔ اور وحش وطیور آہ وفغاں میں مصروف ہوئے۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جسکا سر نوک نیزہ پر اِس شہر سے اُس شہر برابر پھرایا گیا۔ اور اُس کے اہلبیت عراق سے شام تک برابر مقید کر کے رُسوا کیے گئے۔ پس اے لوگو تم گواہ رہو کہ میں اُس خدائے لایزال کا بیحد وحساب شکر کرتا ہوں جس نے ہم اہلبیت کو ایسے امتحانِ سخت میں مبتلا کیا۔ اُس وقت جس وقت رایتِ ہدایت ہمارے ہاتھوں میں تھا۔ اور علم ضلالت دوسروں کے ہاتھوں میں تھا۔

ہم نے ناسخ التواریخ کی عبارت سے اس مقدس خطبہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اب ہم اُس خطبہ کو بھی نقل کرتے ہیں جس کو اس موقعہ پر امام اسفرائنی نے اپنی کتاب نور العین میں درج فرمایا ہے ❖

احذرکم الدنیا وما فیھا فانّھا دار الزّوال وھی قد افنت القرون الماضیۃ وھم کانوا اکثر منکم مالا واطول اعمارا وقد اکل التراب جسومھم وغیر احوالھم انتطمعون بعدھم بالبقآء ھیھات ھیھات فلا بدّ باللحوق والملتقی فتدبّروا ما مضی من عمرکم وما بقی وافعلوا فیہ ما سوف یلتقی علیکم بالاعمال الصّالحۃ قبل انقضآء الاجل وفروغ العمل فعنقریب توخذون من القصور الی القبور بافعالکم تحاسبون فکم واللہ من فاجر قد استکملت علیہ الحسرات وکم من عزیز قد وقع فی مسالک الھلکات حیث لا ینفع النّدم ولا یغاث من ظلم ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا یظلم ربّک احدا ایّھا النّاس من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فاعرفہ بنفسی انا علی ابن الحسین ابن علی وانا ابن فاطمۃ الزّھرآء انا ابن خدیجۃ الکبرےٰ انا ابن مکّۃ ومنیٰ انا ابن مروۃ والصّفآء انا ابن من صلی بملآئکۃ السّمآء انا ابن من دنی فتدلّی فکان قاب قوسین او ادنیٰ انا ابن صاحب الشّفاعۃ الکبریٰ انا ابن صاحب الحوض واللوآء انا ابن صاحب الدّلآئل والمعجزات انا ابن صاحب القرآن والکرامات انا ابن سیّد المحمود انا ابن من لہ الکرم والجود انا ابن المنتھی بالاشراق انا ابن من رکب علی البراق انا ابن کلمۃ اسمعیل انا ابن صاحب التاویل انا ابن المشّارد والبارد انا ابن الزّاھد والعابد انا ابن الوافی بالعھود انا ابن رسول الملک المعبود انا ابن سیّد البررۃ انا ابن المنزل علیہ سورۃ البقرۃ انا ابن من یفتح لہ ابواب الجنان انا ابن المخصوص بالرّضوان

انا ابن المقتول ظلما انا ابن محز ور الرّاس من القفا انا ابن العطشان حتی قضی انا ابن الطریح بکربلاء انا ابن مسلوب العمامۃ والرّداء انا ابن من بکت علیہ ملٰئکۃ السمآء ایھا النّاس ان اللہ تعالیٰ ابتلانا ابلآء حسن حیث جعل فینا رایۃ الھدےٰ وجعل فی غیرنا رایۃ الرّدیٰ واٰتٰنا ما لم یوت احد من العٰلمین وفضلنا علےٰ جمیع العٰلمین وخصّنا بخمسۃ اشیاء لم یوجد فی الخلق اجمعین العلم والحلم والشجاعۃ والسخا وحبّ اللہ ورسولہ واعطانا ما لم یعط من العٰلمین۔

اے حاضرین۔ میں تم کو دُنیا کی چیزوں سے ڈراتا ہوں کہ وہ دار فنا و زوال ہے۔ اِس دُنیا نے گزشتہ قرنوں اور طبقوں کو فنا کر دیا حالانکہ وہ لوگ تم سے بڑی عمر والے تھے اور تم سے زیادہ دولتمند تھے۔ مٹی نے اُن کے جسموں کو کھالیا اور اُن کی حالتوں کو متغیر کر دیا۔ اُن کے بعد بھی کیا تم اطمینان رکھتے ہو کہ تم دُنیا میں ہمیشہ زندہ رہوگے۔ یہ تمہاری آرزو دور رہے۔ تم کو اُن لوگوں سے ملنا ضرور ہے۔ جو کچھ تمہاری عمر میں سے گزر گیا ہے اور باقی رہا ہے اُس میں عمل صالح کرو۔ قبل اِس کے کہ موت آوے اور قبل اس کے کہ امیدوں سے فارغ ہو بہت جلد تم اُن محلوں سے نکالے جاؤگے اور قبور میں داخل کیے جاؤگے اور پیش خدا اپنے افعال کے حساب دوگے۔ قسم خدا کی فاجر شخص کا یہ حق ہے کہ اُس کی حسرتیں کامل ہوں، اور بہت سے مغرور لوگ ایسے ہیں کہ ہلاکتوں کے راستے میں پڑینگے۔ مگر اُسوقت کوئی ندامت اور شرمندگی اُن کو نفع پذیر نہوگی۔ ہر چند فریاد کریں گے مگر کسی کو فریادرس نہ پاوینگے۔ جو اعمال کیے ہیں وہ سب اُن کے پیش نظر ہوں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ایہا النّاس جو مجھ کو جانتا ہے جانتا ہے اور جو نہیں جانتا۔ مجھ کو اب جان لے کہ میں علی ابن الحسین ابن علی (علیہم السّلام) اور فرزند فاطمۃ الزہرا علیہا السّلام ہوں۔ میں فرزند خدیجۂ کبرےٰ ہوں۔ میں اُس کا فرزند ہوں جو صاحب مکّہ و منےٰ ہے اور میں اُسکا بیٹا ہوں جو صاحب مروہ اور صفا ہے۔ میں اُس شخص کا بیٹا ہوں جس کے ساتھ ملائکہ نے آسمان پر نماز پڑھی۔ میں اُس شخص کا فرزند ہوں جس کی شان میں ثمّ دنےٰ فتدلّےٰ نازل ہوا ہے۔ میں اُس شخص کا بیٹا ہوں جو صاحب حوض ولوائے حمد ہے میں اُسکا فرزند ہوں جو صاحب دلائل و معجزات ہے۔ میں اُسکا فرزند ہوں جو صاحب کرامات ہے۔ میں فرزند سید محمود ہوں میں فرزند صاحب کرم وجود ہوں۔ میں اُس کا فرزند

جو صاحب تاج نورانی ہے۔ میں اُسکا فرزند ہوں جو صاحب براق ہے۔ میں اُس کا فرزند ہوں جو کلمۂ اسمعیل علیہ السلام ہے۔ میں اُس کا فرزند ہوں جو صاحب معانی [illegible] ہے۔ میں اُسکا فرزند ہوں جو زاہد و عابد ہے۔ میں اسکا فرزند ہوں جسنے اپنے عہود کو وفا کیا میں فرزند رسولؐ ملک معبود ہوں۔ میں فرزند سرداران نیکوکار ہوں۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جسپر سورۂ بقرہ نازل کیا گیا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس کے واسطے جنات نعیم کے دروازے کھول دیے گئے۔ میں اُس شخص کا فرزند ہوں جسپر اللہ کی خاص خوشنودیاں نازل ہوئیں۔ میں اُس شخص کا فرزند ہوں جو قتیل ظلم و ستم ہے۔ میں اُس کا فرزند ہوں جسکا سر پس گردن سے کاٹا گیا۔ میں اُس پیاسے کا فرزند ہوں جو پیاسا مارا گیا۔ میں اُس شخص کا فرزند ہوں جو ارض کربلا پر بے گور و کفن پڑا ہے۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس پر ملائکۂ آسمان روئے ایہا النّاس خدا تعالےٰ نے بلائے شدیدہ میں ہمارا امتحان لیا ہے اس طرح کہ ہم میں رایت ہدایت اُس نے مقرّر کی۔ اور ہمارے غیر لوگوں میں رایت ہلاکت دیا ہے اور اسی وجہ سے حق تعالےٰ نے ہم کو تمام عالم پر فضیلت دی۔ اور حق تعالےٰ نے ہم کو وہ چیزیں عطا فرمائی ہیں جو کسی کے پاس خلق میں نہیں ہیں۔ علم حلم شجاعت۔ حب خدا۔ حب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور یہ پانچوں چیزیں مخصوص ہمیں کو دی گئی ہیں اور کسی کو نہیں۔ ملا ابو اسحاق اسفرائنی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں اور ایسا ہی صاحب ناسخ التواریخ کا بھی بیان ہے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام یہانتک فرما چکے تو تمام لوگ مسجد میں رونے لگے۔ یزید نے سوچا کہ خطبہ کو اذان دلوا کر موقوف کرادے کیونکہ اُس کو اہل شام کے منحرف ہو جانیکا خیال پیدا ہونے لگا اس لیے اُس نے مؤذن کو اشارہ کیا اُسنے اُٹھتے ہی اذان دینی شروع کر دی۔ جب اُسنے اللہ اکبر کہا امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر فوق کل کبیر اللہ سب بڑوں سے بڑا ہے۔ مؤذن نے کہا اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ امامؑ نے بھی ایسی ہی تکرار فرمائی۔ پھر مؤذن نے کہا اشھد ان محمّد رسول اللہ امام علیہ السلام نے کہا چُپ رہ جب وہ خاموش ہو گیا تو پھر آپنے یزید کو مخاطب کر کے فرمایا یا یزید اکان محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جدی ام جدک فان قلت جدی فانت صادق وان قلت جدک فانت کاذب۔ یزید۔ اب تو ہی بتلا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے جدّ بزرگوار تھے یا تیرے۔ اگر تو نے کہا کہ میرے جدّ بزرگوار تھے

تو تو سچا ہے، اور اگر تو نے کہا کہ وہ تیرے جد تھے تو تو جھوٹا ہے۔ یزید نے کہ نہیں وہ آپ ہی کے جدّ عالیقدار تھے۔ آپ نے فرمایا لم قتلت ذرّیته وسبیت حریمه پھر تو نے کیوں اُن کی ذرّیت کو قتل کیا۔ اور اُن کے حرم کو قید کیا۔ یہ سنکر یزید تو خاموش ہو گیا اور حاضرین مسجد زار و قطار رونے لگے اور سب نے یکزبان ہو کر کہا کہ اسلام میں تو یہ مصیبت عظیم واقع ہوئی اس کلام سے یزید کو خوف ہوا کہ لوگ بغاوت کر کے اسے مار نہ ڈالیں۔ مقتل ابو مخنف و اسحاق اسفرائنی۔ ص ۱۰۸۔

حقیقت حال یہ ہے کہ یزید علیہ اللعن اُسی دن سے اہل شام کی طرف سے غیر مطمئن ہو گیا اور قتل امام حسین علیہ السلام کی نسبت اُس کے چہرہ سے انفعال و پشیمانی کے آثار ہویدا اور آشکار ہونے لگے مگر یزید اپنے اس دلی راز کو افشا نہیں کرتا تھا۔ جی ہی جی میں اپنے ان خیالوں کو رکھتا جاتا تھا۔ اسی اثنا میں حضرت سکینہ علیہا السلام کی وفات واقع ہوئی ادھر ہند بنت عبداللہ عامر کے خواب نے جو یزید کی بیوی تھی۔ اور یزید اس سے مفرط درجہ کی محبت رکھتا تھا جیسا کہ اس سلسلہ کی جلد سوم میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اور بھی یزید کے دل میں ہیبت اور دہشت پیدا کر دی۔ ہند کو جو خلوص اور اعتقاد اہلبیت کرام علیہم السلام کے ساتھ تھا وہ ہرگز میرے بیان کا محتاج نہیں ہے۔ غرضکہ ہند کے اصرار پر یزید کو اقرار کرنا ہی ہوا کہ یہ امام حسین علیہ السلام کا سر ہے۔ وہ اور اُن کے تمام عزیز و اقارب مقام کربلا میں شہید کیے گئے، یہ اُنہیں کے اہلبیت ہیں جو محبس شام میں مقید ہیں۔ یہ سنتے ہی ہند کے دل میں تاب نہ رہی۔ وہاں سے وہ یزید کو برا کہتی ہوئی اُٹھی اور قید خانہ میں پہنچی۔ اور اہلبیت کرام علیہ السلام سے حقیقت حال دریافت کر کے بجا لا تعظیم و تکریم اُن مخدرات علیا کی خدمت میں مصروف ہوئی۔ اور پھر یزید سے کہکر اُن کی رہائی کا حکم دلوا دیا۔ جب اہلبیت علیہم السلام یزید کے سامنے لائی گئی تو پہلا سوال جو اُن بزرگواروں نے اُس سے کیا وہ یہ تھا کہ اے یزید جب سے عبیداللہ ابن زیاد نے ہم کو امام حسین علیہ السلام سے جدا کیا ہے۔ ہم رونے نہیں پائے۔ یہ سنکر اُس بے اُن کو ایک علیحدہ مکان میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ پس وہ سب لوگ اُس مکان میں ٹھہرے اور نوحہ ماتم و گریہ و زاری شروع کی۔ رات دن روتے تھے۔ تمام دمشق میں کوئی قریشی اور ہاشمی ایسا نہیں تھا کہ اُن کے پاس نہ آیا ہو اور اُس نے آکر امام مظلوم کا پرسانہ دیا ہو +

یہ ہے اس واقعہ عظیمہ کی حقانیت کی سچی تاثیر۔ ابھی کے دن ہوئے کہ یہی حضرات بحالتہائی زار

بے مقنعہ و چادر دربار یزید میں لائے گئے تھے۔ اور اُنکی یہ حالت ہو رہی تھی کہ کوئی شخص یزید کے خوف سے ان کے پاس جانا اور دریافت حال کرنا کیسا اُن کی طرف چشم مروت سے دیکھنے کا بھی روادار نہیں ہوتا تھا۔ امام حسین علیہ السلام کے مناقب و مراتب یا اُن کے شدائد و مصائب کی کس کو کافی خبر تھی۔ مگر حکم حاکم قفل دہن ہو رہا تھا۔ مگر یہ واقعہ جیسا اپنی نظیر کے اعتبار سے تاریخوں میں بےمثال ثابت ہوا ہے۔ ویسے ہی اپنی تاثیر کے لیے بھی۔ ابھی کے دن ہوئے تھے کہ یزید نے ان حضرات کے ساتھ اپنی عداوت اور مخاصمت کے اظہار کیے تھے۔ اور اُن کی ذلت و خواری کے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ مگر تھوڑے ہی دن بعد اس حادثۂ عظیمہ کی روحانی تاثیر دل نے اُس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ ایذا رسانی اور آزار دہی کے عوض میں وہ ان ذوات مقدسہ کے ساتھ بملائمت پیش آنے لگا۔ اور سزائے درۂ و شمشیر کے عوض ان حضرات کی خدمات میں اپنے دست انفعال جوڑنے لگا۔ اور عفوِ قصور کرانے لگا حالانکہ ابھی اُس کے ظلم و ستم کے زمانہ کو کچھ ایسا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا۔ مگر نہیں۔ یہ اس واقعہ کی حقیقی تاثیر تھی، جس نے یزید کے پتھریلے دل کو اپنے روحانی جذبات سے ایسا جلد پانی کر دیا۔ اور کیونکر نہ ہو آخر خونِ ناحق تھا۔ اور خونِ ناحق بھی کس کا فرزند رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جگر بند بتول سلام اللہ علیہا کا۔

امام ابو اسحاق اسفرائنی کا بیان ہے کہ ایک ہفتہ تک اہلبیت کرام علیہم السلام نے شہر دمشق میں قیام کیا اور عزائے جناب امام حسین علیہ السلام میں مصروف رہے۔ قدرت کے عجائب اور مشیت کے غرائب سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ ابھی ہفتہ دو ہفتے قبل اسی شہر دمشق میں جناب امام حسین علیہ السلام کے قتل کی تقریب میں تمام آئینہ بندی ہوئی تھی تمام کوچہ و بازار آراستہ و پیراستہ ہوئے تھے۔ چاروں طرف جشن کے سامان تھے اور ہر سو ایک بہت بڑی عید کی خوشی نمایاں تھی۔ اور آج اُسی شہر دمشق میں اُسی مظلوم امام کا ماتم بپا ہے۔ اور جوق جوق لوگ اُس مکان میں اُسی مظلوم کی ماتم پرسی کے لیے اُسی کے سوگوار اور مصیبت زدہ اہلبیت علیہم السلام کی خدمت میں جا رہے ہیں جن کو اس سے قبل وہ حقارت کی بُری نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

الغرض یزید نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ حضرات شام میں

رہنا چاہیں تو آپ کے عافیت و آرام کے سامان یہیں مہیا کر دیے جائیں اور اگر یہاں طبیعت نہ لگتی ہو تو پھر آپ کے مدینہ جانے کا سامان کر دیا جائے۔ آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ ہمارا مدینہ ہی واپس جانا بہتر ہوگا

یزید اور قتل امام حسین علیہ السلام سے برات کی کوششیں

ملا ابو اسحاق اسفرائنی اور صاحب ناسخ التواریخ اس مقام پر پہنچکر یہ مخصوص واقعہ لکھتے ہیں کہ اس وقت یزید نے جملہ اہلبیتؑ کے سامنے قاتلان امام حسین علیہ السلام کو جمع کر کے ایک انجمن قائم کی۔ اور اہلبیتؑ کے سامنے اُن سے یہ اظہار کرانا چاہا اور یہ ثبوت دلوانا چاہا کہ قاتلان امام حسین علیہ السلام میں میں شامل نہ تھا۔ اور نہ میرے حکم سے اس واقعہ عظیمہ کی بنیاد پڑی۔

چنانچہ امام اسفرائنی کا بیان ہے کہ یزید نے اپنے سلسلۂ کلام کو یوں آغاز کیا اور کہا کہ ایہا الناس تم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ میں نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ خدا لعنت کرے اُس پر جس نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ اُن کو محض عبید اللہ ابن زیاد میرے نائب بصرہ نے قتل کیا ہے۔ پھر اُسنے اُن لوگوں کو بُلایا جو امام حسین علیہ السلام کا سر لائے تھے اور دریافت کیا کہ کیونکر امام حسین علیہ السلام قتل ہوئے تھے، پہلے اُس نے شیث ابن ربعی سے پوچھا۔ کہ افسوس ہو تجھ پر کیا میں نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ اُس نے کہا کہ نہیں خدا لعنت کرے اُس پر جس نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ پھر خولی ابن یزید الاصبحی کیطرف اشارہ کیا اور اُس سے کہا کہ آیا میں نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا۔ اُس نے کہا کہ نہیں لعنت ہے اللہ کی اُس کے قاتل پر۔ اسی طرح وہ ایک ایک سے دریافت کرتا جاتا تھا تا اینکہ حصین ابن نمیر کی نوبت آئی۔ اُسنے پہلے تو وہی کہا جو اس سے پہلے اوروں نے کہا تھا۔ بعد اُس کے کہا کہ آیا واقعی تو یہی چاہتا ہے کہ جس شخص نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اُسکو میں تجھے بتلا ہی دوں۔ یزید نے کہا کہ ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ حصین نے کہا تو پہلے میری جان بخشی کی جائے اور مجھے امان جان ملے۔ یزید نے کہا کہ ہمنے تجھے امان دی حصین ابن نمیر بولا کہ اے امیر جس شخص نے علم قائم کیے اور مال لوگوں کو دیا اور لشکر آراستہ کر کے بھیجا اور اِدھر اُدھر خطوط روانہ کیے اور لوگوں کو ڈرایا اور دھمکایا اُسی نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ یزید نے کہا تو ایسا کس نے کیا حصین ابن نمیر نے کہا تو نے۔ یہ سُنکر یزید غضبناک ہوا اور فوراً محل کے اندر چلا گیا۔ اور وہ طشت جس میں سر مبارک امام حسین

علیہ السلام تھا اپنے سامنے رکھا۔ روتا تھا اور اپنے منہ پر طمانچے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھ کو امام حسین علیہ السلام سے کیا کام پڑا ہے۔ دیکھو مقتل امام اسفرائنی ص ۱۸۹۔

اہلبیت علیہم السلام کا مدینۂ منورہ میں ورود

رہائی کے بعد سات روز تک اہلبیت علیہم السلام نے شہر دمشق میں اور قیام کیا۔ اس کے بعد یزید نے ان حضرات کو مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ اور نعمان ابن بشیر الانصاری کو پانچ سو سواروں کے ساتھ راہداری کی غرض سے ہمراہ کر دیا۔ المختصر یہ حضرات شہر دمشق سے روانہ ہو کر کربلا میں داخل ہوئے اور قبر امام حسین علیہ السلام سے وداع ہوتے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ صاحب مفتاح البکا داخلۂ اہلبیت علیہم السلام کی کیفیت یوں لکھتے ہیں۔

ان محمد ابن الحنفیۃ لما سمع بمجیٔ اہل البیت فخرج بسرعۃ فلما نظر الی الاعلام السود خر من الفرس الی الارض مغشیا علیہ فقیل للسجاد ادرک عمک فانہ کاد ان یھلک فجاء باکیا الیہ واخذ راس عمہ فی حجرہ حتی افاق فلما نظر الی ابن اخیہ ثاوہ و قال یا ابن اخی این قرۃ عینی این ثمرۃ فوادی این خلیفۃ ابی ابن الحسین علیہ السلام اخی فقال یا عماہ اتیتک قتلوا رجالنا واسروا نسائنا یا لیت کنت حاضرا حتی تری اخیک کیف یستغیث فلا یغاث وکیف یستعین فلا یعان و قتلوہ عطشانا وکل الحیوانات ریان فصاح محمد صیحۃ عالیۃ حتی غشی علیہ فلما افاق قال یا ابن اخی کیف جری علیکم فکان علیہ السلام یحکی ما جری علیھم و محمد ابن الحنفیۃ علیہ السلام یبکی۔

جب محمد ابن حنفیہ کو اہلبیت علیہم السلام کے آنے کی خبر پہنچی تو نہایت تیزی سے وہ بیرونِ شہر تشریف لے گئے۔ جونہی آپ کی نظر علم ہائے سیاہ پر پڑی آپ فوراً بیتاب ہو کر گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو ایک بار ان کی نظر جناب امام زین العابدین علیہ السلام پر پڑی تو بیقرار ہو کر چلائے کہ اے جانِ عم۔ اپنے چچا کو جو معرضِ ہلاکت میں ہے تھام لو۔ پس امام علیہ السلام دوڑے اور محمد حنفیہ کو اپنی گود میں لے لیا۔ پھر ان کو ہوش آیا تو پھر انکی نظر امام علیہ السلام پر پڑی تو بیساختہ ایک آہِ دردناک کھینچی اور کہا اے جانِ عم۔ میرا بھائی۔ میری روشنیٔ چشم

میرا میوۂ دل میرے باپ کا خلیفہ۔ میرا بھائی امام حسین علیہ السلام کہاں ہے ؟ امام علیہ السلام نے ایک آہ دردناک کھینچی اور فرمایا کہ میں اس وقت آپ کی خدمت میں یتیم ہو کر آیا ہوں، میرے مردوں کو مار ڈالا۔ اور میری عورتوں کو اسیر کر لیا۔ اگر اے چچا آپ اُس مقام پر ہوتے تو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرماتے کہ آپ کے برادر عالیمقدار کیسے کیسے استغاثے فرماتے تھے اور کوئی اُن کی دلجوئی نہیں کرتا تھا۔ کس کس طرح وہ لوگوں کو اپنی حمایت کے لیے طلب فرماتے تھے اور کوئی اُن کی فریاد کو نہیں پہنچا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ تشنہ لب اُن کو قتل کیا۔ حالانکہ جمیع حیوانات اور دام و دد اُسی آب فرات سے سیراب ہو رہے تھے۔ یہ سُنکر جناب محمد حنفیہ نے ایک نالۂ سرد اور آہ پُر درد کھینچی اور بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔

یہ تو صرف جناب محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی کیفیت تھی۔ اسی پیمانہ پر تمام بنی ہاشم کی ملاقات کی حالتوں کا قیاس کرنا چاہیے۔ المختصر حضرات اہلبیتؑ بادل ہائے صد چاک و دیدہائے غمناک مدینۂ منورہ میں داخل ہوئے جبوقت مخدرات علیا کی نظر روضۂ مقدسۂ نبوی صلوات اللہ علیہ وآلہ پر پڑی ایک قیامت مچگئی۔ اور ہر شخص باآہ و زاری مصروف اشکباری ہوا۔ وہ کہرام ہوا کہ العظمۃ للہ۔ جناب ام کلثوم علیہا السلام نے ذیل کے اشعار مرثیہ پڑھے۔

مدینۃ جدنا لا تقبلینا
باناقد فجعنا فی ابینا
رجعنا لا رجال والا بنینا
وکنّا فی امان اللہ جہرا
رجعنا لا حسین ولا معینا
فنحن الضائعات بلا کفیل
ونحن النادیات لنا کینا
ونحن بنات یٰسٓ وطٰہٰ
ونحن الباکیات لقائدینا
وقد ھتکونا القوم وحملونا

فبالحسرات والاحزان جینا
وان رجالنا بالطف صرعی
وکنّا فی الخروج علی المطایا
رجعنا القطیعۃ خائبینا
فلا عیش یدوم لنا دواما
ونحن النائحات لقائدینا
ونحن لسائرون علی المطایا
ونحن الباکیات علی اخینا
الا یا جدّنا قتلوا حسینا
علی الاقتاب حملا اجمعینا

الا اخبر رسول اللہ فینا
خرجنا منک بالاھلین جمعا
وجئنا خائبین مسلبینا
ومولانا الحسین لنا انیس
وزین الخلق مدفون حزینا
ونحن الباکیات علی الحسین
نساق علی جمال المبغضینا
ونحن الصابرون علی البلایا
ولم یرعوا جنابک یا ابینا
ورتبت اخرجہا من جباھا

وفاطم ما لها احد امینا
وزین العابدین قد قیدوہ
وبین الخلق جمعا قد خزینا

سکینة تشتکی من حر وجدی
وراموا قتله اضحی حزینا
فھذا قصتی مع شرح حالی

تنادی یا اخی جار ولعینا
وقد طافوا له البلاد بنا جمیعا
الا یا مسلمین ابکوا علینا

اے ہمارے جد کے مدینہ تو ہمارے آنے کو قبول نہ کر کہ ہم حسرتوں اور مصیبتوں کے ساتھ تیرے پاس آئے ہیں۔ ہم جب تجھ سے نکلے تھے تو ہمارے ساتھ سب اہل وعیال موجود تھے۔ اب ہم جب واپس آئے ہیں تو نہ ہمارے مرد ساتھ ہیں نہ بچے۔ اب ہم ناامید اور مایوس واپس آئے اور ہمارے مولانا امام حسین علیہ السلام اُس وقت ہمارے انیس تھے۔ اب ہم کہ واپس آئے نہ ہمارے ساتھ امام حسین علیہ السلام ہیں نہ کوئی مددگار ہے۔ کوئی عیش ہمیشہ نہیں رہتا۔ غور کرو کہ جو خلق کی زینت تھے وہ قبر میں حزین ومغموم دفن ہیں۔ ہم ضائع ہوگئے اور کوئی ہمارا کفیل ومددگار نہیں ہے اور ہم نوحہ کرتے ہیں اور روتے ہیں۔ ہم وہ ہیں جو دربدر اونٹوں پر پھرائے گئے۔ اور اُن اونٹوں پر سوار کیے گئے۔ جو بُرے اور بے سامان تھے۔ ہم دختران یسین وطہٰ ہیں ہم اپنے باپ کے اوپر روتے ہیں۔ ہم وہ لوگ ہیں جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو روتے ہیں اُن لوگوں کو جو پیشوا تھے، آگاہ ہو اے جدّ بزرگوار کہ لوگوں نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کر ڈالا۔ اور آپ کی جناب کی رعایت اُن کے حق میں نہیں کی۔ ہماری ہتک حرمت کی اور ننگے اونٹوں پر سوار کرکے ہمکو دربدر پھرایا زینب علیہا السلام کو اُنہوں نے بے پردہ کیا اور فاطمہ علیہا السلام کا کوئی معین نہیں تھا۔ سکینہ شدّت گرما سے شکایت کرتی تھیں اور پکارتی تھیں کہ اے بھائی مجھ پر لوگوں نے ظلم کیا۔ تم آکر میری فریادرسی کرو۔ اور امام زین العابدین علیہ السلام کو قید کیا اور اُسکے قتل کا ارادہ کیا اور وہ اس حال میں حزیں تھا۔ ہائے۔ ہم سب کو شہر بشہر پھرایا۔ تمام خلقت کے سامنے ہم کو رسوا کیا۔ یہ ہے ہمارے واقعہ کی تشریح۔ پس اے مسلمانو! ہمارے واقعہ پر بُکا کرو۔ مقتل ابی اسحاق ص ۱۹۶

الغرض یہ تمامی حضرات قبر مطہر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آئے اور تعویذ مقدس پر ایکبار گر پڑے اور چلا چلا کر کہنے لگے یاجدنا قتلوا حسینا بارض کربلا اے جدّ بزرگوار حسین علیہ السلام کو ارض کربلا میں شہید کر ڈالا۔ کاش کہ آپ

ہمارے اُن مصائب کو دیکھتے جو ہمپر نازل ہوئے۔ ہمارے خون کو حلال کیا۔ ہمکو قید کیا اور
پھر قید کرکے بے کجاوہ اونٹوں پر بے پردہ قید کرنے کے بعد یزید علیہ اللعن کے پاس
لے گئے۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اُسی وقت ان اشعار کو پڑھا۔

الا یا جدنا الاعداء فینا تحکموا
قتیلا و فی الاحشاء منہ ظماء
وغادوا علینا ینہبون حیامنا
بغیر وطا یا جدنا وغطاء
تولنا بدمشق نحو یزیدھم
وصاح جنکم قد بلغت ھناء
وصاح بہ کل الحضور جمیعھم
فقال طلقوہ لانہ مرضاء
وقد استحل الان کل محرم
وساق لاھل بیت کل ردآء
فقاتلھم یا رب علا یفعلھم

ونالوا بنا واللہ کل مناء
وقد رفعوا رأسا لہ فوق ذابل
وقد سلبونا مالنا من نضرآء
وطافوا بنا شرق البلاد وغربھا
وقد اوقفونا بین یدیہ سوآء
وقد رام قتلی کی تقطع نسلنا
فقال دعوہ ذا من الضعفاء
فخذ حقنا یا جدنا منہ فی غد
بنیع لاھل البیت سفک الدماء
سیوفھم قد جروتی رقابنا
ایا من تعالی فوق کل سماء

یا جدنا اردوا الی متن کلا
کما البدر یشرق فی علو السماء
وقد حملونا علی ظھور جمالھم
جمیعھم یھجی ننا بھجاء
وقال انا بکم نلت کل مقصد
وذی عمتی صاحت تعزعزآء
والناس صاحوا خلف یزیدھم
وفی یوم حشر یوم الفصل القضا
وقد انتم من ال بیت محمد
فیا ویلھم من حر النار ولظاء

اے جدِ بزرگوار دشمنوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا۔ اور جو رنج و مصیبت کی انتہا تھی وہ ہم کو پہنچائی۔
اے جد بزرگوار ہمارے باپ کو ذلت کے ساتھ پیاسا قتل کیا اور اُن کے سر کو نیزے پر چڑھایا کہ
وہ نیزے پر ایسا چمکتا تھا جیسا آسمان پر ماہ کامل۔ زاں بعد ہمارے خیموں میں آئے اور کل اسباب
ہمارا لوٹ لیا۔ ہمارے کپڑے چھین لیے۔ کوئی ہمارا معین نہیں تھا۔ ہمکو بے پالان و بے پردہ
اونٹوں پر سوار کیا۔ اور شہرہائے مشرق و مغرب میں پھرایا کہ سب دیکھنے والے ہماری ذلت و
خواری دیکھتے تھے۔ پھر ہم کو دمشق لے گئے۔ وہاں یزید علیہ اللعن کے روبرو کھڑا کیا۔ یزید نے
ہم سے کہا کہ میری تمام مرادیں تمہارے باپ کی قتل سے حاصل ہوئیں۔ یہ ایک مبارک
کام تھا۔ پھر اُسنے چاہا کہ مجھے قتل کرکے نسل کو قطع کر دے۔ اُسوقت ہماری پھوپھی کھڑی ہو
رونے پیٹنے لگیں کہ تمام آدمی یزید کے روبرو چیخنے چلانے لگے تب یزید نے مجھ کو یہ کہکر چھوڑا
کہ یہ مریض ہے اے جد بزرگوار۔ ہمارے انتقام کو بروزِ قیامت لینا جب سب مقدمات
کا تصفیہ ہوگا۔ کہ اُسنے یعنی یزید نے تمام محرمات کو حلال کیا اور خون اہلبیت علیہم السلام

مبلح گیا۔ اہلبیت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتقام لیا۔ ہر قسم کی مصیبت و ہلاکت پہنچائی۔ اُس کی تلواریں ہمارے لیے برہنہ تھیں، وائے اُن لوگوں پر وہ شعلہ زناں آگ میں پڑینگے۔ اے پروردگار تو اُن سے اُن کے افعال کا عوض لے کیونکہ تو تمام آسمانوں سے بلند تر ہے +

روضۂ مطہر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہو کر جب یہ حضرات محلسرا میں تشریف لائے تو بیساختہ اُن ویران اور سنسان مکانوں کو دیکھکر آپ کی چشمہائے مبارک سے آنسو جاری ہو گئے، اور امام زین العابدین علیہ السلام نے پھر یہ دوسرے اشعار زیر لب فرمائے :-

مردت علےٰ ابیات آل محمّد
وان اصبحت خلوا وکانت متمّمۃ
وکانوا غیاثا ثم باذ واجمیعہم

فلم اراھا الاخوالی مظلمۃ
اری قتل طفل من سلالۃ ھاشم
وقد عظمت تلک الرزایا بالفاطمۃ
لقتل الحسین فھی ذاک معمۃ

فلا یبعد اللہ الدیار واھلہا
تنوح لہ کلّ الوری نوح ماتمۃ
الم تران الشّمس اضحت کتیفہ

یعنی جب ہم آل محمد علیہم السلام کے گھروں کی طرف سے ہو کر گزرے تو ہمنے اُن کو خالی اور تاریک پایا۔ اگرچہ گھر خالی ہیں اور اُن کے مکین ہم سے دور ہیں مگر تاہم خدائتعالےٰ اُن کی روحانی صحبتوں سے ہم کو محروم نہ رکھے۔ اگر آل ہاشم سے ایک بچہ بھی قتل ہو تو وہ ضرور اس قابل ہے کہ تمام دُنیا کے لوگ اُس پر ماتم داروں کیطرح نوحہ و ماتم کریں۔ وہ غریب فریاد کرتے تھے کہ ہماری مصیبت عظیم ہے۔ اور حقیقتہً یہ مصیبت اُن کی عین جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی مصیبت ہے۔ کیا تونے (بروز عاشورا) نہیں دیکھا تھا کہ خدا کے سب شہر زرد رنگ کے ہو گئے تھے۔ اور آفتاب میں گہن لگ گیا تھا۔

اس کے بعد جناب امام زین العابدین علیہ السلام محلسرا میں تشریف لے گئے اور اسباب سفر وغیرہ کی ترتیب کے بعد جب باہر تشریف لائے تو خادم نے اندر سے لاکر ایک کرسی باہر بچھا دی، آپ اُس پر بیٹھ گئے روتے تھے اور آنسوؤں کو رومال سے پاک کرتے جاتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد محمدؐ ابن حنفیہ آئے اور آپ کی ایک طرف بیٹھ گئے۔ پھر اور سائر اہل مدینہ آتے گئے اور بیٹھتے گئے۔ جو آتا تھا۔ بیٹھتا تھا اور روتا تھا۔ یہاں تک کہ تمام محلسرا میں صدائے نالہ و فریاد سے کہرام مچ گیا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے

حاضرین سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ جب تمام لوگ خاموش ہو گئے تو زبانِ مبارک سے
ذیل کا خطبہ ارشاد فرمایا۔
الحمد لله رب العلمین بارئ الخلق اجمعین الذی بعد فارتفع السموٰت العلی وقرب
فشهد النجوی نحمده علی عظام الامور وفجائع الدهور ایها الناس ان الله ابتلانا بمصائب
جلیلة ومصیبة فی الاسلام عظیمه. ایها الناس قتل ابو عبدالله وسبیت
نساءه فای رجال یسرون بقتله وام ای عین تحبس دمعها فلقد بکت السبع
الشداد لقتله وبکت البحار بامواجها والسموٰت بارکانها والارض بارجائها و
الاشجار باغصانها والحیتان فی البحار والملئکة المقربون والله لو ان النبی
صلی الله علیه وآله وسلم تقدم الیهم بقتلنا کما تقدم الیهم بالوصایا ثابتًا
لما زاد وعلی ما فعلوا بنا فانا لله وانا الیه راجعون فعند الله نحتسب فیما اصابنا
انه عزیز ذوانتقام۔
اُس خدا کی حمد کرتا ہوں جو تمام خلق کا خالق ہے اور ایسا ہے کہ دور ہوا تو بلند ہوا
تمام بلند آسمانوں سے اور قریب ہوا تو ایسا ہے کہ ہمارے اسرار کا شاہد اور ناظر ہے
میں حمد کرتا ہوں اُس کے امورِ عظیم کی اور بڑے بڑے مصائب پر۔ ایہا الناس اللہ تعالےٰ
نے ہم اہلبیتؑ کا امتحان مصائبِ عظیم سے لیا ہے۔ اور ہماری مصیبت اسلام کی
بہت بڑی مصیبت ہے۔ ایہا الناس حضرت ابی عبد اللہ الحسین علیہ السلام قتل ہوئے
اور اُن کی عورتیں قید کی گئیں۔ پس کونسا آدمی ہے جو خوش ہوا اور کون آنکھ ہے جو
اُن کے قتل پر گریاں نہ ہوئی۔ اُن کی شہادت پر ساتوں آسمان روئے۔ دریا اپنی موجوں
سے روئے۔ اور آسمان اپنے ارکان سے روئے اور زمین اپنے پہاڑوں سے روئی۔
درخت اپنی شاخوں سے روئے اور سمندر کی مچھلیاں بھی روئیں۔ قسم خدا کی اگر جناب
رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ہمارے قتل کرنے کو کہہ جاتے جس طرح کہ
ہماری حمایت کرنے کو اُن سے وصیت فرما گئے تھے تو جو کچھ کہ اب ان لوگوں نے ہم کے ساتھ
کیا ہے اُس سے زیادہ نہ کر سکتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پس ہمارے ان
تمام مصائب کا ثواب اور عوض خدا کے پاس ہے۔ کیونکہ بزرگ اور صاحبِ انتقام ہے
مقتل امام اسفرائنی ص ۲۰۳۔

بہرحال۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے ان تمام مصائب و شدائد کو بکمال صبر و تحمل برداشت کر کے خانہ نشینی اختیار فرمائی۔ شب و روز عبادتِ الٰہی و ریاضتِ لا متناہی میں بسر کرنے لگے۔ چنانچہ امام ابو اسحاق اسفرائنی بیان کرتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام دن کو روزہ رکھتے تھے۔ رات کو نماز پڑھتے تھے۔ اور بقیہ اوقات میں برابر اپنے والد بزرگوار کو رویا کرتے تھے۔ جب افطار کے وقت آپ کے پاس آب و طعام لاتے تھے تو آپ فرماتے تھے کہ ہمارے پدر گرامی قدر بھوکے پیاسے قتل ہوئے اور انہیں کلمات کو آپ مکرر فرماتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ وہ طعام آنسوؤں سے ممزوج اور مخلوط ہو جاتا تھا۔ یہی حال آپ کا تا دمِ وفات قائم رہا +

امام زین العابدین علیہ السلام کی فرط اشکباری اور گریہ و زاری کی تفصیل میں دفتر کے دفتر لکھے گئے ہیں۔ جو مصائب کی کتابوں میں علے العموم مندرج ہیں۔ ہمارا سلسلۂ بیان اُن کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اس لیے ہم تمام واقعات سے قطع نظر کر کے اب اپنی تالیف کی موجودہ ترتیب کو اُن واقعات کی تحریر کے ساتھ آگے بڑھاتے ہیں جو واقعہ کربلا کے بعد تمام تاریخوں میں درج ہیں +

جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق واقعات کربلا کے بعد سے حالات

امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے۔ اس میں شک نہیں کہ یزید اور اُس کے ہی خواہان سلطنت کی تجویزوں کے خلاف اپنا پورا اثر دکھلایا۔ امام مظلوم علیہ السلام کو دعویدار سلطنت سمجھکر اُن کے قتل کرنے اور اُن کے وجود باجود کے مٹانے کی تجویز ہوئی۔ جس کی اصلی غرض استحکام سلطنت پر مبنی تھی۔ یہاں آپ کے قتل ہونے سے سلطنت کے ارکان قوی اور ملک کے انتظام مستحکم تو کیا ہوتے الٹی تمام ملک میں بدنظمی اور بدامنی پھیل گئی اور عموماً تمام بڑے بڑے علاقوں، شہروں اور قصبوں میں سلطنت کی طرف سے عام نارضامندی۔ اور شکایت کے آثار قائم ہو گئے۔ یہ عام پرجوشی کچھ ایسے جلد زور پکڑتی گئی اور ترقی کرتی گئی کہ ایک ہی سال کے اندر بہت سے مشہور و معروف علاقوں میں یزید کی بیعت سے کھلی کھلی دست برداری ظاہر کر دی گئی۔ اُس کی اطاعت کے پھندے گردن سے نکال دیے گئے۔ رفتہ رفتہ اُن کی آزادی بے خوفی اور اختلاف کا یہانتک نتیجہ پہنچا کہ تمام لوگ علانیہ اپنے فرمانروائے عصر کو فاسق اور فاجر کہنے لگے اور اُسکی بیعت کو قطعی حرام

اور اُسکے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ کو اصلی جہاد سمجھنے لگے۔
ہماری کتاب کے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم اس سلسلہ کی تیسری جلد میں لکھ آئے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام مکہ سے کربلا کو تشریف لے گئے۔ عبداللہ ابن زبیر کی ہر طرح سے بن گئی، اور اب اُن کی حصولِ مدعا کے لیئے کوئی روک ٹوک نہیں رہی، جب تک یزید اور اُس کے ماتحت اراکین سلطنت امام علیہ السلام کے معاملات میں مصروف رہے۔ ابنِ زبیر کو حرمین کے لوگوں کے ساتھ سازش کرکے اپنے گوں گانٹھنے کا خوب موقعہ ہاتھ آیا۔ واقعات کربلا کے مصائب نے توان علاقوں میں عام شورش پھیلا ہی رکھی تھی۔ اُس پر عبداللہ ابن زبیر کی خودغرض اور اپنا کام نکالنے والی تقریر نے اچھی طرح نمک بر جراحت کا کام کیا، اور یہ ظاہری شورشیں قلبی سوزشیں ہوگئیں، جن سے قلوب ہل گئے۔ جگر پاش پاش ہوگئے اور لوگ بے چین ہو ہو کر اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور سلطنت یزید کی جکڑ بندیوں سے اپنی گلوخلاصی کرنے لگے۔
امام حسین علیہ السلام کی خبرِ شہادت پاکر ابن زبیر نے تمام مکہ کے لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر جاکر ایک خطبہ پڑھا، جس میں پہلے تو شہادت امام مظلوم علیہ السلام پر اپنا کمال افسوس وحسرت ظاہر کیا۔ بعدہ یزید کے مناقص اور معائب پوست کندہ بیان کیے اور اُس کو فاسق وفاجر ٹھہراکر تمام حاضرین کو اپنی بیعت کی بشارت پہنچائی۔ ان کی بیعت کا رنگ تو آج سال بھر قبل سے جم رہا تھا۔ مگر اب کامل اور گہرا ہوگیا۔ یزید کو ان ریشہ دوانیوں کی خبر تو معلوم ہو ہی چکی تھی۔ اور یزید کیا یزید کے باپ بھی ہمیشہ ابنِ زبیر کی چالوں سے خائف رہتے تھے۔ مگر اس خبر نے کہ مکہ میں عبداللہ ابن زبیر کی بیعت ہوگئی اور مدینہ والے بھی بہت جلد اُس کی بیعت کرنے پر تیار بیٹھے ہیں۔ یزید اور اُس کے ہواخواہوں کو سخت انتشار میں گرفتار کردیا۔ اس لیے یزید نے سات آدمیوں کا وفد جس میں نعمان ابن بشر الانصاری۔ عبداللہ ابن عضاۃ الاشعری اور مسلم ابنِ عقبہ المزنی بھی تھے، مکہ میں ابن زبیر کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ اسکو سمجھا بجھاکر بیعت یزید پر رضامند کرادے۔ یہ وفد اخیر سنہ ۶۰ھ میں مکہ ابنِ زبیر کے پاس پہنچا۔ اور اپنے حصولِ مقاصد میں جی توڑ کوششیں کیں، مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوا۔ یہ عبداللہ وہی تھا جس نے معاویہ کی نہ سُنی تو اب اس وقت یزید کی کیا سُنتا۔ بہت دنوں تک یہ

لوگ اِدھر اُدھر ڈورے ڈالتے رہے مگر شکار ہاتھ نہ آنا تھا نہ آیا۔ آخر کار یہ لوگ بے نیل مرام واپس شام ہوئے۔

۶۲ھ کا آغاز یزید اور ابن زبیر کے معاملات

۶۱ھ تمام ہوکر ۶۲ھ کا آغاز ہوا۔ ابن زبیر کے معاملات سے یزید تھوڑے دنوں تک خموش ہو بیٹھا۔ ادھر ابن زبیر نے اور پاؤں پھیلائے، اور اپنے حصول بعیت کے دست تمنا کو مکہ سے مدینہ تک پہنچایا۔ عام طبائع تو یزید سے خلاف ہو ہی رہی تھیں۔ سب نے اِس کے کہنے کو بہت جلد قبول کرلیا۔ مکّہ والے تو بالکل ان کے مطیع ہو ہی چکے تھے مدینہ میں بھی لوگ ان کی بعیت کو قبول کرنے لگے۔

اس میں شک نہیں کہ مکّہ سے مدینہ میں کسی قدر ابن زبیر کو اپنی کامیابیوں میں دقّت پیش آئی۔ کیونکہ مکّہ میں یزید کا کوئی معاون اور بہی خواہ نہیں تھا۔ لیکن مدینہ میں عبداللہ ابن عمر یزید کے بہت بڑے مشنری Missionary موجود تھے، اُنہوں نے ایک عرصہ تک عبداللہ ابن زبیر کی کوششوں کو کامیابی کی حد تک نہ پہنچنے دیا اور اہل مدینہ کو اپنے وعظ و نصائح سے یزید کے استقرار بعیت پر برانگیختہ کرتے رہے۔ چنانچہ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم اور جامع الاصول علامۂ جزری میں لکھا ہے وہو ہذا۔

عن نافع قال لما خلع اهل المدینة یزید ابن معاویة جمع ابن عمر حشمه وولده فقال انّی سمعت النبی صلے اللہ علیه و آله وسلم یقول ینصب لکلّ غادر لواءٌ یوم القیٰمة وانا قد بایعنا هٰذا الرّجل علی بیع الله و رسوله و انّی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع الله و رسوله ثمّ ینصب له القتال و انّی لا اعلم احدا منکم خلعه ولا تابع فی هٰذا الامر الّا کانت الفصل بینی و بینه۔

نافع سے مروی ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید ابن معاویہ کی بعیت توڑ دی تو حضرت ابن عمر نے اپنی اولاد اور وابستگان کو جمع کیا اور اُنکو ہدایت کی کہ سُنو۔ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سُنا ہے کہ ہر غادر کے لیے قیامت کے روز ایک علم نصب کیا جائیگا اور تم جانتے ہو کہ ہم نے یزید کی بعیت حسب اطاعت و اتباع خدا و رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اختیار کی ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس سے زیادہ کوئی غدر ہے کہ اس طرح جس شخص کے ہاتھ پر بعیت کی جائے پھر اُس شخص سے جنگ کیجائے

پس جو شخص یزید کی بیعت شکنی کریگا اور میرا کہنا نہ مانیگا میں اُس سے جدائی اختیار کروں گا۔
اُن کی یہی کوشش لگاتار واقعۂ حرّا تک قائم رہی جو عنقریب بیان ہوگا۔ مگر بایں ہمہ
ان کی جی توڑ کوششوں کے خلاف واقعۂ کربلا نے تمام مدینہ میں ایک عام پُر جوشی پھیلا دی۔
اور ابنِ زبیر بھی اپنی گوں گانٹھنے کی ضرورت سے پُر جوش اہلِ مدینہ کے ہمداستان
اور ہمزبان ہورہے تھے، اسی لیے ابن زبیر کی ہر طرح بن پڑی اور عبداللہ ابن عمر کی
کچھ نہ چلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ مدینہ نے عبداللہ کی بیعت اختیار کرلی۔ مگر عبداللہ ابن جعفر
عبداللہ ابن عباس اور محمد حنفیہ رضی اللہ عنہم نے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت نہ کی۔ روضۃ
الصفا۔ جلد سوم رص ۸۰۱ ۔ مطبوعہ بمبئی۔

یزید اور ابن زبیر۔ واقعۂ حرّا اور غارت مدینہ

یزید اور ابنِ زبیر کی اس کشاکش میں سالہ ھ بھی تمام ہوا اور اب سنہ ۶۳ھ کا آغاز ہوا
عبداللہ ابن زبیر کی حکومت خواہ مخواہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ یمن۔ حضرموت اور اُسکے مضافات
میں قائم ہوگئی۔ اور کوفہ میں بھی ان کی امارت کے تار پیڈ و دوڑنے لگے، اب تو یہ خبر سُنکر
یزید کے پیٹ میں چوہے کودنے لگے۔ عبداللہ ابن زبیر نے اپنے استحکام سلطنت کی
غرض سے تمام بنی اُمیّہ اور اُن کے عمال کو حرمین شریفین سے نکال دیا اور بذاتِ خاص
ان دونوں مقدس ممالک کے انتظامِ مُلکی کی طرف متوجہ ہوا۔

یزید یہ خبریں سُن سُنکر اپنے آپے میں نہ رہا۔ آخر کار اُس نے مکّہ و مدینہ پر چڑھائی کردی۔
اور ایک جرار فوج جس کی تعداد دس ہزار سے لیکر ۲۰ ہزار تک بتلائی جاتی ہے مسلم ابن عقبہ
اور حصین ابن نمیر السکونی کی ماتحتی میں روانہ کی۔ اور یہ تاکید کردی کہ پہلے ان
مقامات کی رعایا کو ہماری بیعت پر آمادہ کرنا۔ اگر وہ ہماری بیعت اور تمہاری نصیحت
نہ قبول کریں تو تین روز تک مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برابر لُوٹنا۔ پھر وہاں سے
مکہ جانا اور اُس کو بھی فتح کرنا۔ المختصر یہ لشکرِ گراں شام سے چلکر مدینہ میں داخل ہوا۔ اور
مدینہ میں پہنچکر مسلم نے اہلِ مدینہ سے کہا کہ تم لوگوں میں اتنی طاقت کہاں کہ یزید
سے مقابلہ و مقاتلہ میں سر بر ہوسکو۔ اس لیے مناسب ہے کہ اُن کی اطاعت اختیار
کرو۔ مسلم ابنِ عقبہ نے ہر چند کوشش کی مگر کچھ بھی مفید کارثابت نہ ہوئی۔ اِدھر
یزید نے عبداللہ ابن زیاد کو مکہ کی مہم پر بھیجنا چاہا۔ کیونکہ مسلم ابن عقبہ کی طرف سے

اُس کو پورا اطمینان نہیں تھا۔ ابن زیاد وقت پر گولی بچا گیا اور موقعہ سے ٹل گیا اُس نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں قتل حسین علیہ السلام کے معاصی پر قتال فی اہلبیت الکرام کے معائب کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ آخر کار یزید نے مکّہ کے معاملات کو مسلم ابن عقبہ اور حصین ابن نمیر ہی پر چھوڑ دیا۔ یزید نے چلتے وقت مسلم کو تاکید کردی تھی کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے حفظ مراتب اور تعظیم و تکریم کا ہر وقت خاص خیال رکھا جائے کیونکہ یہ امر مجھے بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ اس فساد میں اُن کی کسی قسم کی شرکت نہیں۔ اگرچہ مفسدان مدینہ اُن کی خدمت میں بھی گئے۔ مگر آپ نے کوئی اعتنا نہ فرمائی۔ اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں اپنی گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کی موجودہ حالتوں کو تمہاری معرکہ آرائیوں سے بہتر سمجھتا ہوں۔

واقعۂ حرّا اور غارت مدینہ۔ مسلم نے اہل مدینہ سے آغاز جنگ کردی۔ یہ جنگ تاریخوں میں واقعۂ حرّا کے نام سے مشہور ہے۔ ۲۸ ذی الحجہ ۶۴ھ ہجری کو صبح سے مقابلہ شروع ہوا۔ اہل مدینہ کے سردار عبد اللہ ابن مطیع۔ اور عبد اللہ ابن حنظلہ غسیل الملائکہ تھے۔ اہل مدینہ نے خندق کھود کر مخالف سے مقابلہ کی تیاری کردی فضل ابن عباس ابن ربیعہ ابن حارث ابن عبد المطلب اہل مدینہ کے علمدار لشکر تھے۔ دوپہر دن چڑھتے چڑھتے تک جانبین سے بازار حرب و ضرب خوب گرم ہوا۔ دلیران مدینہ نے پہلوانان شام کی تیغ زنی اور تیر بارانی کا کافی طور پر جواب دیا۔ جب عرصۂ قتال گرم ہوا اور آفتاب عالمتاب بھی اپنی پوری حرارت پر آگیا تو فضل ابن عباس اپنا گھوڑا بڑھا کر مسلم ابن عقبہ کے مقابلہ میں آیا مسلم اُس وقت اپنی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے اپنی صف میں نہیں تھا، اُسکی جگہ پر اُسکا غلام مصروف کار زار تھا فضل نے آتے ہی اُسپر حملہ کیا اور اُسکو مار گرایا۔ اور اُسنے اپنی دلیری اور ہمت کی پُرجوشیوں میں آکر اپنی ہمراہی فوج کو مخاطب کرکے ندا کی کہ ایہا النّاس میں نے تمہارے سخت ترین دشمن مسلم ابن عقبہ کو مار ڈالا۔ یہ سُنتے ہی مُسلم کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور وہ فوراً فضل کے مقابلہ میں آکر کہنے لگا۔ سبحان اللہ میں تو ابھی جیتا بیٹھا ہوں، تو نے مارا کس کو۔ المختصر دونوں میں مقابلہ ہوا۔ بالآخر مسلم نے فضل کو مار گرایا اور وہ راہی ملک بقا ہوا۔ فضل کے بعد عبد الرحمن ابن عوف کے بیٹے نے مقابلہ کیا۔ وہ بھی مارا گیا۔ اُس کے مارے جانے سے تمام اہل مدینہ کو سخت خوف و دہشت

لاحق حال ہوئی۔ اُن کے دل سست اور ارادے پست ہو گئے۔ سپاہ شام نے ان ہزیمت یافتہ مسلمانان مدینہ کا تعاقب کرتے ہوئے دروازۂ مدینہ تک پہنچا دیا۔ جب حنظلہ نے یہ کیفیت دیکھی تو اپنی دلیریوں کی پُرجوشیوں میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ گھوڑوں سے اُتر پڑا اور پیادہ پا ہو کر اُن سے مقابل ہوا مگر حقیقت تو یہ ہے کہ بگڑا کر کم بنتی ہے۔ اس میں بھی اُس کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اُس کے تینوں بیٹے پے در پے کام آئے۔ حنظلہ نے اپنے ساتھ محمد ابن اشعث ابن قیس الانصاری کو لیا اور یہ کہتا ہوا دشمن سے مقابل ہوا کہ بعد ان جوانوں کے میرا جینا بیکار ہے۔ آخر کار وہ بھی اور اُن کے ہمراہی محمد بھی مارے گئے۔

جب حنظلہ کے ایسا شریک پہلو سے اُٹھ گیا تو عبد اللہ ابن مطیع کے پائے استقامت میں بھی لغزش آ گئی اور یہ بھی آڑ پکڑ کر چل دیے اور نعمان ابن بشیر انصاری کی وہ پیشین گوئی جو پہلے ہی اُس نے عبد اللہ ابن مطیع کے منہہ پر کر دی تھی نہایت درست اور صحیح اُتری جیسا کہ تاریخ طبری کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ کہ نعمان نے عبد اللہ کے انکار بیعت کے جواب میں کہا کہ تم سے کچھ بھی نہ ہو گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ فوج یزید جب یہاں آ کر سب کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیگی تو تم تو مزے سے خچر پر چڑھ کر بھاگ نکلو گے اور یہ مساکین (انصار) گلیوں اور مسجدوں میں اور اپنے گھروں کے دروازوں پر قتل ہوں گے۔

غرض ایسا ہی ہوا۔ عبد اللہ ابن مطیع کے بھاگتے ہی تمام مدینہ والے بھاگ گئے۔ پھر کسی کا اُس میدان میں نام و نشان بھی نہیں رہا۔ اب تو مسلم ابن عقبہ کی ہر طرح سے بن پڑی۔ اور یزیدیوں کی مُنہ مانگی مراد بر آئی۔ مسلم ابن عقبہ ان مسلمانوں کے خون بہا کر داخل مدینہ ہوا۔ اور آتے ہی حکم یزید کی تعمیل میں سرگرم ہوا۔ شہر میں تین روز تک قتل عام رہا۔ پھر کیا تھا۔ مدینہ والوں کی گردنیں تھیں اور شام والوں کی تلواریں۔ اُن کے قتل و غارت کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ تمام اصحاب رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے گھروں سے نکل کر پہاڑوں میں اور جنگلوں اور غاروں میں پوشیدہ ہو گئے۔ ابو سعید خدری جو اکابر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں قتل ہوتے ہوتے بچ گئے۔ (عام طور سے عورات مدینہ سے زنا کیا گیا)، تاہم سات سو اکابر قریش جن میں قاریان قرآن کی ایک معتد بہ جماعت شامل تھی۔ قتل کیے گئے اور عام طور سے عورات مدینہ کے ساتھ زنا کیا گیا جن کے بطن سے نو سو زنا زادے پیدا ہوئے۔ دس ہزار غلام قتل کیے گئے۔ جب مسلم ابن عقبہ

خونریزی سے سیر ہو چکا تو اُسنے باقیماندہ لوگوں سے یزید کی بیعت۔ اُسکی غلامی اور تابعداری کی شرط پر لی۔ ابوالفدا۔ ص ۲۶۵۔ روضۃ الصفا جلد سوم ۱۵۷۔

تاریخ طبری میں یہ عبارت درج ہے۔ سپاہ مدینہ را ہزیمت شد و مسلم با ایشاں اندر مدینہ اُفتاد و مسلم منادی کرد و خون خواستہ اہل مدینہ را بر شامیاں حلال و سہ روز ہمی کشتند و یاران پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم از مدینہ بیرون شدند و ہر کسے بہ غارے پنہاں شد ابوسعید خدری بگریخت و اندر غارے پنہاں گشت۔ مردے از شامیاں از اندر در آمد کہ او را بکشد ابوسعید گفت قولہ تعالےٰ فی شانہ لئن بسطت الیّ یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لا قتلک انی اخاف اللہ رب العلمین یعنی جس طرح تم نے میرے قتل پر ہاتھ اُٹھایا ہے۔ اگر ہم بھی ایسا ہی ہاتھ اُٹھاتے، تو میں تمہیں قتل نہ کرتا کیونکہ میں اپنے خدائے رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ آں مرد گفت تو کیستی۔ گفت ابوسعید خدری یار پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آں مرد شمشیر را درنیام کرد و بازگردید و اندراں سہ شبانہ روز شامیاں چناں فساد کردند اندر مدینہ کہ ہرگز در اسلام و جاہلیت نکردہ بودند۔ پس مسلم مسجد در آمد و منادی کرد غارت کردن و کشتن برداشتم و بیعت کنید و ہر کس کہ نباید خونِ او حلال است۔ پس بیروں آمدند و ہر کس کہ گفتے بیعت کردم بر حکم کتاب و سنّتِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلم گفتے کہ بر حکمِ یزید۔ مروان گفت چنیں مگو زیرا کہ بیعت بر حکم کتاب و سنّت باید کرد۔ مسلم گفت۔ واللہ کہ از ہیچ کس بیعت نپذیرم مگر بر حکم یزید ابن معاویہ۔ طبری ۴۔ ص ۶۴۰۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی تاریخوں میں ان واقعات کے چہرے خاص طور پر ایسے تیرہ و تاریک نظر آتے ہیں جو کسی طرح دوسری قوم اور غیر مذہب والوں کی نکتہ چیں نظروں سے پوشیدہ نہیں رکھے جاسکتے۔ اور کیونکر ہو۔ مظالم اور پھر ایسے یہ تو نہ دنیا کے چھپائے سے چھپے ہیں اور نہ چھپ سکتے ہیں۔

بہرحال ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ جناب امام زین العابدین علیہ السّلام نے واقعۂ کربلا کے بعد ہی سے ایسی قطعی گوشہ نشینی اور عزلت گزینی اختیار فرمائی کہ سب سے ملنا جُلنا بھی ترک کردیا۔ مسلم ابن عقبہ نے اپنی کامیابی کے بعد جہاں تمام اشراف اور عمائد مدینہ کو بُلایا وہاں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

کو بھی۔ آپ تشریف لے گئے۔ اُس نے کسی قسم کا کوئی تعرض یا مواخذہ آپ سے نہ
کیا۔ یہاں تک کہ بیعت یزید کے لیے بھی آپ کو ناحق تکلیف نہ دی بلکہ اُن لوگوں سے
برخلاف نہایت ادب و تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ ہم اس واقعہ کو تاریخ کبیر طبری کے
اُردو ترجمہ سے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ کو واقعہ حرّا کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ کہ ابن مطیع بھاگ گئے، اور فوج یزید
نے قتل عام کے سوا اہلِ مدینہ پر وہ ظلم کیئے کہ ان شرمناک واقعات کی وجہ سے اسلامی
تاریخ کا یہ حصّہ دیکھنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ ادنےٰ ظلم یہ تھا کہ سپہ سالار یزید جس کا
نام مسلم ابن عقبہ تھا۔ اس اقرار کے ساتھ اہلِ بیعت سے بیعت لیتا تھا کہ ہم یزید کے
مملوک اور غلام ہیں اور جس نے یہ اقرار نہ کیا اُس کو قتل کیا۔ مگر خدا کی شان مسلم ابن عقبہ نے
حضرت علی ابن الحسینؑ کو اس تکلیف سے باز رکھا۔ جب وہ اس سفاک کے سامنے پیش
کیے گئے تو اُس نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام
یہ سنتے ہی مسلم ابن عقبہ نے مرحبا و اہلاً کہکر اُن کو اپنے برابر مسند پر بٹھا لیا اور کہا کہ امیر المومنین
یزید نے مجھ سے آپ کے بارے میں ہدایت کی ہے۔ اور یہ افسوس ظاہر کیا ہے کہ ان خبیثوں
کی شورش کی وجہ سے اُن کو آپ کی خبر گیری کا موقع نہیں ملا۔ بعد ازاں کہا کہ آپ کی اہلبیت
علیہم السلام گھبرا رہے ہونگے۔ پھر اُسی وقت اپنے گھوڑے پر سوار کر کے بتعظیم و تکریم آپکو
رخصت کیا۔

امام مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام جب
مسلم ابن عقبہ کے روبرو لائے گئے تو زیرِ لب یہ دعا فرماتے تھے اللّٰھمّ ربّ السمٰوٰت
السبع وما اظللن والارضین السبع وما اقللن ربّ العرش العظیم ربّ
محمد و آلہ الطاہرین اعوذ بک من شرّہ و ادرأ بک فی نحرہ اسئلک ان تؤتینی
خیرہ وتکفینی شرہ صاحب روضۃ الصفا اس واقعہ کو اس عبارت میں لکھتے ہیں:۔

چوں مسلم ابن عقبہ از قتل و نہب و بیعت اہلِ مدینہ خاطر خواہ فارغ گردید حضرت امام
زین العابدین علیہ السلام را طلب داشت۔ آنحضرت علیہ السلام حاضر گشتہ مسلم او را بہ تبجیل
و تعظیم نمودہ با دے در یک فراش نشست و گفت امیر ترا سلام میرساند و میگوید
کہ نیکو کردی کہ از اہلِ فتنہ اجتناب و احتراز نمودی و یقین بدانکہ جزائے عمل تو نزدِ

ن ضائع نخواہد شد۔ امام علیہ السلام گفت کہ انی کنت لما فعل ھذا المدینۃ کارھا
چوں آنجناب قصد رفتن نمود مسلم رکاب اشتر او را گرفتہ تا سوار شد۔ روضۃ الصفا جلد ۳
ص ۱۸ بمبئی۔

صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ اس بیگناہ خونریزی کی وجہ سے مسلم ابن عقبہ کو عرب میں لوگ مُسْرِف کے نام سے پکارتے تھے کیونکہ اُس نے اس قتل عام میں سخت اسراف سے کام لیا تھا۔ المختصر مسلم ابن عقبہ کی بیماری ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں۔ مدینہ پہنچکر اُس کی طبیعت اور بیمار ہوگئی اور اُسکا مرض یوماً فیوماً بڑھتا گیا۔ اس لیے اُسنے یزید کے حکم کے مطابق ابن نمیر کو بُلا کر مقابلۂ ابن زبیر اور تسخیر بیت الحرام کے متعلق پورے طور پر ہدایت کردی اور یہ بھی تاکید کردی کہ خانۂ مقدس کعبہ کی حُرمت کا کوئی خیال نہ کیا جائے۔ اور منجنیقیں نصب کر کے جہاں تک ہوسکے اس شہر اور شہر کے رہنے والوں کو اپنے قبضہ میں لانا اور ابن زبیر کے تمام انتظام کو درہم و برہم کرنا ضروری اور لازمی ہے کیونکہ (معاذاللہ) امیر وقت کی اطاعت خانۂ کعبہ کی حرمت سے کہیں زائد ہے +

تسخیر شہر مکہ اور غارتِ خانہ کعبہ

مسلم ابن عقبہ مر گیا حصین ابن نمیر پوری تیاریوں کے ساتھ مکہ میں پہنچ گیا۔ جب ابن زبیر کو سپاہ شام کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تیار ہو گیا۔ میمنۂ لشکر اپنے بھائی منذر ابن زبیر کے سپرد کیا اور مسود ابن مخرمہ کو میسرہ پر مقرر کیا۔ جانبین سے مقابلہ ہوا اور لڑائی کا بازار گرم ہوا، اور موت کی عین گرم بازاری میں منذر ابن زبیر مارا گیا۔ اور سپاہِ شام نے غلبہ کر کے اہل مکہ کو کامل شکست پہنچائی۔ ابن زبیر شہر میں بھاگ گیا۔ حصین نے اپنی فوج کو کوہِ ابوقبیس پر چڑھا دیا۔ اور مسجد الحرام اور خانہ کعبہ پر زد رکھکر منجنیقیں پھینکنے لگے۔ جس سے بہت سے اہل شہر زخمی اور بیکار ہو گئے۔ یہ محاصرہ صفر کے مہینے سے شروع ہوا اور آخر ربیع الاولی تک اسی طرح قائم رہا۔ جب اہلِ شام پتھر پھینکتے پھینکتے تھک گئے تو اُنھوں نے اسی منجنیق میں گندھک اور روئی میں آگ لگا کر پھینکنی شروع کردی جس کی وجہ سے خانۂ کعبہ کے پردے میں آگ لگ گئی اور وہ بالکل جلکر خاک سیاہ ہو گیا اور کبش اسمٰعیل

کے سنگ جو اُس وقت تک خانۂ کعبہ کے اندر آویزاں تھے جل گئے۔ اِن کے علاوہ اور دوسری چیزیں بھی زائل ہوگئیں۔ ابھی اِس محاصرہ کی یہی کیفیت تھی کہ دمشق میں یزید مرگیا۔ اب تو ابنِ زبیر کی ہر طرف سے بن آئی۔ حصین ابنِ نمیر کے لشکر میں سخت انتشار پیدا ہوا۔ اور اُس نے کسی طرح اپنے قیام کو مکّہ میں مناسب نہ سمجھا اور مکّہ سے شام کی طرف کوچ کی تیاری کر دی۔ چلتے وقت اُس نے عبداللہ ابنِ زبیر کو مسجد میں بُلایا اور اُس کو یہ دوستانہ صلاح دی کہ یزید تو مرگیا ہم اور ہمارے تمام لشکر کے لوگ تمہاری بعیت کرتے ہیں مگر تم ہمارے ساتھ دمشق چلے چلو۔ ہم تم کو شام کے سریر امارت پر بٹھلائے دیتے ہیں، اُس نے جواب دیا کہ تا وقتیکہ کل اہلِ شام سے اہل مدینہ و مکّہ کا پورا قصاص ہم نہ لے لینگے ہم کوئی کام نہ کرینگے۔ حصین ابن نمیر ابن زبیر کی کوتاہ فہمی کو سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ تجھ کو جو صاحب عقل و فہم سمجھے وہ خود بیوقوف ہے، ہم تو تجھے کو صلاح نیک دیتے ہیں اور تو ہمیں دھمکاتا ہے۔ ہم تو تجھے حصول سلطنت کی نوید دیتے ہیں اور تو ہم سے قصاص طلب کرتا ہے۔

مکہ و مدینہ میں ابن زبیر کا تسلط

چونکہ عبداللہ ابن زبیر کو پوری تیس برس کی جی توڑ کوششوں کے بعد تھوڑے دنوں تک امارت کا مزا ضرور ملنے والا تھا اس لیے یہ دو مہینے کی آئی ہوئی بلا سر سے ٹلگئی حصین تو شام کا لشکر لیکر واپس گیا اور عبداللہ نے اپنی ہزیمت یافتہ جمعیت کو ادھر اُدھر سے پھر جمع کر لیا اور شہر مکّہ پر پھر اُسی طرح مسلّط ہوگیا۔

مکّہ کا تو یہ حال ہوا۔ مدینہ کی یہ کیفیت گزری کہ یزید کی خبر پاتے ہی اہل مدینہ نے مسلم ابن عقبہ کے مقرر کردہ امیر کو شہر سے نکال باہر کیا اور جتنے بنی اُمیہ تھے اُنکو قتل کر دیا۔

یزید کے بعد ملک شام میں فساد اور بدامنی

صاحب روضۃ الصفا لکھتے تھے چوں یزید ابن معاویہ در ربیع الاوّل سنہ اربعین و ستین[۶۴] جاں بمالک دوزخ سپرد مردم شام پسر او معاویہ را بر تخت حکومت نشاندند واو بعد از دو چہل روز زندہ بود و بعضے یک ماہ گفتہ در چہل روزے از سلطنت معاویہ در گزشت باستحضار کابر و اشراف دمشق خرداں خادو بایشاں گفت کہ من از عہدۂ خلافت بیروں

نمی توانم آمد و ایں مہم زیادہ از حوصلۂ من است و من نمی خواستم کہ از برائے شما خلیفہ تعیین کنم چنانچہ ابوبکر عمر را نصب کردہ۔ اما مثل عمر ہیچکس را نیافتم باز گردم کہ ایں کار را بہ شورائے حوالہ کنم چنانچہ عمر حوالہ کردہ ایضاً نیز بنا بر عدم صلاحیت خلق در حیز تاخیر و تعویق ماند اکنوں شما اختیار دارید ہر کرا خواہید بخلافت تعین فرمائید۔ معارف شام گفتند ہر کس راکہ تو خلیفہ سازی بیعت او خواہیم نمود۔ معاویہ گفت۔ من حلاوت خلافت شمارا نا یافتہ چگونہ متقلد ورزم، و گناہ آں کردم و بروائے گفت حرارت ترک خلافت ادراک کردہ حلاوت آں را بہ بنی امیہ رہا کنم۔ بعد ازاں کنج عافیت اختیار کردہ از منزل خود بیروں نیامد۔

صواعق محرقہ میں اس کی تخت نشینی کی کیفیت یوں لکھی ہے :-

وکانت سلطنت یزید سنۃ ستین ومات فی اوّل سنۃ اربع وستّین وان معاویۃ ابن یزید ابن معٰویۃ لمّا ولی العھد صعد المنبر فقال ان ھٰذہ الخلافۃ حبل اللہ تعالیٰ وانّ جدّی معویۃ نازع الامر اھلہ ومن ھو احق بہ منہ علی ابن ابیطالب علیہ السّلام ورکب بکم ما تعلمون حتّیٰ مات میتۃ فصار فی قبرہ رھینا بذنوبہ ثمّ قلّد ابی الامر وکان غیر اھلہ ونازع ابن بنت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فقصفت عمرہ وابتر عقبہ وصار فی قبرہ رھینا بذنوبہ ثمّ بکیٰ وقال من اعظم الامور خسارۃ علینا علمنا بسوء مصرعہ وبئس منقلبہ وقد قتل عترۃ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم واباح الخمر وخرّب الکعبہ ولم اذق حلاوۃ الخلافۃ فلا اذوق مرارتھا ولا اتقلدھا فشانکم فی امرکم واللہ لئن کانت الدّنیا خیرا فقد قلنا منھا حظا منھا وان کانت شرّا فکفی ذرّیۃ ابی سفیان ما اصابوا منھا ثم غاب ثلٰثۃ اشھر مات من احد عشرین وقیل عشرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

سلطنت یزید کی ابتدا ۶۰ھ ہجری اور اُسکی موت شروع ۶۴ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا معاویہ ابن یزید ابن معاویہ اُس کا ولیعہد اور وارث ہوا منبر پر گیا اور بیان کیا کہ خلافت حبل اللہ ہے اور حقیقت میں ہمارے دادا نے اس خلافت کی اصلی حقدار کے ساتھ نزاع کی اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اس کے لیے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اور تم لوگ اس کی نسبت جانتے ہو پس اُسکی موت آگئی اور وہ قبر

میں اپنے گناہوں کے عوض میں گرفتار ہے۔ بس اُس کے بعد میرے باپ نے یہ امر اختیار کیا اور وہ بھی اس کے لیے کسی طرح اہل نہیں تھا، اور اُس نے بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرزند کے ساتھ نزاع کی اور اُن کے رشتۂ حیات کو منقطع کر دیا اور اُنکی تمام اعقاب و اخلاف کو مستاصل کر دیا اور وہ بھی اپنی قبر میں مبتلائے عذاب ہے۔ اور کہنے لگا اب اس سے سوا ہماری خسارت کا اور کون امر ہوگا اور اُسکی پاداشس اور بُری سزا سے بڑھکر اور کس کی سزا ہوگی۔ کیونکہ اُس نے عترت جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کیا۔ اور شراب کو مباح کیا اور خانہ خدا کو خراب کیا۔ اور پھر اس خلافت کا کوئی مزہ بھی نہیں اُٹھایا۔ پس ہم اس میں سے کوئی حصہ نہیں لینگے۔ اور اِس کام کو ہم نہیں اختیار کرینگے تمہاری جس کام میں خرابی ہے۔ قسم خدا کی اگر تمام دُنیا سراپا خیر ہو جائے تاہم اُنکی خطاؤں کا معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تمام دُنیا شر ہو جائے تاہم وہ آلِ ابو سفیان کی ان تکلیفوں میں جسے وہ اُٹھا رہے ہیں کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ یہ کہکر وہ محل میں چلا گیا اور بعد اسکے مر گیا۔ اُسکا سن بیس برس کا تھا بعضوں نے اکیس برس بھی لکھے ہیں اس کی مدت حکومت کو بعض نے چالیس دن اور بعض نے تین مہینے لکھا ہے۔

دمشق میں بدامنی۔ معاویہ ابن یزید کے بعد ممالک شام کے امور ملکی میں بالکل بدامنی اور بے آئینی پھیل گئی، اور جو اسباب کہ محمد شاہ رنگیلے کے بعد سلطنت دہلی کی خرابی کے ہوئے وہی آثار ملک شام کی بربادی کے لیے بھی اس البیلے بادشاہ کے بعد ظاہر ہوئے۔ عبداللہ ابن زیاد اور یزید سے اخیر وقت میں کشیدگی ہو گئی تھی اور اس سوء مزاجی کی وجہ یہ ہوئی کہ یزید ابن زیاد کو ابن زبیر کے خلاف میں مہم کعبہ پر بھیجنا چاہتا تھا لیکن وہ بیماری کا بہانہ کر کے بیٹھ رہا۔ یزید کو بہت بُرا معلوم ہوا۔

ابن زیاد کے ایکبارگی ایسے انکار صاف سے سخت تعجب ہوتا ہے۔ کہاں تو وہ یزید کے پسینہ پر اپنا خون گرانے کو موجود تھا۔ کہاں ایسی دست برداری اور بے سروکاری اسکا اصلی باعث یہ تھا کہ قتل امام حسین علیہ السلام کے بعد جب چاروں طرف سے تیر ملامت کا رُخ یزید کی طرف ہوا تو اُس کو ملک کی بدامنی۔ عام فتنہ و فساد اور اپنے انتزاع سلطنت کا مزید خوف ہوا اس لیے یزید نے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ایک خاص انجمن میں عام طور سے اس

امر کا اعلان کر دیا کہ قتل امام حسین علیہ السلام پر میں ہرگز راضی نہیں تھا۔ ابن زیاد نے بغیر میری مشورت کے نہایت عجلت سے اس کام کو تمام کر دیا۔ ابن زیاد کو یزید کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا۔ اسی وقت سے وہ یزید کے معاملات سے دست بردار ہو گیا اور اس کے خلاف اپنی خود غرضی کی فکریں کرنے لگا۔ یہانتک کہ یزید مر گیا اور انکی خود غرضی اور حصول مقاصد کے دروازے کھل گئے۔

ابن زیاد۔ یزید کے مرنے کے وقت۔ بصرے کے قصر امارت کی تعمیر میں مصروف تھا اگرچہ یہ شاہانہ عمارت تمام ہو چکی تھی مگر ان کے شاخ در شاخ ارادوں اور حوصلوں نے اسکی تکمیل کا ہتما مہ حکم نہیں لگایا تھا +

یہ تو بصرہ کی حالت تھی، کوفہ میں ان کی طرف سے ایک دوسرا شخص نیابت میں کام کرتا تھا۔ بصرہ میں بدامنی۔ جب یزید کے مرنے کی خبر ان کو پہنچی تو انہوں نے اہل بصرہ کو سمجھا بجھا کر اپنا مطیع اور حلقہ بگوش بنا لیا۔ جب بصرہ والے ان کے مطیع ہو گئے تو اپنے انہیں معتمدین میں سے دو شخصوں کو سفارت کے طور پر اہل کوفہ کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اہل بصرہ نے میری بیعت کر لی ہے۔ اب تم لوگ بھی ہماری امارت تسلیم کر لو اور ہماری متابعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لو۔ جب یہ دونوں قاصد کوفہ پہنچے تو ابن زیاد کی امیدوں کے خلاف معاملہ برعکس ہوا۔ یہ دونوں قاصد جب کوفہ میں آئے اور اہل کوفہ جمع ہوئے تو قاصدوں نے اپنی رسالت کے احکام ان کو سنائے۔ حارث ابن یزید الشیبانی جو بزرگان کوفہ کے مشاہیر میں شمار ہوتے تھے کہنے لگے کہ الحمد للہ اب ہم لوگوں کو ابن مرجانہ کی متابعت سے نجات ملی۔ یہ کہکر اس نے ان قاصدوں سے مخاطب ہو کر کہا انحن نبایعہ لا ولا کرامہ ولا سمعا ولا طاعۃ پھر ایک مشت سنگریزہ اٹھا کر ان پر پھینکے اسکے پھینکتے ہی چاروں طرف سے قاصدان ابن زیاد پر پتھروں کی بوچھار ہونے لگی۔ وہ دونوں پتھروں کی مار کھا کر اسی وقت کوفہ سے چلدیے اور اس کی بیعت کو توڑ کر اپنے اپنے گھر بیٹھ رہے۔ ابن زیاد یکایک عجیب کشمکش میں گرفتار ہو گیا۔ اسکا تو سونے کا گھر بنا بنایا بگڑ گیا۔ اس نے ان کے مطیع کرنے میں لاکھ چالوں سے کام لیا۔ مگر اسکی کوئی چال مفید کامد نہ ہوئی۔ آخر ہر طرف سے مجبور ہو کر اس نے بیت المال بصرہ میں جو کچھ تھا لے دے کر کوچ کی ٹھہرائی۔ رات کی وقت شہر سے نکلا اور قبیلہ ازد میں آکر پناہ لی۔ ابن زیاد کے

چلے جانے کے بعد بصرہ والوں نے عبداللہ ابن حارث کو امیر بنایا۔ اور اُس سے کہہ دیا کہ چونکہ بدامنی کا زمانہ ہے اس واسطے محافظت شہر کے لیے ہم تم کو امیر بناتے ہیں ورنہ ملک کا انتظام ہم آپ کر لینگے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ ابن حارث اس وقت بصرہ کا برائے نام حاکم تھا۔ اُس کا شہر یا اہل شہر پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ اُس کی امارت یہی تھی کہ جمعہ کے دن مسجد میں جاکر امام بنتا تھا اور نماز پڑھا دیا کرتا تھا۔

کوفہ میں بدامنی۔ اسی طرح اہلِ کوفہ نے بھی عامر ابن مسعود کو اپنا امیر مقرر کرلیا اس بدامنی اور عام فتنہ و فساد کے زمانہ میں عبداللہ ابن زبیر کی خوب چل گئی۔ اُس کا تسلط حرمین شریفین پر تو ہو ہی چکا تھا۔ یزید کے مرتے ہی اُسکی کامیابی کے دروازے کھل گئے۔ یہاں تک کہ اہل شام کے قلوب بھی عبداللہ ابن زبیر کی طرف رجوع ہونے لگے۔ اور ضحاک ابن قیس الفہری۔ زفر ابن الحارث اور نعمان ابن بشیر الانصاری جو سلطنتِ شام کے اعظم ترین ارکان مشہور تھے۔ عبداللہ ابن زبیر کی بیعت میں آگئے، اور یہی لوگ اہلِ شام کو ابن زبیر کی متابعت کی ترغیب دینے لگے اور قریب قریب تمام اہلِ شام ابنِ زبیر کی طرف متوجہ ہو چلے تھے کہ یکایک ابن زیاد نے بصرہ سے شام پہنچکر ان معاملات میں ایک خاص تغیر پیدا کر دیا۔ اور ابنِ زبیر کی جگہ مروان کی حکومت جو کبھی سوتے جاگتے کسی کے خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ قائم کر دی۔ جس کی تفصیل عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان میں آئے گی۔

بصرہ سے شام کی طرف ابن زیاد کی گریز

ابن زیاد پر کیا گزری۔ یہاں تک اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ابن زیاد بیت المال بصرہ کی تمام و کمال رقم لے دے کر راتوں رات چلتا ہوا۔ بصرہ سے چلکر یہ قبیلۂ ازد میں پناہ گزیں ہوا۔ ازدیوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور ایک شبانہ روز اس کو اپنے مکان میں پوشیدہ رکھا اور اپنے قبیلہ کے ایک معتمد اور معتبر آدمی کے ہمراہ اس کو شام کی طرف روانہ کر دیا۔ اِدھر بصرہ والوں کو جب اِس کے بھاگ جانے کا حال معلوم ہوا تو اُنہوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اور اسکا سُراغ لگانے کے لیے اپنے آدمی ادھر اُدھر بھیجے۔ ان جاسوسوں میں سے ایک آدمی تو بالکل اس کے سر ہی پر پہنچ گیا تھا۔ مگر اُس ازدی کی ہوشیاریوں نے ابنِ زیاد کی جان بچا لی۔ وہ اس طرح کہ ابن زیاد جب گھبراہٹ میں

یکہ و تنہا نکل پڑا تھا وہ ظاہر ہے۔ اُس کے تمام عزیز و اقارب و اسباب و اموال بصرہ میں پڑا تھا وہ خود بیک بینی و دو گوش بصرہ سے شام تک کی مسافت طے کر رہا تھا۔ اور ایسی حالت میں کہ قدم قدم پر لوٹے جانے اور قتل کیے جانے کا خوف دل سے لگا ہوا تھا اُس ازدی کا بیان ہے کہ میں نے ابن زیاد کو سر نہوڑائے ہوئے دیکھکر سمجھا کہ یہ شاید سو رہا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ یہ سونے کا وقت نہیں ہے بلکہ ہوشیار اور بیدار رہنے کا۔ ابن زیاد نے جواب دیا کہ میں سوتا نہیں بلکہ کچھ سوچتا ہوں۔ ازدی نے کہا تو تین امور کی طرف سوچ رہا ہے۔ اوّل تو قتل جناب امام حسین علیہ السلام کی طرف سے انتہا درجہ کا پریشان ہے۔ دوسرے قصر ابیض کے چھوٹنے کا بھی تجھ کو سخت کوفت ہے۔ کیونکہ تو نے اُس میں لاکھوں روپیہ لگایا اور کوئی لطف نہ اُٹھایا۔ تیسرے قتل خوارج کی طرف سے بھی تجھے اندیشے لگے ہیں۔ کیونکہ آخر وہ بھی تو مسلمان تھے۔ اُن سب کا خون بھی تو تیری ہی سر جائیگا ابن زیاد نے جواب دیا کہ نہیں۔ ان امور میں سے کسی امر کا مجھے خیال نہیں ہے۔ قتل امام حسین علیہ السلام کی طرف میرا یہ عقیدہ ہے کہ اُنہوں نے (معاذاللہ) امیر وقت پر خروج کیا۔ یزید نے اُن کے قتل کا مجھے حکم دیا۔ میں نے اُس کے حکم کی تعمیل کی۔ اب اگر قتل امام حسین علیہ السلام کے لیے میں ماخوذ کیا جاؤں گا تو میرے ساتھ یزید بھی ضرور ماخوذ ہوگا قصر ابیض کے چھٹنے کا بھی مجھے کوئی افسوس نہیں، کیونکہ وہ عمارت میری ملکیت نہیں بلکہ اُس کی تعمیر یزید کے حکم اور مال سے ہوئی ہے اور وہ اُسی کا مال ہے۔ پھر مجھ کو اُسکی کیا فکر ہے۔ اب رہا قتل خوارج۔ اس کی بھی مجھے کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ وہ یہ فرقہ ہے جسپر اُس شخص نے تلوار کھینچی ہے جو مجھ سے کہیں بدرجہا بہتر ہے۔ مجھ سے قبل امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اس فرقہ کا استیصال فرما لیا ہے۔ تب اُنکے بعد میں نے تلوار کھینچی ہے۔ ایسی حالت میں مجھ کو کوئی الزام دے نہیں سکتا۔

اتنا سُنکر اُس مرد ازدی نے کہا کہ خیر۔ میرا ہی قیاس غلط تھا۔ اب تم خود کہو کہ تم کن خیالوں میں غلطاں و پیچاں ہو۔ ابن زیاد نے جواب دیا کہ امر واقعی تو یوں ہے کہ میں ملک شام کے معاملات کے خیالوں میں محو ہوں۔ اگر اہلِ شام نے کسی کی بیعت کر لی ہی اور اپنا امیر کسی کو تسلیم کر لیا ہے تو میں بھی ضرور اُسی کو اپنا امیر وقت تسلیم کرونگا اور اگر اُنہوں نے اسوقت تک کسی کی بیعت نہیں کی ہے تو پھر میں جس کو چاہونگا اُس کو امیر

بنا دوں گا۔ اور اُسی کی بیعت تمام اہلِ شام سے کرا دوں گا۔ کیونکہ میں اہلِ شام سے خوب واقف ہوں۔ اُن کی مثال بھیڑ کے گلّے کی ہے۔ جس طرف جی چاہے اُنکو ہانک لیجائیے

مروان اور ابن زیاد کی گفتگو۔ الغرض ابن زیاد کسی نہ کسی طرح شام میں داخل ہوا۔ اُس وقت اہلِ شام میں دو فرقے ہو رہے تھے۔ ایک فرقہ کے لوگ تو عبداللہ ابن زبیر کی طرف مائل تھے۔ دوسرے لوگ خالد ابن یزید کی حکومت چاہتے تھے۔ ابن زیاد نے جاتے ہی ان دونوں گروہوں سے اپنا جوڑ توڑ لگایا اور دونوں کے مابین منصف ہو کر اُن کے مدّعائے دلی کو سننے لگا۔ خالد ابن یزید کے طرفداروں نے کہا سلطنت بنی اُمیہ کا حق ہے۔ اس لیے اُس کو سلسلۂ اموّیہ سے باہر نہ جانا چاہئے عبداللہ ابن زبیر کے ہواخواہوں نے جواب دیا کہ ابن زبیر اس وقت اکابر قریش میں داخل ہے اور چند ممالک اسلامی پر اُسکا تسلّط بھی قوی طریقوں سے ہو چکا ہے۔ ان دلیلوں سے امارت کے لیے اُس کے استحقاق خالد کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط اور پُرزور ہیں۔

ابن زیاد نے ابھی اس مسئلہ متنازع فیہ کا کوئی تصفیہ نہیں کیا تھا کہ حصین ابن نمیر بھی اپنے علاقہ پر سے آگیا۔ اور اُس نے اہلِ شام کو ابن زبیر کی طرف سے یہ کہکر بالکل پھیر دیا کہ میں تو ابھی مکہ سے آ رہا ہوں اور عبداللہ ابن زبیر سے ملتا آ رہا ہوں وہ حکومت و امارت کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتا۔ اب اور سُنیئے۔ خالد ابن یزید کو حسان ابن مالک نے اپنے علاقہ اُردُن پر بُلا لیا۔ شہرِ دمشق طائف الملوکی کے چوگان بازوں کے لیے بالکل خالی ہو گیا مروان جو بنی اُمیہ کے اکابر اشیاخ میں تھے اس موقع پر موجود تھے۔ اہلِ شام کو خالد کی صغرسنی کا عذر دکھلا کر ابن زبیر کی طرف دعوت کرنے لگے۔ ابن زیاد یہ رنگ دیکھکر بہت گھبرایا وہ کسی طرح امر خلافت بنی اُمیہ میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اسلیے اُس نے خالد کی تخت نشینی کے مسئلہ کو شروع ہی سے کاٹنا شروع کر دیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم مکہ کی سرداری قبول نہ کرنے سے وہ یزید کا خادم اور مطیع رہا تھا اور نہ یزید اُس کا حاکم رہا تھا اور نہ مخدوم۔ اسکی خود غرض طبیعت۔ یزید کے خلاف ابن زبیر کا رنگ بھی تو نہیں جمنے دیتی تھی۔ کیونکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ ابن زبیر کی سلطنت کا استحکام بغیر امام علیہ السلام کے انتقام کے نہیں ہو سکتا۔ اور جب انتقام کا نام لیا جائے گا تو سب سے پہلے میری ہی گردن اُڑائی جائیگی

انہیں خیالوں سے نہ وہ یزید کا طرفدار ہو سکتا تھا اور نہ ابن زبیر کا ہوا خواہ۔ استغفر اللہ۔
ابن زیاد اُسوقت عجیب کشمکش میں تھا۔ مگر تاہم اُس کی خود غرض طبیعت نے اپنی کامیابی
کے لیے راہ بنا ہی چھوڑی، وہ اس طرح کہ اُس نے ہر طرف سے مجبور ہو کر مروان کو
ایک دن اپنی خلوت میں بُلایا۔ اور اس کو سمجھایا کہ یہ تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ابن زبیر
کی متابعت کا دم بھر رہے ہو۔ تم نہیں جانتے ہو کہ ابن زبیر وہی شخص ہے جس نے
اہلِ کوفہ کو عثمان کے خلاف اُبھارا۔ اور اُن کے قتل کا باعث ہوا۔ اور تم اُن کی محافظت
اور مدافعت میں زخمی ہوئے جس زخم کا نشان ابھی تک تمہاری گردن پر باقی ہے۔ ایسی
حالت میں تم کو اُس کے ساتھ رہکر کسی قسم کے فائدے کی اُمید کرنا محض فضول ہے
مروان نے جواب دیا کہ اچھا پھر کیا کروں۔ خالد ابن یزید محض کم سن ہے، اگر کاروبارِ ملکی
اُسکے سپرد ہوئے تو لہو و لعب میں سراپا مشغول ہو جائیگا اور سلطنت کی کاروبار خراب ہو جائیگی
ابن زیاد بولا یہ تو سچ کہتے ہو، علاوہ ان باتوں کے جو تم نے سوچی ہیں اس امر پر بھی غور کرو
کہ خالد بھی ایک دن جوان ہو کر وہی باپ کا رنگ پکڑے گا، اور یزید کی طرح جھوٹا۔ بے وفا۔
اور بدعہد ہو جائیگا، تم کو معلوم نہیں کہ یزید نے قتل امام حسین علیہ السلام کی نسبت مجھکو
پچاس خط لکھے تھے جب میں نے اُس کے حکم کی تعمیل کر دی تو وہ اُلٹا مجھی کو
الزام دینے لگا، اور کہنے لگا کہ ابن زیاد نے بغیر میری اجازت کے جناب امام حسینؑ
کو شہید کیا۔ یزید کی مثال بالکل شیطان کی ہے، جیسا کہ حق سبحانہ تعالےٰ و تبارک قرآن شریف
میں فرماتا ہے وقال الشیطان للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٓ منک
انی اخاف اللہ رب العلمین شیطان کی خاصیت میں داخل ہے کہ انسان سے معصیت
کرنے کو کہتا ہے۔ جب انسان کر چکتا ہے تو شیطان کہنے لگتا ہے کہ جو کچھ اس نے کیا میں
اس سے بری ہوں کیونکہ میں تو اپنے خدائے رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔
مروان بولا یہ سب طومار جانے دے۔ اب تیری تجویز میں کس کو امیر ہونا چاہیئے۔ ابن زیاد نے
چھوٹتے ہی مُنہہ کہا تجھ کو۔ کیونکہ اسوقت تجھ سے بڑھکر کوئی دوسرا شخص بزرگ نہ قبیلۂ قریش
میں ہے نہ بنی اُمیّہ میں، مروان بولا۔ تو مجھ سے استہزا کرتا ہے ابن زیاد نے کہا حاشا و
کلا۔ آپ میرے باپ کی برابر ہیں۔ میں آپ سے ہنسونگا۔ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں۔ میں ابھی
ابھی آپ کی بیعت کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ مروان بولا کہ اگر یہی مرکوزِ خاطر ہے تو پہلے

اہلِ شام کو اپنی تجویز پر متفق کر لو۔ ابن زیاد نے کہا بہتر۔

مروان ابن الحکم کی حکومت

بہرحال ابن زیاد نے تو سالہا سال سے اہلِ شام کے قلوب پر پورا پورا تسلط کر رکھا تھا۔ اور کیوں نہ رکھتا۔ تاریخ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ معاویہ کی سلطنت۔ عراق۔ شام اور اُس کے مضافات میں زیاد اور اُسکے بیٹوں کی جمائی ہوئی تھی، وہ کون تھا جو اُس کے دائرۂ فرمان سے باہر تھا۔ یزید کی بے آئینی اور بے عنوانی کے مقابلہ میں اُسکے تختِ سلطنت کو کون سنبھالے تھا۔ وہ یہی ابنِ زیاد تھا جس نے اتنی شکایتوں کے مقابلہ میں بھی بدظن اور بے دل رعایا کو یزید کی انتزاعِ سلطنت کا موقع نہ دینے دیا۔ المختصر تھوڑے ہی دنوں میں تمام اہلِ شہر کو اپنی رائے میں لے لیا اور اُن سے برضا و رغبت مروان کی بیعت لے لی۔ اللہ اللہ اس طائف الملوکی کے زمانہ میں کتنے لوگوں کی پرانی تمنائیں بر آئیں۔ عبداللہ ابن زبیر جنگ جمل کے زمانہ سے خلافت کی ہوا و ہوس میں گرفتار تھے اس وقت اُن کے لیئے بھی کچھ نہ کچھ سامان ہو ہی گیا۔ مروان ابن الحکم تو عثمان کے وقت ہی سے اُن کی جانشینی۔ نیابت اور خلافت کی تاک لگائے تھے چالیس برس کے بعد اُن کی تمناؤں کے بھی دن پورے ہوئے اور اُن کی کہنہ شاخِ مراد بھی کہولیت کے پورے زمانہ میں بارآور ہوئی۔ مروان کی بیعت شام میں ہوگئی۔ ابھی دن یہ تختِ حکومت پر بیٹھکر خلیفۂ عصر تسلیم کر لیے گئے اور انہوں نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی ابنِ زیاد کو اپنا مدارالمہام بنایا۔

سب سے پہلے مروان ضحاک ابن قیس اور نعمان ابن بشیر سے بھڑے۔ جو عبداللہ ابن زبیر کے ہوا خواہوں میں تھے۔ مگر جس کی بننے والی ہوتی ہے اُسکی پھر بنتی ہی چلی جاتی ہے۔ اس معرکہ میں ضحاک ابنِ قیس مارا گیا اور اُس کی تمام جمعیت ہزیمت پاکر اِدھر اُدھر منتشر ہوگئی +

نعمان ابن بشیر الانصاری کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ اہلِ شام کے چند باشندوں نے اُن کا بھی خاتمہ کر دیا۔ بعض تاریخوں سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اہلِ شام نے نہیں بلکہ اہلِ حمص نے اُن کو مار ڈالا۔

اِن دونوں کے مرتے ہی ابن زبیر کی سلطنت کا مسئلہ بھی مُلکِ شام میں مردہ ہو گیا۔

مروان بہ اطمینان شام میں سلطان ہو گئے۔ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ خالد
ابن یزید کو زفر ابن الحارث اپنے ساتھ علاقہ پر لے گیا تھا جب مروان کی تخت نشینی
کی خبر اس کو ہوئی تو وہ بامید سلطنت خالد ابن یزید کو لیکر پھر شام میں واپس آیا۔
مروان کی یہ رائے ضرور تھی کہ خالد کو علاقہ حمص کا عامل مقرر کر کے اسکی مایوسی کے
آنسو پونچھ دیے جائینگے۔ مگر ابن زیاد اُس کے ساتھ اتنی رعایت و مروّت کا بھی روادار
نہوا اور مروان سے کہنے لگا کہ خالد بچہ ہے۔ اس کی حکومت سے بہت سے فتنہ و
فساد کا احتمال ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم خالد کی ماں سے عقد کرلو تو تم کو پھر خالد کیطرف سے
پورا اطمینان ہو جائے گا اور یہ بھی تم کو خواہ مخواہ اپنا باپ سمجھکر ضرور متابعت کرے گا۔
حقیقت تو یہ ہے کہ مروان کی اس پیرانہ سالی کے زمانہ میں عیش و عشرت کے تمام اسباب
مہیا ہو گئے تھے۔ صرف ایک پہلو خالی تھا وہ بھی آباد ہو گیا۔ ابن زیاد نے اُمّ خالد کو
سمجھا بجھا کر مروان سے عقد کرنے پر راضی کر لیا اور عقد بھی ہو گیا اور مروان جو سمجھے
تھے وہ سب فراہم ہو گیا۔ اب زفر ابن الحارث کی بھی کچھ نہ چلی تو آخر ہر طرف سے عاجز
آکر انہوں نے مروان کی ہجویں لکھ لکھکر علانیہ پڑھنی شروع کر دیں۔ مروان نے اسکی
سزا میں زفر کے قتل کا حکم دے دیا۔

زفر ابن حارث کی سرگزشت۔ زفر شام سے بھاگا اور افتاں و خیزاں یکہ و
تنہا قلعہ قرقیسا تک پہنچا اور وہاں پناہ لینی چاہی۔ مگر حاکم قلعہ اُن کے پناہ دینے پر
راضی نہ ہوا۔ زفر جیسا شخص تھا اُس سے ہر شخص واقف تھا۔ اسی لیے اس وقت کوئی
شخص اُس کی حمایت اور ہمدردی پر راضی نہ ہوتا تھا۔ زفر نے رنگ بیرنگ دیکھکر کہا
کہ میں تمہارے قلعہ میں ایک دن بھی نہ رہوں گا۔ صرف حمام کر کے اپنی راہ لوں گا
اگر میں ٹھہروں تو البتہ تم کو مجھ سے خوف چاہیئے۔
خیریت تھی کہ زفر کے ہم قبیلہ دو چار لوگ اُس قلعہ میں موجود تھے اُنہوں نے قلعہ دار
کو سمجھا بجھا کر صرف حمام کرنے کی اجازت دلوا دی پھر کیا تھا۔ آنکھوں میں گھر کیا
تو چلو دل میں گھر کیا۔ اتنی جگہ ملے تو کسی کی نگاہ ہیں۔ اب سنیئے زفر کب چوکنے والے
تھے، قلعہ میں جا کر جم رہے۔ لوگ ان سے حمام کرنے کو کہنے لگے تو یہ جواب میں
فرمانے لگے کہ مجھ سے تم سے صرف حمام کے بعد چلے جانے کا وعدہ ہے۔ حمام کا وقت

تعین کرنے کے لیے کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے۔ اس وجہ سے مجھ کو اختیار حاصل ہے کہ جب چاہوں ختم کر دوں۔

الغرض زفر فی الحقیقت ایسا ہی چالاک تھا، اُس نے رات ہی بھر میں تمام اہل قلعہ پر اپنی ابلہ فریبیوں سے وہ اثر ڈالا کہ وہ سب کے سب اُس کے بندے ہو گئے اور صبح ہوتے ہی اصل قلعہ دار کو نکال باہر کرکے تمام قلعہ میں اپنا عملدرآمد کر لیا یہ تو شام کی کیفیت تھی، اب ہم کوفہ اور بصرہ کے حالات بھی ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

شیعیانِ علی علیہ السلام اور سلیمان ابن صرد خزاعی کی کوششیں

اس میں شک نہیں کہ واقعات کربلا کے اثر نے تمام عرب کے کلیجے دہلا دیے۔ اگرچہ ملکی رعایا کو جناب امام حسین علیہ السلام سے کوئی تعلق زندہ نہیں تھا اور نہ کوئی خلوص مگر یہ اُسی روحانی تقدس اور عظمت کا اثر تھا جو آپ کو درگاہِ الٰہی سے عنایت ہوئی تھی۔ کہ آپ کی شہادت کے بعد تمام ملک کے لوگ آپ کے مصائب سے متاثر ہو کر اُس شخص سے اپنی انتہا درجہ کی ناراضی اور نفرت کا اظہار کرنے لگے جسکو چند روز پہلے وہ امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنا خلیفۂ برحق۔ امام زماں اور فرمانروا تسلیم کر چکے تھے، یہ بھی آپ کے خونِ ناحق کی روحانی تاثیر تھی جس نے شہر کوفہ ہی سے آپ کے خون کے انتقام لینے والوں کو بھی پیدا کر لیا اور جن تلواروں سے آپکے خون کے دریا بہائے گئے تھے اُنہیں سے آپکے قاتلوں کے نام و نشان بھی مٹائے گئے۔ اب اس سے بڑھکر اس واقعہ عظیمہ کی حقیقت اور صداقت کے کیا ثبوت ہو سکتے ہیں۔ جہاں واقعہ کربلا اپنی تمام مثالوں میں بے نظیر مانا گیا ہے وہاں ان معاملات میں بھی وہ عدیم المثال ثابت ہوتا ہے۔

بہر حال اس میں کوئی تامل نہیں کہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد ہی شیعیان اہلبیت علیہم السلام میں نہایت پُر جوشیوں کے ساتھ انتقام کا خیال پیدا ہو گیا۔ چنانچہ طبری۔ صواعق محرقہ اور روضۃ الصفا بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ شیعیان علی ابن ابیطالب علیہما السلام میں ۶۱ھ ہجری ہی سے اسکا خیال پیدا ہو گیا تھا مگر وہ اپنی مجبوری اور بے سروسامانی کی وجہ سے کسی فوری تحریک کی علانیہ جرأت نہ کر سکے

اسکی اصلی کیفیت یوں ہے کہ جس وقت امام حسین علیہ السلام کے نامبارک واقعات کی خبر اہل کوفہ نے سُنی اور اہلبیت علیہم السّلام کی پریشان حالی ذلّت اور تحقیر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو وہ اپنے آپے میں نہ رہے۔
سب سے پہلے وہ لوگ جو حضرت مسلم ابن عقیل کی بیعت سے منحرف ہو گئے تھے اُنہوں نے اپنی نسبت سوچ لیا کہ ان تمام واقعات کے باعث ہمیں ہیں۔ اگر ہم مظلوم کربلا کو اپنا خلوص نہ دکھلاتے تو آپ کبھی مکۂ معظمہ سے نقل و حرکت نہ فرماتے۔ اور جناب مسلم کو یہاں نہ بھیجتے اس پر بھی اگر ہم جناب مسلم کو پوری قوت حسب الوعدہ پہنچاتے تو پھر اہل شام کو امام مظلوم پر دسترس کا کبھی موقع نہ ملتا۔ آخر کار اُنہوں نے یہ سوچ لیا کہ اب ہماری ان فروگذاشتوں کے عوض میں ہمارا بھی وہی نتیجہ ہونا چاہیئے جو امام حسین علیہ السّلام کا ہوا۔ اس گروہ کے سردار پانچ بزرگوار تھے۔ سلیمان ابن صرد خزاعی رحمۃ اللہ علیہا۔ جن کو جناب رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السّلام کی صحابیت سے شرفیابی حاصل تھی۔ عبداللہ ابن اسود ابن نفیل ازدی۔ مسیب ابن نجیہ (اکابر صحابہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام میں داخل تھے) رفاعہ ابن شداد بجلی رح (یہ بھی بہت بڑے دیندار۔ پرہیزگار۔ رؤسائے شیعہ اور عمائد کوفہ میں شمار ہوتے تھے) عبداللہ ابن دال رح یہ سب بزرگوار سلیمان ابن صرد خزاعی کے مکان میں جمع ہوئے اور آپس میں گفتگو کا سلسلہ یوں شروع ہوا کہ سب سے پہلے مسیب ابن نجیہ نے اپنی طرف سے سلسلۂ کلام کو یوں آغاز کیا کہ ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے بعد جناب امام حسین علیہ السّلام کے ہم لوگوں کو زندہ رکھکر یہ مقدر فرمایا ہے کہ ہم اپنی اتنی عمر کی طوالت ایّام کو انواع واقسام کے مصائب اور شدائد میں صرف کر دیں، اور یہ مصائب ہمارے لیے صرف عدم نصرت امام حسین علیہ السّلام کی پاداشش میں مقرر فرمائے گئے ہیں، اب ہم اپنے ان اعمال قبیحہ سے سخت نادم ہیں اور ہمارا یہ ارادہ ہو چکا ہے کہ ہم توبہ اور استغفار میں مشغول ہوں شاید کہ خداوند جلیل ہماری اُن خطاؤں کو بخش دے۔ اسی طرح اور لوگوں نے بھی جو نصرت امام علیہ السلام کی خدمت پر حاضر نہ ہو سکے تھے پُر جوش تقریریں اور عقیدتمندانہ کلام کیے۔ ان سب کے جواب میں سلیمان صرد خزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارے یہ عذر

قابل پذیرائی نہیں ہیں۔ اُنھوں نے پوچھا تب ہمیں کیا کرنا چاہیئے کہ ہماری توبہ و استغفار پروردگار کے درجۂ اجابت تک پہنچے۔ سلیمان نے جواب دیا کہ تمہارے افعال کی تلافی سوائے اِس کے نہیں کہ تم لوگ بھی قوم بنی اسرائیل کے ایسا آپس میں لڑ بھڑ کر کٹ مرو۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے مستفیض ہوتا ہے انکم[1] ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم۔ سلیمان کا یہ حکم سُنتے ہی وہ لوگ توبہ و استغفار کے لیے سر بسجود ہو گئے۔ اور ایک بار ان لوگوں نے اپنی تلواریں نیام سے کھینچ لیں۔ اور اپنے نیزے سیدھے کر لیے اور ہمہ تن اس پر اتفاق کر بیٹھے کہ قاتلانِ آلِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے تمام دنیا کو پاک کر دینا چاہیے، اور جس طرح اُنہوں نے اہلبیت علیہم السلام کا نام مٹایا ہے اُسی طرح ان کا خاتمہ بھی کر دینا چاہیے اور تسلط حاصل ہو جانیکے بعد جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو سریر خلافت پر بٹھلا دینا چاہیے بہرحال انکی وہ تجویزیں تھیں جو یزید کے زمانۂ حیات ہی سے پیش ہو کر آپس میں منظور ہو چکی تھیں مگر چونکہ اُس وقت ان کی تعداد بہت قلیل تھی اور سامان مقابلہ بھی فراہم نہیں کئے اس لیے یہ وقت کے منتظر بیٹھے رہے اور آپس میں ادھر اُدھر تحریک کرتے رہے۔

بیرونجات میں شیعوں کی خطوط

سلیمان نے سب سے پہلے شیعیانِ مدائن کے نام خط لکھے اور عبداللہ ابن مالک طائی کو خط دیکے سعد ابن حذیفہ یمانی کے پاس بھیجا۔ تمام خطوں میں مضمون یہی تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے خون ناحق کے عوض لینے کے لیے آمادہ رہو۔ جب اس خط کے مضمون سے اہلِ مدائن کو اطلاع ہوئی تو سب نے باتفاق رائے یہ جواب لکھا کہ ہم تیار اور مستعد ہیں۔ دوسرا خط سلیمان نے مثنیٰ ابن مخرمہ عبدی کو لکھا۔ اُسنے بھی اُن کی رائے سے اتفاق

[1] انکم ظلمتم انفسکم الخ۔ یہ آیہ اُس قوم بنی اسرائیل کی سزاؤں کی خبر دیتا ہے جنہوں نے سامری کی تقلید میں گوسالہ پرستی اختیار کر لی تھی جب جناب موسےٰ علےٰ نبینا و علیہ السلام میقات سے واپس آئے تو خداوند جلیل نے اُس قوم مرتد کی سزا یہ تجویز فرمائی کہ وہ اپنے ان معاصی کے معاوضہ میں اپنی جانوں کی قربانیاں چڑھائیں تب اُن کی مغفرت ہوگی۔ یہ حکم سُنکر وہ فرقۂ مرتد علیحدہ ہو گیا اور ایک نے دوسرے کو اپنی تلوار سے قتل کر ڈالا تفصیل کے لیے دیکھو کتب تفاسیر۔ ۱۲

المؤلف
اولاد حیدر عفی عنہ

کیا اور جواب میں لکھ بھیجا کہ تاریخ معین پر ایک بڑی جماعت کیساتھ میں آجاؤں گا۔
المختصر یزید کے زمانۂ حیات تک تو یہ لوگ بالکل خموش بیٹھے رہے اور اس عرصہ میں وہ مخالف سے مقابلہ و مقاتلہ کے سامان اور اپنی جمعیت کے اسباب افزائش فراہم کرتے رہے یہاں تک کہ یزید مرگیا اور مروان خواہ مخواہ اُس کے جانشین ہوگئے تو ان حضرات نے اپنے ارادوں کا علانیہ اظہار کرنا شروع کر دیا۔

مختار کی ابتدائی چھیڑ چھاڑ۔ اسی زمانہ میں مختار نے مکّہ کا سفر کیا جب مکّہ سے واپس ہوئے تو راہ میں ہانی ابن ابی حیّہ سے ملاقات ہوئی اُس سے اہل کوفہ کا حال دریافت کیا۔ ہانی نے کہا کہ اہل کوفہ کبھی ایک امر پر مستقل نہیں رہتے۔ مختار نے جواب دیا میں تو ان سب کو ایک رائے پر مستقل کروں گا اور انہیں کے ذریعہ سے اہل باطل و جبابرہ کو قتل کروں گا انشاء اللہ تعالےٰ ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم پھر مختار نے سلیمان کا حال دریافت کیا اور پوچھا کہ اُن لوگوں نے فوج کشی کی یا نہیں۔ ہانی نے کہا ابھی تو نہیں، مگر تیاری میں ہیں، مختار وہاں سے روانہ ہوئے اور نہر حیرہ پر ٹھہرے۔ جمعہ کا دن تھا غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ تلوار کمر سے لٹکائی۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور کوفہ میں دن رہتے داخل ہوگئے۔ جس طرف سے گزرتے جاتے تھے کہتے جاتے تھے کہ تم لوگوں کو بشارت ہو کہ میں آپہنچا۔ میں تمہاری خواہشوں کو پورا کروں گا اور قوم فاسقین پر مسلط ہونگا۔ الغرض مختار نے شیعیان علی ابن ابی طالب علیہما السلام پر یہ ظاہر کر دیا کہ ہم حضرت محمد حنفیہ کے فرستادہ ہیں اُنہوں نے ہم کو خون جناب امام حسین علیہ السّلام کی عوض لینے کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ شیعیان کوفہ نے اُن کے کلام کی تائید تو کی مگر یہ کہا کہ ہم فی الحال سلیمان ابن صرد خزاعی کی بیعت کر چکے ہیں، اب پھر نہیں سکتے۔ تم اپنے کام میں تعجیل نہ کرو۔ مختار نے شیعوں کے جواب پر سکوت کیا اور اس بات کے منتظر رہے کہ دیکھیں سلیمان کیا کرتے ہیں۔ لیکن در پردہ یہ چاہتے تھے کہ شیعہ سلیمان کی بیعت کو ترک کر کے مجھ سے بیعت کریں چنانچہ وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہوئے اور سب سے پہلے عبید اللہ ابن عمرو و اسمٰعیل ابن کثیر نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ شہید اسلام ۳۸۹۔

مختار اور سلیمان کی گفتگو۔ مختار اور سلیمان کے باہمی اتفاق نہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ مختار نے جناب محمد حنفیہ کے خطوط دکھلا کر سلیمان کو اپنا مطیع بنانا چاہا تھا مگر سلیمان

نے کہہ دیا کہ محمد حنفیہ سے پوچھ کر ہم تمہاری بیعت کرینگے۔ دوسرے یہ کہ مختار نے سلیمان
سے بنی اُمیہ پر حملات کرنے کی فرمائش کرنی شروع کر دی جس کو سلیمان نے مصلحت
وقت کے بالکل خلاف سمجھا اور مختار کو سمجھا دیا کہ ابھی ہماری صف آرائی کا وقت نہیں ہے
یہی دونوں امر مختار کے خلاف گزرے اور اُنہوں نے سلیمان کے خلاف کوشش کرنی
شروع کر دی۔ نتیجہ نا اتفاقی کا ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ عمر سعد اور شبث ابن ربعی کو مختار
کی مخالفت کی خبر لگ گئی تو اُس نے امیر کوفہ سے کہکر ان کو قید کرا دیا۔
ہم ان کے دو بار قید ہونے کے تفصیلی حالات کو ان کے خاص واقعات میں قلمبند کرینگے
بہرحال اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں سلیمان اور مختار کی نا اتفاقی
کا کوئی باعث ہو ہم کو اس سے کوئی غرض نہیں مگر دونوں کے ارادے اور عزم بالجزم
برابر تھے اور اس میں شک نہیں کہ مختار کے قید ہوتے ہی سلیمان کی موجودہ پُرجوشیوں
میں اور اشتعال ہوگئی۔ اتنے دنوں انہوں نے مقابلہ کا پورا سامان کر لیا۔ اب
سنہ ۶۴ ہجری کا آغاز ہوا۔ اس وقت تک عمر ابن حریث ابن زیاد کی طرف سے برائے
نام کوفہ کی امارت پر مقرر تھا۔

عبداللہ ابن زبیر کے امیر کوفہ میں۔ عبداللہ ابن زبیر نے مکہ سے عبداللہ ابن
زید اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ کو امیر مقرر کرکے کوفہ میں بھیجا۔ ان دونوں نے عمر ابن
حریث کو علیحدہ کرکے امارت کوفہ اپنے ہاتھ میں لے لی جب سلیمان کے مقابلہ و مقاتلہ
کی خبر عام ہوگئی تو شدہ شدہ عبداللہ ابن زید کوفہ کے موجودہ امیر کو بھی معلوم ہوئی تو
اُنہوں نے اس خبر کے جواب میں کہلا بھیجا کہ اگر سلیمان یا شیعیان اہلبیت علیہم السلام
مقابلہ و مقاتلہ کرینگے تو اُنہیں سے جنہوں نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا
ہیں تو نہ اُن کے قتل میں شریک تھا اور نہ میں نے حکم دیا ہے پھر میرے لیے خوف
کا کیا باعث ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اُس نے اُسی دن مسجد جامع میں تمام اہل کوفہ کو
جمع کرکے علانیہ سُنا دیا کہ ایہا الناس اگر تم کو خونِ امام حسین علیہ السلام کا قصاص
لینا ہے تو ابن زیاد اور یزید سے اور بنی اُمیہ سے لے لو۔ ہمسے تم کو مخالفت کی کیا
وجہ۔ ہم تو عبداللہ ابن زبیر کے فرستادہ ہیں، اور وہ خود تمہارا ہم خیال ہے +

سلیمان ابن صرد خزاعی کی ماتحتی میں شیعوں کی کوششیں

غرّہ ربیع الثانی ۶۵ھ ہجری کو سلیمان ابن صرد خزاعی نے حکم دیا کہ تمام اعوان و انصار اور وہ تمام لوگ جو امام علیہ السلام کے قصاص طلبی کے ارادے سے مجھ سے بیعت کر چکے ہیں نخیلہ میں جمع ہوں۔ چنانچہ تمام لوگ جمع ہوئے۔ سلیمان نے جب ان کا شمار کیا تو یہ لوگ دس ہزار کی تعداد سے زیادہ نہ نکلے۔ سلیمان کو سخت تعجب ہوا۔ کیونکہ سو ہزار سے زیادہ اُس کے ہاتھ پر آکے پانچ برس پہلے بیعت کر چکے تھے۔ اُس نے اُن کے مُنہہ پر کہا کہ تم لوگ ہمارا ابھی وہی حال کروگے جو حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کا کر چکے ہو۔ اور حقیقت تو یوں ہے کہ نہ تم لوگوں میں شرم و حیا باقی رہی ہے اور نہ مہر و وفا۔ مگر چونکہ ہم لوگ ایک ایسے امر پر اتفاق کر چکے ہیں۔ جس سے ہم اپنے اختلاف و انحراف کو ارتداد ایمانی سمجھتے ہیں اور جس میں طمع دنیاوی یا حصول دولت وغیرہ کا کوئی لوث نہیں ہے اسلیئے ہم اپنی بیعت کرنیوالوں کی کمی وبیشی کا خیال نہیں کرتے۔ ہم اب اُس منتقم حقیقی کی نصرت وحمایت پر توکل اختیار کر کے خالصاً للہ اس منزل دشوار گذار میں اپنے قدم بڑھاتے ہیں اتنا کہکر اُس نے اپنی جمعیت ہمراہی سے اس امر پر مشورہ لیا کہ پہلے کس سے مقابلہ کیا جاوے؟ اکثروں نے یہ رائے دی کہ تمام قاتلانِ امام مظلوم علیہ السلام تو کوفہ ہی میں موجود ہیں انہیں سی لوگوں سے ابتدا کرنی چاہیے۔ بعضوں نے کہا کہ اصل قاتل جناب امام حسین علیہ السلام تو ابن زیاد ملعون ہے۔ اور وہ شام میں بیٹھا ہے۔ پہلے ہم کو اُسی کا خاتمہ کرنا چاہیے۔ اتفاقِ وقت سے سلیمان نے اسی آخر والی رائے سے اتفاق کیا اور اُسی وقت اُن سچے سرفروشوں کے پاؤں شام کی طرف اُٹھ گئے۔ عبداللہ ابن زید موجودہ امیر کوفہ جب ان جانبازوں کے دلیرانہ یلغاروں کی خبر پہنچی تو وہ خود آیا اور اُن کی مردانہ ہمتوں کی بہت بڑی تعریف کی اور کہا کہ مناسب تو یہی ہے کہ تم لوگ اتنا اور توقف کرو کہ عبداللہ ابن زبیر کی فرستادہ فوج بھی آلے تو باہم متفقہ قوتوں سے اس مہم کا کام لیا جاوے مگر سلیمان کی موجودہ پُرجوشیوں میں اب ضبط و تحمل کی زیادہ قوت باقی نہیں رہی تھی، اس لیے اُس نے اپنے ہمراہیوں سے کہہ دیا کہ عبداللہ ابن زید اپنی اس تقریر سے ہماری موجودہ فرقہ میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ہماری تمام اُمیدیں اُس منتقم حقیقی کی نصرت وحمایت پر موقوف ہیں۔ اور توکل اپنا شعار ہے۔ ہم کو نہ کسی کی مدد سے سروکار ہے اور

نہ کسی کی اعانت درکار۔
بہرحال یہ لوگ کوفہ سے چلکر قلعہ قرقیسا میں پہنچے۔ یہاں کا قلعہ زفر ابن الحارث کے
قبضہ میں تھا جس کی پوری کیفیت اوپر لکھی جا چکی ہے۔ زفر سیب ابن نجیہ کا قرابتمند
تھا سیب اُس سے ملے۔ اور اُس نے اُن کے لشکر کی رسد رسانی اور آرام وراحت کے
تمام اسباب فراہم کر دیے۔ اور ان لوگوں کے ساتھ بہت بڑی خاطر و مدارات سے پیش
آیا۔ یہاں تک کہ اپنے خاصہ کے پانچسو اونٹ جَو اور گھاس سے بھر کر دعوت کے
طور پر سلیمان کے لشکرگاہ میں بھجوا دیے۔ سلیمان نے زفر سے آکر خود ملاقات کی اور زفر
نے مابین گفتگو سلیمان علیہ الرحمہ کو صلاح دی کہ آپ اسی قلعہ میں مقیم ہو کر مخالف سے
مقابل ہوں۔ کیونکہ آپ کی ہمراہی فوج کم ہے۔ اور مخالف کی جمعیت آپ سے کہیں زیادہ۔
اِسی سبب سے آپ میدان پکڑ کر مخالف سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سلیمان نے جواب دیا
بارک اللّٰہ فیک وجزاک اللّٰہ خیرا۔ تم پر موقوف نہیں۔ موجودہ عامل کوفہ نے بھی مجھے
ایسی ہی دوستانہ ہدایتیں کی تھیں۔ مگر ہمارے جملۂ اُمور خدائے قادر و توانا کے توکل پر
مبنی ہیں، اس لیے ہم ابھی برابر غنیم کے سُراغ میں چلے جائینگے۔ جہاں پائینگے وہیں مقابلہ
کرینگے۔ زفر نے کہا کہ ہرچند آپ ہماری دوستانہ صلاحوں سے اتفاق نہیں کرتے ہم تاہم
اپنی خیر خواہانہ ہدایتوں کے پہنچانے میں اپنی طرف سے دریغ نہ کرینگے۔ دو باتیں اور
گوشگزار کیے دیتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ جس وقت فوج کے دانہ گھاس کی ضرورت ہو تو آپ
مجھ سے کہلا بھیجیں۔ میں بلا تامل بھیجدونگا۔ دوسرے یہ کہ تم سب کوفہ کے رہنے والے
شام کی مکارانہ چالوں سے بہت کم واقفیت رکھتے ہو۔ اگر تم لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے تو
بہتر یہ ہے کہ نہایت تیز روی سے کام لیا جاوے اور جہاں تک ممکن ہو سکے جلد شہر عین الورد
میں پہنچ جایا جاوے۔ کیونکہ وہ شہر ملک جزائر کے مشہور شہروں میں سے ہے اور وہاں لشکر
کے تمام ضروریات نہایت کثرت سے ملتی ہیں۔ وہاں کی شہرپناہ بھی نہایت مستحکم اور مضبوط ہے
المختصر زفر کی دوستانہ ہدایتیں سُنکر سلیمان ابن صرد خزاعی علیہ الرحمہ قرقیسا سے روانہ ہوئے
اور سرعت سے منزلیں طے کرتے ہوئے اہل شام کے داخل ہونے سے پہلے عین الوردمیں پہنچگئے
اور یہاں باطمینان تمام خود بھی آرام کیا اور اپنے ہمراہی لشکر کو بھی راحت پہنچائی۔ دوتین روز
کے بعد معلوم ہوا کہ فوج شام عین الورد سے ایک منزل کے فاصلہ پر اُتری ہوئی ہے۔ یہ

خبر پاکر سلیمان نے مقابلہ کی پوری تیاری کی اور ایک نہایت پُراثر خطبہ پڑھا اور اپنے ہمراہیوں کو مخاطب کر کے ہدایت کی کہ اگر اس لڑائی میں مارا جاؤں تو میرے بعد مسیب میرا جانشین ہوگا اور اگر مسیب بھی قتل ہوجائیں تو عبداللہ ابن دال امیر لشکر ہوگا، اور اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ ابن رفاعہ تمہارا سردار ہوگا، پھر اس کے بعد سلیمانؓ نے فوج شام پر شبخون مارنے کی صلاح کی اور مسیّب کو چار سو سواروں کا رسالہ دیکر اس مہم پر روانہ کیا۔

فوج شام پر شبخون۔ جب مسیب علیہ الرحمہ اپنی لشکرگاہ سے چلے تو انہوں نے راستہ میں ایک شتر سوار کو اشعار پڑھتے ہوئے سُنا جسکا لفظ ابشر سے آغاز تھا۔ اور اُس کو فالِ نیک سمجھکر شتر سوار کو اپنے پاس بُلایا۔ اُس سے نام پوچھا تو اُس نے اپنا نام حمید بتلایا مسیب نے کہاکہ انشاراللہ تعالےٰ ہمارے کام کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ پھر پوچھا تم کس قبیلہ سے ہو۔ اُس نے کہا قبیلۂ بنی تغلب سے۔ مسیّب نے کہاکہ انشاراللہ الرّحمٰن ہم غالب بھی ہونگے۔ بعد اس کے اُس شتر سوار سے اہلِ شام کی خبر پوچھی تو معلوم ہوا کہ اُسکا مجموع لشکر پانچ متفرق سرداروں کی ماتحتی میں ہے جن میں سے سرخیل ابن ذوالکلاغ حمیری اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ بالکل قریب ہے۔ ایک میل کے فاصلہ پر پڑا ہوا ہے۔ مسیب نے یہ سب باتیں دریافت کرکے اُس شتر سوار کو تو رخصت کردیا اور خود نہایت پھرتی سے چلا اور صبح ہوتے ہی لشکر شام پر چھاپہ مارا۔ اکثر اُن میں سے مارے گئے اور بقیّہ ہزیمت اُٹھاکر بھاگ گئے اور جو کچھ کہ اُس کے ہمراہ تھے چھوڑ چھاڑ کر چلتے ہوئے۔ مسیّب کے ہمراہیوں نے اپنے گھوڑے کوتل کردیے اور اُنہیں کے گھوڑوں پر سوار ہوکر تمام مال و متاع لیتے ہوئے اپنے فرودگاہ کو واپس آئے۔

جنگ عین الورد اور سلیمان کی ماتحتی میں شیعوں کی جاں نثاری

ذوالکلاغ کے بعد راہ میں حصین ابن نمیر تھا۔ جب اُس کو ان کی ہزیمت کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے بارہ ہزار تازہ دم فوج سلیمانؓ کے مقابلہ میں روانہ کی، اور خود اُس مہم کا اہتمام اپنے ذمّہ لیا اور عین الورد تک چڑھ آیا۔ سلیمان نے اپنی جمعیت کو کلمات جراُت و تہوّر کہکر آمادہ اور پُرجوش بنایا۔

مقابلہ سے پہلے حصین ابن نمیر نے سلیمان ابن صرد خزاعی کو بُلایا اور کہا کہ مروان مر گیا۔ اور تمام اہلِ شام نے عبد الملک ابن مروان کی بعیت کر لی ہے اور اُسی کو سریر خلافت پر بٹھلایا ہے۔ شام کا تو یہ کچھ انتظام ہو گیا۔ مکّہ و مدینہ میں عبد اللہ ابن زبیر کی حکومت تسلیم ہو چکی ہے۔ صرف تمہیں لوگ (اہلِ کوفہ) بے امام کے ہو رہے ہو۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم اپنے مقام کو واپس جاؤ اور بے فائدہ اپنی جانوں کو ہلاکت کے دریا میں نہ ڈالو۔ سلیمانؒ نے جواب دیا کہ ہماری جمعیت تعداد میں تم سے البتہ کمتر ہے۔ وہ اپنے فضائل وخصائل کے اعتبار سے تم سب سے بہتر ہے۔ اگر تمہاری خواہش ہے کہ یہ فتنہ وفساد رفع ہو جائے تو ابن زیاد کو ہمارے حوالے کر دو کہ ہم اُس سے اُس کے افعالِ قبیحہ کا پورا انتقام لے لیں۔ اور عبد الملک کو سریر خلافت سے اُٹھا کر تم لوگوں کی رائے سے امرِ خلافت اولاد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں سے کسی ایک کو سپرد کر دیں۔
جب حصین نے دیکھا کہ یہ کام چلتا نظر آئی نہیں دیتا۔ تو جانبین سے حملات شروع ہو گئے اُس دن صبح سے شام تک تلوار چلتی رہی اور بہت سے لوگ قتل کیے گئے۔ دوسرے روز ادہم ابن محرزمہ باہلی دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ حصین ابن نمیر کی کمک میں آیا۔ حصین ابن نمیر نے تیر انداز ان بے خطا کو اپنے بیٹے کی ماتحتی میں دیگر سلیمان کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ جانبین سے حملات شروع ہوئے۔ اسی کشمکش میں تیر سلیمان کے سینہ پر لگا اور اُن کا ہُمائے روح قفسِ خاکی سے نکلکر اعلےٰ علّیین جنّت کی طرف پرواز کر گیا۔ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ رحمۃً واسعۃً۔
حمید ابن مسلم نے جو واقعات کربلا کے بہت بڑے مستند راوی اور شاہدِ عینی ہیں۔ اُس وقت سلیمانؓ کے ہمراہیوں میں تھے سلیمان کی وفات پر یہ مرثیہ لکھا ہے ؎
قضی سلیمان نحبہ فغدا ✤ الی جنان ورحمۃ الباری ✤ مضی حمیدا فی بذل مھجتہ ✤ واخذہ للحسین ثار ✤ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے جان دی۔ اور جنّت اور رحمت پروردگار تک پہنچ گئے۔ اور وہ اپنی جان دینے اور خون جناب امام حسین علیہ السلام کے انتقام لینے میں قابلِ ستائش رہے۔
سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت کے مطابق اُن کے بعد مسیّب نے لشکر کی امارت لی۔

اور اس شد و مد سے مخالف کا مقابلہ کیا کہ بہت سے دلیرانِ شام کے نام و نشان مٹا دیے اور بعدہ خود بھی جامِ شہادت نوش فرمایا۔ مسیب کے بعد عبد اللہ ابنِ وال نے مقابلہ کیا، او دوپہر سے شام تک لڑائی میں مصروف رہے۔ آخر یہ بھی شہید ہوئے۔ ابنِ وال کے بعد رفاعہ ابن شداد نے علم فوج اُٹھایا اور ادھم ابنِ مجرد کے ساتھ لڑتے رہے۔ رات ہوگئی تو طرفین کے لوگ اپنی اپنی فرودگاہ کو واپس گئے۔

اس امر پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ رفاعہ ابن شداد کے ساتھ اس وقت ستّر آدمیوں سے زیادہ نہیں تھے۔ رفاعہ نے اپنے باقیماندہ ہمراہیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہماری جمعیت ختم ہوگئی۔ اگر اب بھی ہم لوگ اُسی استقلال پر ثابت قدم رہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ سب کے سب مارے جائیں گے اور مذہب اہلبیت علیہم السلام کا دُنیا میں کوئی مشکل سے نام لے گا۔ مصلحت اسی میں ہے کہ موقع سے ٹل جائیں اور کوفہ واپس چلے چلیں۔ عبد اللہ ابنِ عوف نے جواب دیا کہ اگر اسی وقت کوفہ کا قصد کرو گے تو دشمن تمہارا تعاقب کرے گا اور راستہ ہی میں سب کو مار کھپائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اس وقت تامّل کریں، کچھ رات رہے یہاں سے کوچ کریں۔ ہر شخص نے اسی کو پسند کیا اور کچھ رات باقی رہے باقیماندہ اہل کوفہ میدان جنگ سے اپنے گھروں کو واپس آئے۔ حصین ابن نمیر نے اگرچہ اُن کا تعاقب کیا مگر کہیں نشان نہ پایا۔

انتقام خون امام حسین علیہ السلام میں شیعوں کی یہ پہلی کوشش اور جاں نثاری تھی جو اُن کی عزیز جانوں کی قربانیوں کے لیے آج تک تاریخوں میں سُنہرے حرفوں سے لکھی ہوئی باقی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ باقی رہیگی۔ اگرچہ اس میں اُن کو پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر ہاں اتنا تو ضرور دُنیا کو معلوم ہوگیا کہ ابھی شیعہ گروہ میں جمعیت۔ جوشِ ایمانی اور کامل الاعتقادی اور خلوص کے بیش بہا جواہر باقی ہیں۔ اُن کی عقیدت دشمن کی کثرت اور افزونی جمعیت کے مقابلہ میں اپنی قلیل التعدادی اور کم مقداری سے بالکل ہراساں نہیں تھی۔

بہر حال۔ سلیمان خزاعی رضی اللہ عنہ کے محاسن خدمات کی یہ مختصر اور مجمل کیفیت تھی جو بیان کی گئی۔ اب ہم مختار ابن ابوعبیدہ ثقفی کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں:- جو

دفتر انتقام کے نمودار معرکوں کا سچا ہیرو تھے۔ ہم ان کے حالات کو کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں جن کو سیر و تاریخ کا مذاق سلیم حاصل ہے، وہ ہمارے انہیں بیانات کو مختار علیہ الرحمہ کی مختصر سی لائف سمجھ لیں گے۔ اور انہیں واقعات سے اُن کو اُن کے پورے حالات اور واقعات کا صحیح صحیح نشان اور ثبوت مل جائے گا +

مختار علیہ الرحمہ کے ابتدائی حالات

مختار علیہ الرحمہ والرضوان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ مختار ابن ابی عبیدہ ابن مسعود ابن عمیر ثقفی علامۂ مرزبانی نے ان کی کنیت ابو الاسحاق اور لقب کیسان لکھا ہے۔

اس لقب کی خصوصیت میں صاحب جلاء العیون علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ علامہ کشی رح بسند معتبر اصبغ ابن نباتہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے مختار کو ایک روز دیکھا۔ جب وہ بچے تھے۔ اور جناب امیر المؤمنین علیہ السلام اُن کو اپنی آغوش میں لیے تھے۔ اور اپنا دستِ مبارک اُن کے سر پر پھیرتے اور فرماتے تھے یا کیس یا کیس۔ عربی میں کیس بزرگ اور مردِ دانا کو کہتے ہیں۔

بہر حال مختار کے والد ابو عبیدہ کو عقد کی ضرورت ہوئی، لوگوں نے اُن کو قبیلہ کی چند لڑکیوں کا ذکر کیا مگر ابو عبیدہ نے نامنظور کیا۔ آخر خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تم دومۃ الحنار سے نکاح کرو تو بہت اچھے رہو گے، ابو عبیدہ نے اس خواب کو اپنے اعزا سے نقل کیا۔ سب کے اتفاقِ رائے سے دومۃ الحنار بنت وہب ابن عمر ابن منت سے نکاح کر لیا جب مختار کی ولادت کے دن قریب آئے تو دومۃ الحنار نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے اِبْشِرِي بِالْوَلَدِ اَشْبَهَ شَيْئٍ بِالْاَسَدِ اِذَا الرِّجَالُ فِي كَبَدٍ يَتَقَاتَلُوا عَلٰى بَلَدٍ كَانَ لَهُ الْحَظُّ الْاَسَدِ ٥ تجھ کو ایسے فرزند کی بشارت ہو جو شیر سے مشابہ تر ہے۔ بہادرانِ ذی شان عالمِ شدت میں جنگ و جدل کریں تو اسکو حظِ وافر حاصل ہوگا۔

تفسیر امام ہمام حسن عسکری علیہ السلام میں ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس طرح بعض بنی اسرائیل نے اطاعت خدا کی اور خدا نے اُنہیں گرامی رکھا اور بعض بنی اسرائیل نے معصیت خدا کی اور خدا نے اُنہیں معذب کیا اُسی طرح تم لوگوں کا بھی حال ہوگا اصحاب جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے عرض کی۔ ہم لوگوں میں عاصی کس جماعت میں سے ہونگے حضرت نے فرمایا۔ وہ لوگ جن کو ہم اہلبیت علیہم السلام کی تعظیم کرنیکا حکم دیا گیا ہے اور ہماری

حقوق کی رعایت اُن پر لازم کی گئی ہے وہی لوگ ہماری مخالفت کرینگے اور ہمارے حقوق سے انکار کرینگے۔ اور فرزندان و اولاد جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی محبت اور تعظیم و تکریم کا حکم ہوا ہے اُن کو وہ لوگ قتل کرینگے۔ اصحاب نے کہا یہ اُمور ضرور واقع ہوں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ البتہ واقع ہوں گی۔ اور میرے ان دونوں فرزندان بزرگوار جناب حسنین علیہما السلام کو شہید کرینگے۔ خداوندعالم اُن منافقین پر عذاب اُس جماعت کی تلوار سے نازل کریگا جن کو اُن پر مسلط کرے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک پسر قبیلۂ ثقیف سے ہے جسے مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی کہتے ہیں۔

بہر حال مختار کے حالات اور واقعات بشارت انتقام معتبر پیشین گویوں سے خالی نہیں تبلائے جاسکتے۔ کیونکہ جو خدمات اُن سے ظہور میں آئیں اگرچہ وہ غیر ممکن نہ کہی جائیں تو قریب المحال تو ضرور تسلیم کی جاسکتی ہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ مختار کو اُنہیں سے مقابلہ کرنا ہوا جو اُس وقت زمانہ میں نمودار اور صاحب اقتدار تھے۔

تاریخوں سے ظاہر صاف ظاہر ہے کہ بنی اُمیہ اور اُن کے ہواخواہ امام حسین علیہ السلام کے اصلی قاتل تھے، اور اُنہیں سے مختار کو انتقام لینا تھا۔ اور اُس زمانہ میں یہی صاحبانِ زمانہ تھے۔ مال و دولت ان کے پاس۔ جماعت و جمعیت ان کے پاس۔ شام سے عراق اور عراق سے مصر تک کی حکومت انہیں کے قبضۂ اقتدار میں۔ بیت المال۔ لشکر اور ملکی رعایا انہیں کے دست اختیار میں۔ پھر ایسی حالت میں مختار کی کامیابی کا مسئلہ دُنیا کی نگاہ میں ضرور تعجب خیز اور دشوار ہی نہیں بلکہ قریب المحال ہوگا۔

اس کے علاوہ مختار کے معاملات میں سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز تو یہ بات ہی کہ جس قوم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا خون ناحق کیا تھا اُسی قوم نے اس وقت انکا پورا ساتھ دیا۔ اور اپنے ہاتھوں سے اپنے بزرگوں۔ بھائیوں اور عزیزوں کا خون کیا بہر حال مختار علیہ الرحمہ کی خدمات کے متعلق یہ مختصر سی تمہید تحریر کرکے ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔

مختار کی ولادت سالِ اوّل ہجرت جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوئی۔ جب مختار پیدا ہوئے تو اُن کی ماں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے ابشر قبل ان یترعرع بتشعشع قلیل الهلع کثیر التبع بدان ماصنع۔ یہ قبل جوان ہونے اور آغاز شباب

کے نذر ہوگا۔ اس کے تابعین کثرت سے ہوں گے۔ اسکو اس کے فعل کی جزائے خیر دی جائیگی
مختار کے علاوہ ابو عبیدہ ثقفی کے چار اور بیٹے تھے جن کے نام وجبر۔ ابوجبر۔ ابوالحکم
اور ابو اُمیّہ ہیں۔ مختار اپنے والد ماجد ابوعبیدہ کے ساتھ جنگ قیس ناطف میں بھی
شریک ہوئے تھے۔ ان کا سن اس معرکہ کے وقت تیرہ برس کا تھا۔ برابر لڑائی کے
منہہ پر چڑھے جاتے تھے۔ اور ان کے چچا ابن مسعود روکتے جاتے تھے کہ شاید یہ
نوجوان اس الھڑ پنے میں مقتول نہ ہو جائے۔ جب مختار جوان ہوئے تو بہت بڑے
جوانمرد بہادر تھے۔ کسی سے خوف نہ کرتے تھے۔ بڑے بڑے کاموں میں در آتے۔ ذی فہم
حاضر جواب۔ نیک خصلت۔ سخی۔ قیافہ شناس۔ بلند ہمت۔ زود رس اور تجربہ کار تھے
امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مختار کو بُرا نہ کہو۔ کیونکہ اُس نے ہمارے قاتلوں کو
قتل کیا۔ ہمارے خون کا عوض لیا۔ ہماری بیوہ وں کا عقد کرایا۔ اور ہمیں تنگدستی کے وقت
مدد پہنچائی۔

عبداللہ ابن شریک کا بیان ہے کہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا
تھا کہ ایک شخص کیہ السن کوفہ کا رہنے والا آیا اور چاہا کہ حضرتؑ کے ہاتھ کو بوسہ دے
مگر آپ نے روکا۔ پھر دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ اُسنے کہا ابوالحکم ابن مختار ابن
ابوعبیدہ ثقفی۔ اُس وقت اگرچہ ابوالحکم دور بیٹھے تھے مگر یہ سنتے ہی حضرتؑ نے اُن کا
ہاتھ پکڑ کے اپنے قریب بٹھلا لیا۔ حالانکہ پہلے ہاتھ چومنے سے روکا تھا۔ ابوالحکم نے عرض
کی کہ لوگ میرے باپ (مختارؒ) کی نسبت بہت کچھ باتیں کہتے ہیں مگر ٹھیک بات وہی
ہے جو آپ فرمائیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آخر لوگ کیا کہتے ہیں۔ ابوالحکم نے کہا کہ لوگ
تو اُنہیں جھوٹا کہتے ہیں لیکن آپ جو فرمائیں میں اُسی کو قبول کروں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ
میرے والد امام زین العابدین علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ مہر میری والدہ کا اُسی
مال سے دیا گیا ہے جو مختار نے اپنے پاس سے بھیجا تھا۔ اور فرمایا۔ کیا مختار نے ہمارے
مکانات نہیں بنوا دیے۔ اور کیا مختار نے ہمارے قاتلوں کو نہیں قتل کیا اور ہمارے خون کا
عوض نہیں لیا۔ خدا تمہارے باپ پر رحم کرے۔ خدا تمہارے باپ پر رحم کرے۔ خدا تمہارے
باپ پر رحم کرے۔ اُس نے کوئی حق ہمارا کسی کے پاس ایسا نہیں چھوڑا۔ مگر یہ کہ اُس کو لے لیا۔
عمر ابن علی ابن الحسین علیہما السلام سے منقول ہے کہ مختار نے ایک مرتبہ جناب امام

زین العابدین علیہ السّلام کے پاس بیس ہزار اشرفیاں بھیجی تھیں۔ آپ نے وہ اشرفیاں قبول کیں اور حضرت عقیل ابن ابی طالبؑ اور دیگر اشخاص کے مکانات بنوا دیے زید ابن علی ابن الحسین علیہم السلام کی ماں بھی مختار کی بھیجی ہوئی تھیں، مختار نے انکو چھ سو اشرفیوں پر خریدا تھا۔ اور مع چھ سو اشرفیوں کے جناب امام زین العابدین علیہ السّلام کی خدمت میں بھیجدیا تھا۔

اگرچہ ان واقعات سے مختار کے اعلیٰ درجہ کے فضائل معصوم کی زبانی معلوم ہوئے مگر ہماری اصلی غرض ان کے فضائل ومناقب کے اظہار سے نہیں تھی۔ ہم کو صرف معصوم علیہ السلام کی زبانی ان کے محاسن خدمات۔ حسن عقیدت اور خلوص کی تصدیق اور اظہار منظور تھا اور وہ الحمدللہ اوپر کے واقعات سے بخوبی ثابت ہے۔ بہرحال ان واقعات سے قطع نظر کر کے ہم اب اپنے اصلی مدعائے تالیف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

مختار علیہ الرّحمۃ والرّضوان کے چچا سعد ابن مسعود جناب امیرالمؤمنین علیہ السّلام کی طرف سے مدائن کے حاکم مقرر ہوئے تھے۔ جب معاویہ ابن ابوسفیان نے کوفہ کا حاکم مغیرہ ابن شعبہ کو مقرر کیا تو مختار نے کوفہ سے ہجرت کی اور مدینہ میں آئے۔ عرصہ تک محمد ابن حنفیہ رض کی خدمت میں بیٹھے اور ان سے اخذ حدیث کرتے رہے۔ پھر تھوڑے دنوں کے لیے کوفہ واپس آئے تو ایک روز مغیرہ کے ساتھ سیر کے واسطے چلے۔ جب بازار کوفہ میں پہنچے تو مغیرہ نے کہا۔ کیا اچھا موقع لوٹ کا تھا۔ اور کیا اچھی جماعت تھی۔ اور مجھے ایک ایسی بات آتی ہے کہ اگر کوئی شخص اُسے ظاہر کرے حالانکہ کوئی ظاہر کرنیوالا ہی نہیں ہے تو ضرور لوگ اُس کی تبعیت کرینگے۔ خصوصاً عجم کہ جب اُن پر کوئی کام ڈالا جاتا ہے تو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ مختار نے پوچھا وہ کیا بات ہے۔ مغیرہ نے جواب دیا کہ یہ لوگ آل محمد علیہم السّلام کی مدد کے واسطے تیار ہیں۔ اِس جواب کو مختار نے بڑی بے اعتنائی سے سُنا۔ مگر اُن کے دل میں اس کا خیال تھا، اور اسی وجہ سے برابر عترت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور علی ابن ابی طالب اور حسنین علیہم السلام کے محامد ومناقب کو بیان کرتے تھے اور صاف صاف کہتے تھے کہ بس یہی نفوس مقدسہ مستحق خلافت وحکومت ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ مختار کے دل میں بنی اُمیہ کی طرف سے ایک خاص نفرت اور اہلبیت علیہم السلام کی طرف سے ایک مفرط درجہ کی محبت اور عقیدت ضرور تھی اور اہلبیتؑ کے اخبار مصیبت

اور بنی اُمیہ کے ظلم و ستم کو جو بطور پیشین گوئی سُنتے تھے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اُسکا بہت بڑا اثر اُن کے دل پر ہوتا تھا۔ اور پھر یہ خبریں بھی سُنکر کہ ایک شخص ان سے انتقام لینے والا بھی پیدا ہوگا ان کے دل میں ایک غیر متحمل اور پُر اثر اشتیاق پیدا ہوتا تھا جناب امام حسن علیہ السّلام کی صلح ہو جانے کے بعد وہ مظالم جو شیعیان حیدر کرار اور دوستداران اہلبیتِ اطہار سلام اللہ علیہم من رب الکبار پر معاویہ کے حکم سے خلاف معاہدۂ صلح واقع ہوئے اور جن جن سختیوں سے غریب شیعوں کی جانیں لی گئیں اُن کے خاندان کے خاندان برباد کیے گئے۔ سولی دیے گئے۔ آنکھیں نکلوالی گئیں۔ درختوں میں لٹکا دیے گئے۔ یہ واقعات تھے جنکا خونیں منظر مختار علیہ الرحمہ کی آنکھوں کے سامنے گزرا تھا اور اُن کا قوی دل بھی ان پُر اثر واقعات کو دیکھکر پاش پاش ہوگیا تھا۔ وہ بھی انہیں وجوہ سے بنی اُمیہ کی حکمرانی کو سخت نفرت اور مخالفت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اُن کے استیصال کی فکروں میں دن رات مستغرق رہتے تھے +

ایک دن معبد ابن خالد جدلی سے ان سے ملاقات ہوئی، پوچھا کیوں معبد اہلِ کتب (اہل روایت و اخبار) بیان کرتے ہیں کہ قبیلۂ ثقیف (جس میں مختار تھے) میں سے ایک ایسا شخص نکلیگا کہ جبّاروں کو قتل کرے گا اور مظلوموں کی مدد کریگا۔ کمزوروں کے خون کا بدلا لیگا۔ اور جو صفت لوگ اُس کی بیان کرتے ہیں وہ سب صفتیں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ مگر دو صفتیں اُن میں کی مجھ میں نہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص جوان ہوگا جو جبّاروں کو قتل کرے گا۔ اور دوسرے یہ کہ اُس کی آنکھیں ضعیف ہوں گی حالانکہ میں ساٹھ برس کا ہو چکا ہوں اور جوان نہیں ہوں۔ اور نگاہ میری ابھی عقاب سے بھی زیادہ تیز ہے پھر میں کیسے سمجھوں کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ معبد نے کہا تو پھر ساٹھ برس کا آدمی اس زمانہ کے لوگوں کے اعتبار سے جوان ہی شمار کیا جاتا تھا اور یہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہاری آنکھیں آیندہ بھی ایسی ہی رہیں گی۔ غرضکہ مختار علیہ الرحمہ اسی رنگ میں رہے یہانتک کہ معاویہ مرگیا اور یزید اُسکا جانشین ہوا۔ اور امام حسین علیہ السّلام نے باصرار اہل کوفہ حضرت مسلم ابن عقیل کو اپنا نائب مقرر فرماکر کوفہ بھیجا مختار نے انکو اپنے گھر میں جگہ دی اور انہی کے ہاتھ پر بیعت کی

مختار علیہ الرحمہ کا اوّل بار قید ہونا اور قید سے رہائی پانا

جب حضرت مسلم شہید ہوئے تو عبد اللہ ابنِ زیاد سے لوگوں نے چغلی کھائی اُسنے انہیں بلوایا اور کہا

کہ تم ہمارے دشمنوں سے بیعت کرتے ہو۔ عمرو ابن حریث نے ان کی برات کی۔ عبید اللہ ابن زیاد نے انکی شہادت کی وجہ سے ان کو قتل تو نہیں کیا مگر برا بھلا بہت کہا اور ایک چھڑی جو اُس کے ہاتھ میں تھی مختار کی آنکھ پر ماری کہ انکی آنکھ کا پوٹا اُلٹ گیا اور آخر اُن کو مع عبد اللہ ابنِ حارث ابن عبد المطلب کے قید کیا اور اُسی قید خانہ میں میثم تمار بھی قید تھے۔

یہاں تک کے حالات تو ہمنے شہید اسلام کی عبارت سے نقل کیے ہیں۔ اب ہم اُن کی رہائی کی کیفیت جلاء العیون ملا مجلسی علیہ الرحمہ اور رسالہ قرۃ العین فی اخذ ثارات الحسین علیہ السلام کے ترجمے سے جو امام اسفرائنی کی معتبر تالیفات سے ہے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

کوفہ میں ایک شخص معلم پیشہ شیعیان علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے تھا۔ اسکا نام عمیرہ ابن عامر ہمدانی تھا۔ یہ شخص ایک متورع اور دانشمند آدمی تھا۔ احادیث جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام اُسنے جمع کر کے لکھ لی تھیں۔ ایک روز مکتب میں بیٹھا تھا اور لڑکے اُسکے سامنے بیٹھے تھے۔ اتفاقاً ایک پانی پلانے والا آیا۔ عمیرہ نے اُس سے پانی مانگا۔ اُسنے پلایا۔ پانی ٹھنڈا تھا۔ عمیرہ نے پیا اور بعد پینے کے بولا خدا لعنت کرے اُن لوگوں پر جنہوں نے امام حسین علیہ السلام پر ظلم کیا اور اُن کو پانی پینے سے منع کیا۔ اس کلام کو سنان ابن انس کے بیٹے نے سُن لیا اور یہ وہ شخص تھا جس نے قتل امام حسین علیہ السلام میں پوری مدد اور کوشش بہم پہنچائی تھی۔ اُس لڑکے نے معلم سے کہا کہ آیا تو نہیں جانتا کہ میں اُس شخص کا بیٹا ہوں اور میرا باپ کون ہے۔ یہ کہکر وہ معلم کے پاس کود کر آپہنچا۔ سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا میری طرف دیکھ اور تامل کر۔ عمیرہ نے اُسکی طرف دیکھا اور کہا تیرا کیا خیال ہے۔ لڑکے نے کہا تو انکار کرتا ہے اُس بات سے جو تو نے ابھی پانی پیتے وقت کہی۔ عمیرہ بولا۔ میں نے کیا کہا ہے۔ لڑکے نے جواب دیا کہ تو نے یہ کہا کہ خدا لعنت کرے اُس شخص پر جس نے امام حسین علیہ السلام پر ظلم کیا اور اُس کو پانی نہ دیا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ جس نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا وہ شمر ذی الجوشن ہے اور میرے باپ نے امام علیہ السلام کے سر کو نیزے پر چڑھایا اور یہ سب یزید کے حکم سے ہوا۔ کیا تو نے وہ منادی ابنِ زیاد کی نہیں سُنی کہ اگر کوئی امام حسین علیہ السلام کا

ذکر کریگا تو اُس کا سر جدا کر دیا جائے گا۔ معلّم نے کہا کہ تو اس بات کی اطلاع ابن زیاد اور اپنے باپ کو نہ کرنا۔ لڑکے نے کہا بہت اچھا۔ لیکن اُس نے اس قول کے خلاف کیا اور اپنے دل میں کہا اس کی اطلاع ضرور کرنا چاہیے۔ مگر ایک گھنٹہ تک چُپ رہا جبکہ معلّم اس بات کو بھول گیا تو مکتب سے نکلا اور ایک ویرانہ میں پہنچا۔ وہاں عمامہ کا ایک سرا پھاڑا اور اپنی پشت پر اور تمام بدن پر ضربیں لگائیں، یہاں تک کہ کھال اُدھڑ گئی اور خون بہنے لگا اور اس صورت سے اپنی ماں کے پاس گیا۔ اُسکی ماں دیکھکر چلائی اور کہا کس نے یہ حال تیرا بنایا ہے۔ اُسنے کہا کہ میرے معلّم نے اور بیان کیا کہ اُسنے سقہ کو بلایا اور سقہ نے پانی پلایا اور جب وہ پانی پلا چکا تو کہا لعن اللہ اُن لوگوں پر جنہوں نے جناب امام حسین علیہ السلام پر ظلم کیا اور اُن کو پانی پینے سے منع کیا۔ جب میں نے یہ سُنا تو کہا کہ آیا تو مجھے نہیں جانتا ہے تو اُس نے مجھ سے کہا کہ چُپ رہ۔ خدا لعنت کرے تجھ پر اور تیرے باپ پر اور ابن زیاد پر۔ تیرے باپ نے سر جناب امام حسین علیہ السلام کا نیزے پر چڑھایا۔ میں نے جواب دیا خدا لعنت کرے تجھ پر۔ خلافت کے مستحق امام حسین علیہ السلام ہیں یا یزید جب اُس نے مجھ سے یہ بات سُنی تو میری طرف کو دوڑا اور مجھ کو اپنی رداسے باندھکر ایسا مارا کہ میرا یہ حال ہو گیا۔ جب وہ چلا گیا تو میں بھاگ کر یہاں آیا۔ ورنہ میں ہلاک ہو جاتا۔

جب اُس کی ماں نے یہ بات سُنی تو باہر نکلی اور اُس کے باپ کو خبر کی جب سنان ابن انس نے سُنا تو اُس نے بہت سی کفر و فجور کی باتیں کہیں۔ اور جناب امام حسین علیہ السلام کی نسبت بہت بُرا بھلا کہا اور اپنے بیٹے کو لیے ہوئے ابن زیاد کے پاس چلا گیا اور ایک آواز دردناک سے پکارا اور نہایت غضبناک صورت بنائی۔ جب ابن زیاد نے اُس کے بیٹے کو اس صورت سے آتے دیکھا کہ خون آلود ہے تو دریافت کیا کہ کیا حال ہے۔ اُس نے کہا کہ یہ عمیرہ کی مکتب کا واقعہ ہے۔ آج معلّم نے پانی پلانے والے کو بُلایا۔ اُسنے پانی دیا اور اُسنے پیا تو یوں کہا کہ خدا لعنت کرے اُسپر جسنے امام حسین علیہ السلام پر ظلم کیا اور اُن کو پانی پینے سے منع کیا۔ میرے لڑکے نے کہا کہ خدا تجھپر لعنت کرے۔ وہ اس بات سے اور غضبناک ہوا۔ اس کو اپنی رداسے باندھا اور مارتے مارتے یہ حال کیا جو تو دیکھتا ہے۔

ابن زیاد نے یہ سُنا تو مارے غصّے کے اُسکی آنکھیں بدل گئیں اور دربان کو بُلا کر حکم دیا کہ عمیرہ کو حاضر کرو۔ اگر وہ اس بارے میں عذر کرے تو اُسکا سر قلم کر ڈالا جاوے۔ لیکن

دربان عمیرہ کے پاس گیا۔ اُس کو گرفتار کیا اور ابن زیاد کے پاس حاضر کیا۔ جب ابن زیاد نے اُس معلم کو دیکھا تو کہا افسوس ہے تجھپر تو امیر المومنین معاویہ اور یزید کو بُرا کہتا ہے۔ اور دشنام دیتا ہے، اور ابن ابو تراب علیہما السلام اور اُن کی اولاد کی مدح و ثنا کرتا ہے۔ پھر ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کو اُلٹا لٹکا دو۔ پھر اُس کو سر کے بھل اوندھا گرا دیا اور مارنا شروع کیا۔ عمیرہ نے کہا یہ لڑکا جھوٹا ہے۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ اگر کوئی شخص بھی اس بات کی گواہی دے تو میرا خون امیر پر حلال ہے۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسکو شیعیان ابو تراب علیہ السّلام کے قید خانہ میں لیجاؤ۔

عمیرہ کا بیان ہے کہ میرے پاؤں میں دوہری زنجیریں ڈالکر مجھے قید خانہ میں ڈالدیا۔ دروازۂ محبس بند ہوگیا۔ اُسی تاریکی میں پچاس سیڑھی نیچے اُترا۔ اور اس اثنا میں مجھے کہیں روشنی نہیں معلوم ہوئی وہاں میں نے ایک جماعت دیکھی کہ فریاد کرتی ہے اور اُن کی فریاد کوئی نہیں سُنتا ہے اور وہ سب کے سب پا بزنجیر ہیں اور قید خانہ میں بہت سی دردناک آوازیں میں نے سُنیں۔ آخر میں اُن لوگوں کے پاس گیا دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور اُس کے پاس سیاہ کُرتا ہے اور اُس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہیں گردن میں لوہے کا طوق ہے۔ دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور اُس میں اتنی قوت بھی باقی نہیں ہے کہ داہئیں اور بائیں حرکت کرسکے۔ پس میں نے اُس پر سلام کیا۔ اُس نے سر اُٹھایا اور میرے سلام کا جواب دیا۔ اُس کے سر کے بال آنکھوں پر پڑے تھے۔ میں نے کہا کہ تیرا کیا قصور ہے؟ کہ تو قید خانہ میں آیا۔ اُس نے کہا کہ محبت اہل بیت علیہم السلام میں نے دریافت کیا کہ یہ تو معلوم ہوا کہ تم شیعہ ہو مگر تمہارا کیا نام ہے؟ کہا کہ مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی۔ یہ سُنکر میں اُس کے سر پر جھکا اور اُس کے بوسے لیے۔ اور پھر اُس نے دریافت کیا کہ تم کون ہو جو یہاں آئے ہو۔ میں نے کہا کہ عمیرہ ابن عامر ہمدانی معلم اطفال کوفہ۔ مختار نے کہا کہ بھائی یہ تو معلموں کی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اُن لوگوں کی جگہ ہے جو بنی اُمیہ کو مارنا چاہتے ہیں۔ اور خون امام حسین علیہ السلام کا عوض لینا چاہتے ہیں۔ لیکن تو اطمینان خاطر رکھ اور اپنی آنکھوں کو خنک رکھ۔ عنقریب اللہ تعالےٰ اس غم و رنج کو دور کردیگا۔ اور ہمکو خوشی دے گا۔ عمیرہ نے پوچھا کہ تیرے قید کیے جانیکا کیا سبب ہوا۔ مختار نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ ان سے حضرت امام حسین علیہ السّلام کے خون کا عوض لوں۔ مجھے بدعہدی اور

دھوکے سے پکڑ کر قید کر دیا۔
بہر حال۔ اسی دن سے عمیرہ اور مختار آپس میں رفیق بنے رہے اور کچھ باتیں کرتے رہے اب سُنیئے کہ عمیرہ کی ایک بھتیجی ابن زیاد کے بچوں کی دایہ تھی اور اُن کو دودھ بھی پلایا تھا جب اُس کو اپنے چچا کی خبر پہنچی تو وہ ابن زیاد کے گھر گئی۔ اپنے گریبان کو چاک کیا اور بالوں کو پریشان کیا اور رونے لگی۔ وہاں پوچھا گیا کہ تیرا کیا حال ہے؟ اور تجھ پر کیا مصیبت پڑی اُس نے جواب دیا کہ میرا چچا ایک بوڑھا آدمی ہے کہ تمہاری اولاد کا معلم ہے لہذا تم پر اُسکا حق ہے۔ کسی لڑکے نے اُس کی بدگوئی کی ہے اور ایسی بات کہی ہے جو اُس نے نہیں کہی پس وہ محبوس کیا گیا اور قید میں ہے۔ ابن زیاد کی بی بی نے کہا اچھا۔ پھر وہ وہاں سے اُٹھی اور ابن زیاد کے پاس گئی اور اُس سے کہا کہ شیخ محبوس کو میں جانتی ہوں کہ وہ اس جرم سے بری ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تو اُسے مجھے ہبہ کر دے اور بخش دے ابن زیاد نے کہا اچھا اور فوراً اُس کی رہائی کا حکم دیا اور اپنے دربان سے کہا کہ معلم کو یہاں لے آؤ۔ دربان قید خانہ میں گیا اور وہاں سے داروغہ کو حکم کیا کہ باہر لاؤ۔ داروغہ نے کہا کہ بہت بہتر۔ دروازہ قید خانہ کا کھلا اور اُس کے کھلنے کی آواز مختار نے سُنی تو عمیرہ سے کہا کہ لو بھائی تم تو چھوٹے۔ عمیرہ نے کہا کہ مجھ پر تیرا فراق اور جدائی بہت شاق ہے۔ حق کہ اللہ تعالے تجھپر سے یہ مصیبت بہت جلد رفع فرما دے۔
مختار نے کہا کہ بھائی میرا ایک کام ہے تو اُس کو کر دے۔ عمیرہ نے کہا کہ کیا کام ہے۔ واللہ میں اُسکی انجام دہی میں ضرور کوشش کرونگا۔ مختار نے کہا کہ جب تم صحیح و سلامت گھر پہنچو تو کسی نہ کسی ترکیب سے میرے پاس ایک پرچہ کاغذ اگرچہ ایک اُنگلی ہی کے برابر ہو اور سیاہی اگرچہ بادام کے چھلکے ہی میں کیوں نہ ہو اور ایک قلم اگرچہ ایک اُنگلی کے پور کے برابر ہی ہو بھیجدینا۔ اُس نے کہا کہ بہت اچھا۔ یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ اوپر سے آواز آئی کہ اے معلم نکل۔ معلم نے مختار کو وداع کیا اور زینہ پر چڑھکر دربان کے پاس آیا۔ اور وہ اسے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ جب ابن زیاد نے اُسے دیکھا تو کہا جس نے تیری سفارش کی ہے اُسی کی خاطر سے میں نے تجھے معاف کر دیا اور خوب یاد رکھنا کہ پھر آئندہ ایسی بات نہ کہنا۔ میں نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں کہ اب آئندہ سے لڑکوں ہی کو میں نہ پڑھاؤنگا اور اب میں آج سے مکتب ہی میں نہ بیٹھوں گا۔

القصہ وہ معلم بیچارہ وہاں سے اپنے گھر آیا۔ اپنی زوجہ کو بلایا۔ اُسکا مہر ادا کیا اور اُسکو
طلاق دی اور اپنے دل میں کہا کہ اپنے بھائی مختار کے کام کو کروں گا پھر اُسنے ایک
تھیلی لی کہ اُس میں سو دینار تھے اور اُس کو مشک وغیرہ سے خوشبو کیا اور ایک بکری
ذبح کرکے کباب کیا۔ بہت سی روٹی اور میوے لیے۔ جب رات ہوئی اور تاریکی پھیلی تو
یہ سب سامان اپنے ساتھ لیے اور قید خانہ کے دروازے پر آیا اور دروازے کو کھٹکھٹایا
داروغۂ زنداں گھر میں نہیں تھا۔ عمیرہ نے یہ سب کھانے اُس کی عورت کو سپرد کیے
اور کہا جب تیرا شوہر آوے تو اُس سے کہنا کہ معلم نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے
کہ میں نے نذر مانی تھی سو آپ کے واسطے بھی لایا ہوں۔ جب عمیرہ چلا گیا تو داروغہ
جیلخانے کا آیا۔ زوجہ نے معلم کا سلام اور ہدیہ کا حال کہا۔ داروغہ بہت خوش ہوا۔ عمیرہ
دوسرے روز پھر اُسکے پاس گیا اور مختار کو جن اشیاء کی ضرورت تھی اُن کے لیجانیکو کہا
اتفاقاً اُس داروغہ کا ایک غلام بھی وہاں موجود تھا۔ داروغہ نے اپنی زوجہ سے کہا
کہ ہم اس غلام کی جانب سے اور تیری جانب سے خوف کرتے ہیں، عورت نے کہا کہ نہیں
وہ تو بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔ مگر اُس غلام نے بھی یہ باتیں سن لیں تو وہ ایک دوکان پر
گیا جو جیلخانہ سے قریب تھی، وہاں سیاہی لیکر اپنا منہہ کالا کیا اور جب داروغہ گھات پاکر
دوات و قلم لیکر مختار علیہ الرحمہ کے پاس گیا تو وہ دوڑا ہوا آیا اور ابن زیاد کے پاس پہنچا
ابن زیاد نے اُس کی طرف دیکھکر کہا کہ کیا فریاد ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ معلم جس کو تو نے
قید سے چھوڑا ہے وہ میرے باپ داروغہ جیل سے ایسی ایسی باتیں کرتا تھا اور چاہتا
ہے کہ مختار کے پاس کچھ چیزیں لیجاوے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد کی آنکھیں بدل گئیں گھوڑے
پر سوار ہوکر جیلخانہ کے دروازے پر پہنچا اور داروغہ کو اس قدر مارا کہ خون میں تر ہو گیا۔ کہا
معلم کے حاضر ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ دونوں کی گردن قلم کرو۔ داروغہ نے کہا کہ اے امیر
میں نے کیا قصور کیا ہے۔ ابن زیاد نے کہا کہ واے ہو تجھپر آیا تو گمان کرتا ہے کہ مجھ سے
تیرا کوئی امر پوشیدہ رہیگا۔ پھر ابن زیاد نے پورا قصہ دوہرا دیا جو غلام نے اُس سے
کہا تھا۔ داروغہ نے کہا کہ میں۔ معلم اور مختار موجود ہیں۔ ہم میں سے کوئی نہیں گیا۔ اور
اس بات کو زمانہ گزرا ہے۔ مختار کو میں نے کوئی چیز نہیں پہنچائی تو اُس کی تلاشی لے۔ اور
تو اُس کو بلاکر دیکھ لے اگر تو کچھ کھانا وغیرہ پاوے تو میرا خون تجھ پر حلال ہے۔ ابن زیاد

اُس غلام کو حکم کیا کہ تو اس قید خانہ کے نیچے اُتر جا اور جو کچھ اس کے اندر پا وہ لیتا آ۔ جب غلام اُس کے اندر گیا ڈھونڈھا تو وہاں کچھ نہ پایا کیونکہ یہ سب چیزیں پہلے ہی سے چھپا دی گئی تھیں وہ غلام اوپر آیا اور ابن زیاد سے کہدیا کہ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔
جب ابن زیاد نے یہ حال دیکھا تو اپنی حرکت سے بہت شرمندہ ہوا اور کہا کہ غلام کو حاضر کرو۔ غلام ابن زیاد کے پاس آیا۔ اُسنے کہا افسوس ہے تیرے اوپر تو نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ معلم اور داروغہ ایسی باتیں کرتا ہے۔ داروغہ نے کہا کہ اے امیر یہ میرا لڑکا نہیں ہے بلکہ اس کو میں نے پڑھایا تھا۔ میں نے اس کو اُٹھالیا اور پرورش کی ہے، میں نے اپنی زوجہ سے ایک دن کہا تھا کہ تو اسے نکالدے اور ہم نے اس امر کو پوشیدہ رکھا تھا۔ جب ابن زیاد نے یہ سُنا تو داروغہ اور معلم کو انعام دیا اور مختار کی تہدید و تشدید میں بھی تخفیف کردی اور اُس غلام کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور اپنے محل کو واپس گیا۔
چند روز کے بعد مختار نے جو کچھ چھپایا تھا اُس کو نکالا۔ بعد ازآں مختار نے اُس کاغذ کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک پر اپنی بہن کے شوہر عبد اللہ ابن عمر ابن خطاب کو لکھا اور دوسرے ٹکڑے پر اپنی بہن کو۔ اور داروغۂ جیل سے بہت سے عہد و مواثیق کے بعد اُن خطوں کو تہہ کرکے معلم کے لیے اُس نے اُس کو لیا اور معلم کو دیا۔ پھر دوات و قلم کو پھینکدیا معلم نے خطوں کے لفافوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مختار نے مدینے میں یہ خطوط عبد اللہ ابن عمر کے نام لکھے ہیں۔ پھر عمیرہ حمام میں گیا اور حجامت بنوائی اور ابن زیاد کے پاس گیا اور اُس کو اطلاع کی کہ میں حج کو جا رہا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا کہ بہتر ہے اور حکم دیا کہ اسکو دو ہزار دینار دیے جائیں۔
معلم نے وہ دینار لیے۔ اور اُسی دن مدینہ کو روانہ ہوا۔ تھوڑے دن بعد مدینہ پہنچا اور عبد اللہ ابن عمر کے گھر گیا جو مختار کی بہن صفیہ کا شوہر تھا۔ اُس وقت عبد اللہ ابن عمر کے آگے دسترخوان رکھا گیا اور عمدہ عمدہ کھانا چُنا گیا تھا عبد اللہ نے بی بی سے کہا کہ میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ بی بی نے کہا۔ قسم خدا کی ہرگز اچھا اور مزیدار کھانا نہ کھاؤنگی جبتک کہ مجھے اپنے بھائی کی خبر نہ ملیگی۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ عمیرہ نے دستک دی لونڈی نے پوچھا کون ہے؟ عمیرہ نے کہا کہ ایک شخص کوفہ سے آیا ہے اور تیرے آقا سے

کام ہے۔ یہ سُنتے ہی صفیہ اپنے بھائی کے اشتیاق میں غش کھاکر گر پڑی۔ عبداللہ دروازے پر دوڑ کر گیا۔ دروازے کو کھولا عمیرہ کو اندر لے گیا، اور اُسکے سامنے کھانا رکھدیا۔ اور دونوں نے ملکر اُس کھانے کو کھایا۔ بعدہ عمیرہ نے دونوں خطوط نکالکر ابن عمر کے حوالہ کیے۔ عبداللہ وہ خط لیکر رونے لگا اور زوجہ کے پاس گیا اور کہا کہ بشارت ہو تجھے کہ یہ تیرے بھائی کا خط ہے۔ مختار کی بہن نے کہا کہ تجھے خدا کی قسم ہے جو تو اسمیں میرے بھائی کا کچھ بھی حال چھپائے۔ بس وہ اُس خط کو پڑھتا تھا تا اینکہ اس مضمون پر پہنچا کہ میں مقید ہوں پا بزنجیر ہوں۔ طوق میری گردن میں ہے اور میں مریض ہوں۔ اور ابن زیاد نے اطبا کو منع کر دیا ہے کہ میری اصلاح حال بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ سُنکر مختار کی بہن نے ایک چیخ ماری اور گر پڑی اور اپنے بال نوچنے لگی اور اپنی لڑکیوں کے بال بھی نوچ ڈالے۔ اور لڑکیوں کو اپنے پاس جمع کیا۔ یہ حال دیکھکر عبداللہ اُس کے پاس گیا اور کہا کہ یہ کیا حال ہے۔ اُس نے کہا کہ کیوں میرے اور میری لڑکیوں کے بال پریشان نہوں کہ میں اور تو آج سے کبھی ایک بستر پر نہ سوئینگے جب تک میرا بھائی اس حال میں رہیگا۔ عبداللہ نے کہا۔ واللہ اگر کوئی شخص میرا یہ خط یزید کے پاس لیجائے تو تیرا بھائی بہت جلد قید سے رہائی پا جائے گا اور بہت تھوڑے دن قید رہیگا۔ عمیرہ نے کہا کہ میں لیجاؤں گا۔ عبداللہ نے پھر پوچھا کہ آیا تو ایسا کرنے پر راضی ہے۔ اُسنے کہا ہاں۔ عبداللہ یہ سُنکر خوش ہوا اور یزید کو خط لکھا اور اُس میں پہلے تو یزید کے واسطے بہت تعظیم و تکریم کی باتیں لکھیں اور بعد اس کے یہ لکھا کہ تو ابن زیاد کو لکھ بھیج کہ وہ مختار کو چھوڑ دے۔ پھر اُس خط پر مُہر کی۔ پھر اُس میں اپنے سر کے بالوں کو نشانی کے طور پر لپیٹا۔ اور لفافہ کیا اور اُسپر یہ لکھا۔ نامہ منجانب عبداللہ ابن عمر ابن الخطاب بنام یزید ابن معٰویہ۔ بعدہ ایک ریشمی کپڑے میں اُس کو لپیٹا اور عمیرہ کے حوالہ کیا۔ اور اُسکو ایک تیز رفتار اونٹنی منگادی اور اُسپر پانی اور کھانا رکھوا دیا۔

عمیرہ کا دربار یزید میں پہنچکر مختار کی رہائی کی کوشش کرنا

مدینہ سے عمیرہ روانہ ہوا یہانتک کہ دمشق میں پہنچا، اور داخل شہر ہو کر ادھر اُدھر آنا جانا شروع کیا۔ ہر روز مسجد میں جاکر نماز پڑھتا تھا اور بعد نماز کے کہتا تھا کہ اللہ اُس شخص پر رحمت کرے جو میری قضائے حاجت کرے۔ یزید کے دروازے پر جاتا تھا مگر اندر

بانیکی قدرت نہ پاتا تھا۔ ایک روز امام مسجد نے کہا کہ اہلِ کوفہ کی سرشت میں ایک ایک برائی
منظور ہے مگر میں آپ میں کوئی برائی نہیں پاتا۔ کیونکہ آپ برابر کہا کرتے ہیں کہ خدا رحمت کرے
اُسپر جو میری قضائے حاجت کرے۔ جب دوسرا دن ہوا تو عمیرہ حسب دستور پھر مسجد میں آیا
لوگوں نے کہا کہ آج آپ اسکی حاجت کو دریافت کیجیے پس وہ پیچھے پیچھے گیا اور اسکی فرودگاہ
میں داخل ہوا۔ عمیرہ نے اُس کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ امام نے پوچھا کہ ہم سُنتے ہیں کہ تو ہر روز یوں
کہا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ رحمت کرے اُسپر جو میری حاجت برلائے۔ اگر وہ حاجت تیرے
اوپر قرض ہے تو ہم اُس کو ادا کردیں۔ عمیرہ نے سر جھکالیا۔ اور سوچا اور متحیر ہوا کہ کیا
جواب دے۔ جب امام نے اُس کو گردن جھکائے دیکھا تو پھر کہا اے شخص کیوں متفکر اور سر جھکائے
ہے۔ آیا تو ڈرتا ہے کہ میں تیرے بھید کو ظاہر کردونگا۔ قسم خدائے عظیم اور جناب رسولِ کریم
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جناب علی ابن ابی طالب علیہما السلام اور جناب حسنین علیہما السلام
کی کہ میں تیرے راز کو ہمیشہ پوشیدہ رکھونگا۔ جب عمیرہ نے یہ کلام سُنا تو اُسکو اعتماد ہوگیا اور
وہ کہنے لگا کہ سُن بھائی میں اہلِ کوفہ کا معلم ہوں اور میرا نام عمیرہ ہے۔ پھر اپنے قصہ کو اول
سے آخر تک بیان کیا۔

جب امام مسجد نے اس تمام حال کو سُنا اور اُسکی حقیقت حال کو سمجھ لیا تو اُس سے کہا کہ جب
صبح ہو تو اچھے کپڑے پہن اور خوشبو لگا اور اس پوشاک کے اوپر ردی لباس اور چوغہ پہن
کمر سے پٹکا باندھ اور اپنے کاندھے پر بھی ایسا ہی رکھ اور یہ کپڑے جو پہنے ہوئے ہے سب
کپڑوں کے نیچے رکھ۔ الغرض تو ایسا معلوم ہو کہ یزید کے عاملوں میں سے ایک عامل ہے
اور یزید کے محل کی طرف جا جب تو وہاں پہنچے تو اوّل دہلیز پر جانا تو اُس دہلیز کو بہت طویل
پائیگا اور وہاں دو چبوترے ہیں ایک داہنی طرف دوسرا بائیں طرف اور اُن پر ریشمی سُرخ
کپڑا پڑا ہوا ہے۔ ہر چبوترے پر پانچ سو دربان ہیں، ہر دربان ایک لڑکا ہے اور اُس کے
ہاتھ میں ایک پنکھا ہے اور وہ نہایت فخر سے اپنے آپ کو ہوا پہنچاتا ہے جب تو وہاں پہنچیگا
تو ایک بہت بلند مکان دیکھے گا۔ ایسا ہی مکان عالی شان۔ ویسا ہی چبوترہ اور ویسے ہی لوگ
ہونگے ہر چبوترہ پر فرش ہوگا اور مثل اوّل چبوتروں کے ان پر بھی آدمی ہوں گے اس کے
بعد بھی یہی کیفیت دیکھے گا۔ ایسا ہی مکان عالی شان ویسا ہی چبوترہ اور ویسے ہی لوگ بیٹھے
ہونگے اسی طرح آستان بہ آستان آٹھویں منزل میں داخل ہوگا جب وہاں سے بھی گزر جائے

تو تجھ کو تین شخص ملینگے۔ اُن کے پاس مجمر ہونگے۔ اُن میں خوشبویات یزید کے واسطے سلگتی ہونگی
ان لوگونکی طرف بھی تو کچھ التفات نہ کرنا بلکہ آگے بڑھے جانا۔ جب تم اندر پہنچ جانا تو
تم کو ایک لڑکا ملیگا وہ نہایت خوشرو ہوگا اُس کے جسم پر دیبا کی قبا ہوگی۔ عمامہ سر پر ہوگا
اور پاؤں میں ادیم کی کفش ہوگی اور اُس کے ہاتھ میں نقرئی انگیٹھی ہوگی اور اُس میں
خوشبو جلتی ہوگی اور دوسرے ہاتھ میں طلائی چمچی ہوگی اور اُسپر قطرہائے گلاب ہونگے
یہ یزید کے کھانے کا سامان ہے جس کو وہ گرم کرتا ہوگا۔ تو اُس سے خطاب نہ کرنا بعد اُسکے
پھر تم کو ایک جوان نورس ملیگا اور اُسکا کام اور حال بھی پہلے ہی کے ایسا ہوگا اس سے
بھی متوجہ نہ ہونا ورنہ وہ جان لینگے کہ تو مرد اجنبی ہے اور غریب سمجھکر تجھے پکڑلیں گے
جب تم ان کے پاس سے گزر جانا تو پھر ایک خوبصورت جوان نورس مثل آفتاب کے
نظر پڑے گا اور وہ سیاہ قبا پہنے ہوگا اور سیاہ عمامہ ہوگا اور اُسکا یہ لباس غم امام حسین
علیہ السلام کی وجہ سے ہے جب سے کہ وہ قتل ہوئے ہیں اور جب سے کہ آپ شہید ہوئے
ہیں وہ بجز نانِ جویں اور نمک کے کچھ اور نہیں کھاتا۔ گویا وہ شیفتہ جناب امام حسین علیہ السلام
ہے اور یزید اُس کی محبت پر فریفتہ ہے۔ جب اُس لڑکے کو دیکھنا تو اُس کی طرف
چلے جانا۔ اُس کے ہاتھ کے بوسے لینا اور اُسی کو یہ خط دینا اور اُس سے کہدینا کہ میں
شیعیان علی علیہ السلام سے ہوں۔ اپنی حاجت کو بیان کرنا وہ تیری حاجت روائی
کردیگا۔ وہ گھر کا مدار المہام ہے اور یزید اُس کی بات کو بہت مانتا ہے اور تمام ارکان دولت
اُس کی خدمت اور اطاعت کرتے ہیں۔ یزید بجز اس کے کسی کا وثوق ذاتی نہیں رکھتا اور
تو دیکھے گا کہ جب تو حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر کریگا تو وہ بیساختہ رونے لگیگا۔ اور
اپنے آنسوؤں کو ضبط نہ کرسکے گا اور جو تو کہیگا وہ کرے گا۔ عمیرہ نے یہ سُنکر کہا کہ جزاک اللہ خیرا۔
اس کے بعد امام مسجد عمیرہ سے رخصت ہوا۔ جب صبح ہوئی تو اول عمیرہ نے نماز پڑھی بعدہٗ
لباس کے بارہ میں جو امام نے کہا تھا وہی کیا اور یزید کے دربار کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے
وہاں جاکر وہی کیفیت دیکھی جو امام مسجد نے کہی تھی۔ آخرکار اُس جوان نورس سے مقابلہ ہوا
جب عمیرہ نے اُسے دیکھا تو اُسکی طرف بڑھا۔ اُسنے کہا لا الہ الا ہو واللہ اکبر۔ اے عمیرہ تو سترہ
دن سے کہاں تھا میں تو تیرے آنیکا منتظر تھا۔ کیا باعث ہوا کہ تو نے اتنی دیر کی اور میں برابر
تیرے آنے کا منتظر رہا۔ عمیرہ نے کہا کس نے میرا نام اور حال آپکو تبلایا میں تو دمشق میں سترہ

دن سے موجود ہوں اور نہ میں نے اس سے پہلے آپ کو دیکھا اور نہ آپ نے مجھے دیکھا
اُس جوان نے کہا کہ واضح ہو کہ میں نے اپنے مولا جناب امام حسین علیہ السّلام کو خواب
میں دیکھا کہ اُنہوں نے تیرے آنے کی مجھے خبر دی اور تیرے کام کر دینے کی مجھے ہدایت
کر دی اور تو بھی سن لے اور جان لے کہ اُن کے جدّ بزرگوار قیامت کے روز تیرے شفیع
ہونگے اور تو ہی پہلے جنّت میں داخل ہوگا اور جب تو قیامت میں خدا کے سامنے
جائے گا تو جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمائیں گے کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے
میری حمایت اور نصرت کی۔
عمیرہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد یزید آیا اور اُس کے ساتھ پانچسو چھوٹے بڑے خادم کہ
اُن میں سے سب سے بڑا بیس برس کا اور سب سے چھوٹا سات برس کا تھا۔ وہ سب
دیبا کی قبا پہنے ہوئے تھے۔ سونے کی ہیٹیاں اُن کے گلے میں پڑی ہوئی تھیں اور ہاتھوں
میں اُن کے جواہرات کے کڑے پڑے ہوئے تھے یزید کے ہمراہ آئے۔ یزید دیبا کا لباس
پہنے تھا۔ سر پر سیاہ ردا تھی جس کی چار تہیں لپٹی ہوئی تھیں۔ سُنہرا کام بنا ہوا تھا۔ اُسکے
بیچ میں رومال تھا کہ جس سے وہ سر پر قصابہ باندھے ہوئے تھا اور وہ قصابہ بھی طلا کار تھا
اور اُس کے پیروں میں سونے کی کھڑاؤں تھی اور اُس کے تسمے موتیوں کے تھے کہ جن
میں ریشمی ڈورے لگے ہوئے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اُسکا مُنہ دنیا و آخرت میں کالا کر دیا تھا
اور اُس کے مُنہہ پر ضرب کا نشان تھا جیسے کہ اونٹ کے مُنہ پر ہوتا ہے۔ چہرہ بیٹھا ہوا
تھا یہ مردود بڑے ناز و ادا سے چلتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گر پڑیگا اور شتر مست کیطرح قدم رکھتا
تھا۔ بید کی لکڑی کے سہارے چلتا تھا اور لکڑی پر وحدہ لاشریک لہ لکھا تھا۔ عمیرہ نے کہا کہ
جب میں نے اُس کو دیکھا تو بے اختیار میرے رخساروں پر آنسو جاری ہو گئے میرے
مولا جناب امام حسین علیہ السلام مجھے یاد آ گئے کہ اُن پر کیا گزری گویا کہ وہی معرکہ بالکل پیش نظر ہو گیا
پھر اُس جوان نے قبل اس کے کہ یزید میرے پاس آئے وہ خط مجھ سے لے لیا اور یزید کی طرف گیا۔ اور
اُس سے کہا کہ یا امیر المؤمنین آیا آپ نے بھی اپنے باپ کی یہ حلف نہیں کیا تھا اور یہ قسم نہیں
کھائی تھی کہ ہر روز میری ایک حاجت ضرور پوری کیا کرونگا۔ حالانکہ وہ حاجت بھی امام حسین
علیہ السلام ہی کیوں نہو۔ یزید نے کہا ہاں۔ ایسا اقرار میں نے تجھ سے ضرور کیا تھا۔ وہ جوان بولا
کہ میری حاجت یہ ہے کہ آپ اس خط کو اسی وقت پڑھ لیں۔ یزید نے خط ہاتھ میں لیا اور کھڑے

ہوتے ہی خط کو کھولا اور پڑھا۔ جب اُسنے خط پڑھ لیا اور سمجھ لیا تو کہا کہ اس خط کا لانیوالا کہاں ہے۔ اُس غلام نے کہا یہ ہے۔ یزید بولا میرے پاس بُلالا۔ عمیرہ کہتے ہیں کہ میں اُس کے پاس گیا اور اُس کے سامنے کھڑا ہوا۔ اُس گمراہ کی صورت سرخ رنگ کی۔ مُنہ پر داغ اور سیاہی زیادہ تھی۔ اور کوئی خصلت اُس میں بادشاہوں کی ایسی نہیں تھی۔ یزید نے کہا تو شیعۂ امام حسین علیہ السلام ہے؟ میں نے کہا کہ میں تو ایک اجیر ہوں کہ مجھ کو عبد اللہ نے اُجرت دیکر بھیجا ہے کہ تو اس خط کو یزید کے پاس پہنچادے۔ لڑکے نے کہا کہ اے مولیٰ تمہیں اس امر سے کیا غرض ہے۔ اگرچہ یہ شیعۂ امام حسین علیہ السلام سے ہے یا غیر شیعہ۔ آپ اس کا جواب لکھدیں یزید نے کہا کہ یہ عبد اللہ ابن عمر ابن الخطاب کا خط ہے اور وہ میرے عامل ابن زیاد کی قید سے مختار کی رہائی چاہتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ یزید نے تب دوات و قلم مانگا اور ابن زیاد کو مختار کی رہائی کے لیے خط لکھا اور یہ بھی لکھا کہ اُسکو بہت اعزاز و اکرام سے عبد اللہ ابن عمر کے پاس پہنچادے۔ اور مختار کے ساتھ احسان کر۔ پھر اُس غلام کی طرف سر بلند کیا اور کہا کہ اے جوان میں نے تیری حاجت پوری کردی۔ قسم خدا کی اگر تو مجھ سے ہزار دینار مانگتا تو میں تجھے دیدیتا۔ مگر میں مختار کو تو نہ چھوڑتا۔ مگر اس وقت دو باتیں مجتمع ہوگئیں۔ ایک تو عبد اللہ ابن عمر کی فرمایش۔ اُس نے گویا میرا یہ احسان اپنے سر لیا ہے اور میرا ہمیشہ شکریہ ادا کرے گا۔ دوسرے یہ کہ تیرے ساتھ وعدہ کیا ہے اُس کا ایفا بھی ضرور تھا۔ غرضکہ اُس نے اپنے خط کو لپیٹا اور عمیرہ کے حوالہ کیا بعد اُسکے حکم دیا کہ اس کو ایک اونٹنی اور ایک پانچ ہزار درہم کا کیسہ اور دو خلعت دیے جائیں۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حسب حکم یزید سب موجود ہو گیا۔

عمیرہ کا بیان ہے کہ میں نے یہ سب مال اور خط لے لیا۔ دمشق سے نکلا اور چلتے چلتے گیارہ روز کے بعد کوفہ پہنچا اور ارادہ کیا کہ ابھی ابن زیاد کے پاس جاؤں۔ پس میں نے اپنے کپڑے بدلے اور یزید کا دیا ہوا لباس پہنا۔ ایک شخص نے پوچھا تو کہاں سے آیا؟ میں نے کہا یزید کے پاس سے۔ اُسنے مجھے نہ پہچانا۔ پھر میں ابن زیاد کے پاس گیا۔ ابن زیاد مجھے دیکھکر ہنسا۔ پھر میں نے یزید کا خط اپنی آستین سے نکالکر اُس کو دیدیا اُسنے اُسے بوسہ دیا تعظیم کے واسطے کھڑا ہوا۔ پڑھا اور کہا کہ ابھی میں اسکے حکم کو بجالاتا ہوں۔ پھر اُس نے مختار کو اپنے پاس بلائے جانیکا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مختار علیہ الرحمہ چھوٹ کر آگئے۔

ابن زیاد نے ان کی بیڑی اور طوق کٹوا دیے اور ایک طبیب کو حکم دیا کہ وہ اُسکا علاج کرے۔ پھر اُس کو حمام میں بھجوایا۔ اچھے کپڑے پہنائے اور دس ہزار درہم دیے اور عمیرہ کو بھی اسی قدر روپیہ دیا۔ پھر مختار کو ایک ناقہ کہ جس پر سامان خورونوش لدا ہوا تھا اور ایک ناقہ خود اُس کے سوار ہونے کے واسطے دیا۔ اور عمدہ عمدہ کھانے دسترخوان پر پاس بٹھلاکر کھلائے۔ عمیرہ نے کہا کہ کھاؤ۔ مختار نے کہا کہ اس امر کو چھپانا چاہیے اور میرے کھانا کھانے کے شریک نہو۔ پھر وہ ناقہ آیا اور مختار اُس پر سوار ہوا اور مجھ سے کہا کہ اے برادر الوداع خدا حافظ۔ میں نے کہا قسم خدا کی میں تجھ کو کبھی نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ مروں۔ مختار نے کہا کہ اچھا میرے ساتھ سوار ہو۔

عمیرہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کوفہ سے چلکر مدینہ پہونچے اس دن عبداللہ ابن عمر کے ہاں ہریسہ پکا تھا کہ اُس کو مرغوب تھا۔ اور اپنی زوجہ سے کہتا تھا کہ میرے ساتھ کھا اور اُس کو وہ بہت محبوب رکھتا تھا۔ عمیرہ کہتے ہیں کہ وہ میاں بی بی آپس میں یہی باتیں کرتے تھے کہ ہم نے دروازے پر دستک دی۔ لونڈی نے کہا کہ کون ہے اُسنے جواب دیا کہ میں ہوں مختار۔ جب ابن عمر کی زوجہ نے اپنے بھائی کی آواز سُنی تو اُسے پہچان لیا اور دوڑ کر دروازہ کھولا۔ اور اُسکی طرف دوڑی۔ بہت روئی اور اُس کے بوسے لیے۔ گلے لگایا۔ اور پھر دونوں ملکر خوب روئے۔ اور دونوں دیر تک گلے سے لپٹے رہے یہاں تک کہ مختار کی بہن زمین پر گر گئی اور جب اُس کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مر گئی۔ پس مختار اُس کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہوا اور اُس کو اُسی کے حجرے میں دفن کیا۔ مقتل ابی اسحاق اسفرائنی۔ ص ۵ا جلد دوم۔

اس میں شک نہیں کہ مختار کے تمام و کمال واقعات تعجب انگیز اور حیرت خیز ضرور ہیں۔ مختار کے حالات کے علاوہ عمیرہ کے محاسن خدمات اور اُسکی بے انتہا کوششیں جس میں ہر وقت اُس کی جان جانیکا خوف لگا ہوا تھا زیادہ تر تعجب دلانے والی ہیں اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو عمیرہ نے مختار کی رہائی کے معاملات میں کارہائے رستمانہ کیے ہیں اور یزید کے دردولت کے تحت سے سخت اور دشوار ہفت خوانوں سے صحیح و سلامت نکل آنا خصوصاً ایک مرد معلّم پیشہ سے قطعی محال معلوم ہوتا تھا۔ مگر ہمتِ مرداں مدد خدا۔ اس مجاہد فی سبیل اللہ نے اپنے برادر ایمانی کی رہائی کی کوششوں میں اپنی عسرت

جان کی بھی مطلق پروا نہیں کی اور اس حاکم جابر کے در دولت پر پہنچکر اپنا کام نکال ہی لیا۔ جہاں بڑے بڑے امرا روزگار اور صاحبان عز و اقتدار کی جانے ہوئی پائے ہمت لغزش میں آتے تھے۔ یزید کی شقاوت قلبی اور تعصب ذاتی کے باعث سے کسی کو سوتے جاگتے بھی اس کی امید نہیں تھی کہ وہ مختار کے ایسے دوستدار اہلبیتؑ اطہار اور شیعۂ حیدر کرار علیہم السلام کی رہائی کا حکم کبھی دیگا جو علانیہ قاتلان امام علیہ السّلام سے بدلا لینے کا دعوے کر رہا تھا۔ مگر ع کاریکہ خدا کند بشر را چہ مجال۔ اُس منتقم حقیقی کو تو انہیں کے ہاتھوں سے اس امر اہم اور کار صعب کو بہ آسان انجام دلوانا تھا۔ اِس لیے ان تمام اسباب کے فراہم فرمانے کا ذمہ بھی اُسی کی تائید اور مشیّت کے متعلق تھا۔ یہ سب کیا تھا۔ ان خالص جاں نثاروں کی کوشش اور خدائے سبحانہ تعالےٰ کی تائید وما توفیقی اِلّا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

مختار اور ابن زبیر کے معاملات

یہ واقعہ تو مختار علیہ الرحمہ کی پہلی قید اور پہلی رہائی کا تھا۔ اب ہم رہائی کے بعد سے انکے حالات لکھتے ہیں۔ رہا ہونے کے بعد یہ کوفہ سے مکّہ اور مکّہ سے مدینۂ منورہ میں پہنچے۔ راستہ میں ان کو مصعب ابن زبیر ملا۔ اُسنے ان کے زخم پیشانی کا حال پوچھا تو انہوں نے کل حقیقت احوال سُنادی اور یہ بھی کہدیا کہ آج تو اُس نے ہم کو صرف ایک ہی ضرب لگائی ہے اب وہ دن بہت جلد آنیوالا ہے کہ میں ان ملاعین کے ہاتھ پاؤں کاٹکر ان سے کیسا انتقام لیتا ہوں۔ مدینہ پہنچکر اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ابن زبیر کے پاس آمد و رفت شروع کر دی اور ان کی ظاہری رفتار سے قصاص امام حسین علیہ السّلام میں اُن کو بھی ہم خیال اور ہمدرد یقین کر لیا۔ عباس ابن سہل انصاری کی معرفت جیسا کہ صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے ابن زبیر کی بیعت بھی کر لی اور اُن کے طرفدار بنکر عمرو ابن زبیر کے خلاف میں جو اُس وقت یزید کی جانب سے مدینہ کا عامل تھا بہت بڑی جانفشانی سے کام لیا اور اُس کو گرفتار کیا۔

اسی طرح ابن نمیر کے مقابلہ میں بھی ابن زبیر کی طرف سے اہل شام کے خلاف اپنے مساعی جمیلہ کا برابر اظہار کرتے رہے۔ اتنے میں یزید مرگیا اور ابن نمیر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تخت گاہ شام کو واپس گیا تو یہ مختار ہی تھے جنہوں نے حرمین شریفین میں اپنا

پورا تسلط کرکے عراق تک انکی قوت وجبروت کی شہرت تمام پہنچادی۔ اور قریب قریب بصرہ اور کوفہ دونوں شہروں میں انکی حکومت کا خیال پیدا ہوگیا۔ یہ مختار ہی کا اثر تھا جسنے ابن زبیر کے برائے نام عاملوں کو ان دونوں شہروں میں بٹھلا دیا۔ اگرچہ اُن کے اس انعقاد کا اثر ملکی رعایا پر ہوا یا نہو۔ مگر بنی اُمیہ کے مقابلہ میں ابن زبیر کو اتنا کہنے کا حق تو ضرور ہوگیا کہ اس وقت ملک عراق کا انتظام ہمارے مقررہ عاملوں کی نگرانی میں ہو اب سینئے۔ ابن زبیر جیسی چالوں کے آدمی تھے۔ وہ ملک عرب پر کیا موقوف ہے ساری دُنیا جانتی ہے۔ یہ اپنی گوں کے آدمی۔ وقت پر کام نکالنے والے۔ جب اُنہوں نے مختار سے اپنے وہ تمام کام جو اُن کے منظور دل تھے نکال لیے تو مختار کو راہ بتلائی جیسا کہ صاف صاف روضۃ الصفا کی اصلی عبارت سے ظاہر ہے۔

رایت دولت عبداللہ ابن زبیر بالا گرفتہ حجاز وکوفہ وبصرہ درتحت تسخیر ونصرت او درآمد با مختار آغاز بے التفاتی نہادہ پیرامون عہد خود نگشت وا و با ابن زبیر دل دگر کردہ با خود قرار داد کہ بروے خروج کند۔ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۹۲ بمبئی۔

مختار کا بار دیگر قید ہونا

مختار نے ابن زبیر سے پورا قطع تعلق کرکے مدینہ چھوڑا اور کوفہ واپس آئے۔ رستہ میں باشندگان کوفہ میں سے پہلا شخص جو مختار علیہ الرحمہ کو ملا وہ اسلمہ ابن کرب تھا۔ انہوں نے اسلمہ سے شہر کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس وقت تک اہل کوفہ بے امیر کے ہیں۔ یہ معلوم کرکے مختار نے تبسم زیر لب کیا اور جواب میں صرف اتنا کہا کہ ان گوسفندان بے شبان کے محافظ اور نگہبان انشاءاللہ الرحمٰن ہم ہی ہونگے۔

یہ اپنے انہیں ارادوں کے ساتھ کوفہ میں پہنچے۔ اور پہلے غسل کرکے شہر میں داخل ہوئے اور جس قوم وقبیلہ کی طرف جاتے تھے یہی فرماتے تھے ایہا الناس فرزند رسول رب العالمین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون ناحق کا انتقام لینے والا اور گروہ فاسقین وقاسطین کا مارنے والا میں ہوں اور میں ہی وہ شخص ہوں جو ان معاندین کی اصل کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکونگا۔

صاحب روضۃ الصفا اور دیگر صاحبان مقاتل کا بیان ہے کہ مختار کوفہ سے پہلے کربلائے معلی میں آئے اور قبر مطہر جناب امام حسین علیہ السلام پر حاضر ہوکر شرف زیارت سے

شرف ہوئے اور آداب زیارت بجالا کر کہنے لگے یا سیّدی و مولائی میں آپ کے جدّ بزرگوار و پدر عالیمقدار کی قسم کھا کر آج سے عہد کرتا ہوں کہ جب تک آپ کے قاتلوں سے آپکے خون ناحق کا بدلا نہ لیلوں گا اور ان کے وجود نامسعود سے دُنیا کو خالی نہ کرلوں گا کبھی خوشگوار کھانا نہ کھاؤں گا۔ اور ٹھنڈا پانی نہ پیوں گا اور کبھی نرم بستر پر نہ لیٹوں گا۔

المختصر۔ قبر منور سے رخصت اور شہر کوفہ میں داخل ہو کر مختار علیہ الرحمہ اپنی کوششوں میں مصروف ہوئے۔ اس وقت تک اہل کوفہ کا مرجوعہ سلیمانؓ ابن صرد خزاعی کی طرف تھا اور تمام شیعہ بکمال رغبت اُس وقت سلیمان رضی اللہ عنہ کی طرف مائل تھے۔ اس واسطے جب تک کہ سلیمان کے مساعی جمیلہ کا نتیجہ نہ معلوم ہولے ان کے معاملات میں برابر دیر ہوتی گئی اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ سلیمان کے مقابلہ میں یہ کامیاب نہ ہو سکے۔ جبتک کہ وہ اہل شام کے معاملات میں مصروف رہے یہ کوفہ میں باقیماندہ شیعیان علی علیہ السلام کو وعظ و نصیحت کر کے اپنی طرف راغب کرتے رہے۔ بعض مخالفین نے اسکی خبر ابن زبیر کے عامل عبداللہ ابن زید کو پہنچادی۔ اُس نے مختار کو پھر نظر بند کر دیا۔ یہ مختار کی دوسری گرفتاری تھی۔ مگر اب کی بار بھی عبداللہ ابن عمر کے ذریعے سے اپنی رہائی کرالی۔ قید سے چھوٹ کر پھر اُسی استقلال اور استحکام سے اپنے دلی ارادوں کی تعمیل و تکمیل کی طرف ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ جب سلیمان ابن خزاعی رضی اللہ عنہ اور اُن کے خالص جاں نثاروں کی شہادت کی خبر کوفہ میں پہنچی تو تمام شہر میں ایک کہرام مچ گیا۔ کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو صفِ ماتم سے خالی رہا ہو۔ اور کوئی ایسا قبیلہ نہیں تھا جس کے بوڑھے یا جوانوں کی عزا کا سامان نہ کیا گیا ہو۔ ایک تو اہلِ کوفہ اس وقت عام طور سے پُرجوش ہو رہے تھے۔ اب سلیمان کے غضبناک واقعہ سے اور متاثر ہو کر اپنے آپے میں نہ رہے اُن کے کلیجوں میں قیامت کی چوٹ لگی۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ دُنیا تاریک ہو گئی اور ہر شخص فرزند رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قصاص لینے پر اپنی جان سے آمادہ ہو گیا۔ پھر کیا تھا۔ مختار علیہ الرحمہ کی کامیابی کے دروازے کھُل گئے اور اُن کے حصول مقاصد اور اجرائے مطالب کے سامان مشیت ایزدی کے ذریعہ سے مہیا اور فراہم ہونے لگے۔

مروان کی موت۔ اسی اثنا میں مروان بھی نو مہینہ نظام سقیفی بادشاہی کا مزا چکھ کر مرگیا

اسکی موت کا سبب بعض مؤرخین نے یوں لکھا ہے کہ اُمّ خالد نے کھانے میں زہر دید یا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ جب عبدالملک کو معلوم ہوا کہ مروان نے ابن زیاد سے اس شرط پر سلطنت شام حاصل کی ہے کہ تاوقتیکہ خالد ابن یزید بالغ نہیں ہوتا یہ اُسکے ولی رہکر امور سلطنت کو باختیار خود انجام دیتے رہینگے۔ جب خالد میں اُمور سلطانی اور جہانبانی کی صلاحیت آجائیگی تو یہ سلطنت حسب قاعدہ وراثت خالد ابن یزید کو واپس دی جائیگی تو عبدالملک مدینہ سے جھپٹا اور شام میں پہنچکر بوڑھے باپ کی خوب لے دے کی۔ اور اُس کو ایسا تنگ پکڑا کہ آخر الامر وہ اپنے اس عہد کو توڑ ڈالنے پر رضامند ہوا۔ شدہ شدہ یہ خبر اُمّ خالد کو بھی پہنچی۔ تو اُسنے ایک دن جب مروان سونے آیا تو اُسکے منہہ پر تکیہ رکھکر داب دیا کہ اُس کا سلسلۂ تنفس منقطع ہو گیا اور اُسکا دم گھٹکر نکل گیا اور بعضوں نے اس کے مارنیکی یہ ترکیب لکھی ہے کہ مروان جب سو گیا تو اُمّ خالد نے ایک چادر سے اسکو چھپا کر اپنی محل کی لونڈیوں کو حکم دیا کہ چادر کو چاروں طرف سے دبا کر بیٹھ جائیں۔ لونڈیوں نے تعمیل حکم کی۔ نتیجہ وہی ہوا جو اوپر لکھا گیا۔ اوپر کا دم اوپر نیچے کا نیچے رُک کر رہگیا اور مروان مرگیا۔ صاحب روضۃ الصفا نے اس کے مرنے کے اسباب میں یہ تینوں سبب داخل کر دیے ہیں۔

عبدالملک ابن مروان کی خلافت اور حکومت

مروان کی موت۔ عبدالملک کی تخت نشینی اور ملک عراق کی بدامنی کی متواتر خبریں جب عبداللہ ابن زبیر کو پہنچیں تو اُسنے عبداللہ ابن زید۔ ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ موجودہ عاملان کوفہ کو معزول کر کے عبداللہ ابن مطیع کو کوفہ کی امارت پر بحال کیا۔

عبداللہ ابن مطیع اور اہل کوفہ۔ عبداللہ ابن مطیع نہایت تزک و احتشام سی کوفہ میں داخل ہوا۔ مسجد جامع میں آیا اور اس مضمون کا خطبہ تمام اہل کوفہ کے سامنے پڑھا کہ ایہا الناس مجھ کو عبداللہ ابن زبیر نے تم لوگوں کے پاس اس غرض سی بھیجا ہے کہ میں تمہارے ملک کا انتظام تمہارے ہی مشورے سے کروں اور یہاں کا خراج بھی تمہاری ہی صلاح و تجویز سے تحصیل کروں۔ میں تم لوگوں میں عمر ابن الخطاب اور عثمان ابن عفان کے طریقہ پر حکم کرونگا کہ تم لوگ موجودہ مخالفت اور بدامنی سے دست بردار ہو کر تقوے اور پرہیزگاری کے راستوں کو اختیار کرو۔

موجودہ حاضرین کے مجمع سے سائب ابن مالک اشعری اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ای امیر کسی کو عمر ابن الخطاب اور عثمان ابن عفان کے طریقہ میں کوئی کلام نہیں ہے مگر اس وقت اہل کوفہ کی خواہش دلی یہی ہے کہ اب ہم لوگوں میں جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے طریقہ کو اختیار کیا جائے اور اگر آپ اُنکی روش نہ اختیار کرینگے تو ہم کسی طرح آپ کی متابعت کو پسند نہ کرینگے۔ سائب کی صائب رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ اور یکزبان ہو کر عبداللہ ابن مطیع سے یہی فرمایش اور فہمایش کی اور کہنے لگے کہ جو کچھ سائب نے کہاہے اُس سے زیادہ ہماری اور کوئی خواہش نہیں ہے۔

عبداللہ ابنِ مطیع جیسا دل کا بودا تھا وہ واقعۂ حرّا کے حالات سے ظاہر ہے اہل کوفہ کے رُخ بے رخ دیکھکر کہنے لگا کہ اچھا آپ لوگ خاموش رہیں۔ ہم آپ ہی لوگوں کی تجویز کے مطابق کام کرینگے۔ یہ کہکر عبداللہ ابن مطیع مسجد سے قصرِ امارت کو واپس گیا۔

مختار کا تیسری بار قید ہونے سے بال بال بچنا۔ مقارن ابنِ ایاس ابن مضارب العجلی جو عبداللہ ابن مطیع سے پہلے شہر کوفہ کا کوتوال تھا۔ ابن مطیع سے کہنے لگا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے جس نے اس دلیری سے منبر پر آپ کی تقریر کو کاٹ دیا۔ اور آپ کی مرضی کے خلاف اپنی تجویز ظاہر کی اور تمام اہل کوفہ کو اپنا ہمزبان اور ہمکلام بنالیا یہ شخص مختار ابن ابوعبیدہ ثقفی کے اصحاب خاص سے ہے۔ اہل کوفہ کی جماعتِ کثیر نے مختار کی بیعت کی ہے، اور وہ بہت جلد خروج کرنے والا ہے مصلحتِ وقت یہی ہے کہ آپ اسی وقت مختار کو بُلا کر قید کرلیں۔ ورنہ آپکی حکومت میں استقلال و استحکام آنا دشوار ہوگا۔ عبداللہ نے مقارن کے کلام سُنکر زائدہ ابن قدامہ اور حسین ابن عبداللہ ہمدانی کو مختار کی طلبی میں بھیجا۔ مگر مختار سے زائدہ نے باتوں باتوں میں اصل مطلب کو کہدیا اور یہ آیہ وافی ہدایہ واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک تلاوت کیا۔ مختار لفس مطلب کو سمجھ گئے اور طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کرکے عبداللہ کو ٹال دیا اور اُسی وقت عبداللہ ابن شریح الہمدانی کے گھر آئے اور تمام شیعہ وہیں جمع ہوئے اور قاتلان امام حسین علیہ السلام سے قصاص لینے کی تجویزیں ہونے لگیں۔ مختار نے کہا کہ اب عبداللہ کا یہ ارادہ ہے کہ ہم سے جنگ کرے۔ میری دانست میں اب ہمارے ظاہر ہونے کا بھی وقت آگیا۔ سب نے تو

اسے قبول کیا مگر سعید الجعفی نے کہا کہ تھوڑے دنوں تک اور توقف لازم ہے کہ ہم لوگ اپنے ہتھیار درست کرلیں اور مقابلہ و مقاتلہ کی دیگر ضروریات بھی فراہم ہولیں۔

حضرت محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ سے استفتاء۔ مختار تو چلے گئے اب باقیماندہ لوگوں میں یہ صلاح ہوئی کہ مختار کا یہ بیان کہ ہم جناب محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے خون امام مظلوم کے قصاص کے لیے مخصوص طور پر مقرر ہو کر آئے ہیں کہاں تک صحیح ہے دریافت کرنا چاہیے۔ اس امر کے تصفیہ کے لیے یہ طے پایا کہ ہم میں سے چند آدمی مدینہ جائیں اور حقیقت حال دریافت کر آئیں۔ اگر واقعی حضرت محمد حنفیہ کی اجازت ہے تو ضرور ہم مختار کے شریک ہو کر اس امر کی سعادت حاصل کرینگے اور اگر نہیں تو ہم اپنی موجودہ حالتوں میں کوئی غیر اطمینان اور بدامنی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ غرض یہی صلاح کر کے شیعیان کوفہ میں سے چند بزرگ واکابر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب محمد حنفیہ نے ان لوگوں سے ملکر اپنے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق کا پورے طور سے اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ غیر موسم حج میں آپ لوگوں کا اس طرف سفر اختیار کرنا کس سبب سے ہوا۔ اُن لوگوں نے اپنی حاضری کی اصلی غرض عرض کی اور سارا قصہ بیان کیا اور یہ بھی کہنے لگے کہ ہم نے انتقام امام علیہ السلام کی متبرک شرط پر مختار کی موافقت و متابعت اختیار کی ہے۔ اب اگر آپ کی اجازت ہے تو ہم اپنے سر اور آنکھوں سے یہ مقدس خدمت بجالائیں اور اگر آپ اجازت نہیں دیتے تو پھر ہم بھی اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں۔

اُن کے کلام سُنکر حضرت محمد حنفیہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ان ارادوں کی نسبت صرف یہی کہتا ہوں کہ ھذا فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم باقی رہا میرے برادر بزرگوار علیہ السلام کے واقعۂ شہادت پر جس قدر آپ لوگ متاثر ہوئے ہوں اُس کی حقیقت یہ ہے کہ امر شہادت لوح محفوظ میں مقدر ہو چکا تھا اور اُس کے عوض میں اُنکے لیے درجات علیہ معین ہو چکے ہیں اور حسنات رفیعہ ہمارے واسطے مقرر ہو چکے ہیں۔ باقی رہا امر قصاص جسپر تم لوگوں نے اپنی ہمتوں کی کمریں باندھی ہیں وہ ایسا امر عظیم الشان ہے کہ باللہ الذی لا الہ الا ہو۔ ہماری دلی خواہش تو یہی ہے کہ تم پر کیا منحصر ہے جس بندے کو خدائے قادر و توانا اس امر خیر کی توفیق عطا فرمائے وہ ہمارے ان مصائب و شدائد کا جو معاندین کے ہاتھوں ہم پر گزر گئے۔ عوض لے۔

جناب محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کے کلام سنکر اہل کوفہ کو مختار کے دعوے کی تصدیق ہو گئی وہ مدینہ سے خوشی خوشی واپس ہوئے۔ اور مختار کے ہمہ تن مطیع و منقاد ہو کر امر قصاص پر مستعد ہو گئے۔ مختار کے تمام امور میں ہر طرف سے پختگی آگئی۔ اب تمام شیعہ گروہ کا مجمع مختار کے پاس ہونے لگا اور ہر شخص ان کو اپنا سردار اور امیر سمجھنے لگا۔

ابراہیم ابن مالک اشتر کی شراکت - یہ تو سب کچھ ہو گیا مگر ابھی تک ابراہیم ابن مالک اشتر کی شرکت نہیں ہوئی تھی اور اُن کی موافقت و مشارکت بغیر یہ کام چلتا نظر نہیں آیا چنانچہ ابو عثمان الہندی اور عامر الشعبی اور چند دیگر معززین شیعہ ابراہیم کی خدمت میں گئے اور یزید ابن انس نخعی بھی جو صاحب شمشیر و تقریر دونوں تھا ابراہیم سے صورت واقعہ بیان کر دی۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ میں تمہاری سب کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ تم لوگ میرے کہنے پر عمل کرو اور میری ہدایت پر چلو۔ یزید ابن انس نخعی نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم میں امارت و حکومت کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ مگر چونکہ ہم لوگ مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی کو اس امر میں اپنا امیر بنا چکے ہیں، اب پیمان شکنی نہیں کر سکتے۔

ابراہیم اُن کا جواب سنکر خاموش ہو گئے۔ اُس دن تو یہ بات ہو کر رہ گئی۔ وہاں سے واپس آکر ان لوگوں نے مختار سے ابراہیم کی ملاقات کا سارا حال بیان کر دیا۔ مختار بھی ساری روئداد سُنکر خاموش ہو رہے اور ابراہیم کی شرکت کے ضروری مسئلہ پر تین دن تک غور کرتے رہے۔ تین دن کے بعد مختار خود ابراہیم کے مکان پر گیا۔ ابراہیم نے نہایت تعظیم و تکریم سے مختار کو اپنے پہلو میں بٹھلایا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے ان سے ان کے آنے کی وجہ پوچھی تو مختار نے کہا کہ یہ امر تم پر ظاہر ہے کہ میں اس شہر کوفہ میں کسی کے گھر نہیں جاتا مگر جو ضرورت مجھ کو تمہارے گھر کھینچ لائی ہے وہ بھی تم کو بخوبی معلوم ہے۔ اب اس سے زیادہ اصرار و اظہار کی کوئی ضرورت نہیں یہ حضرت محمد حنفیہ کا خط ہے جو مدینہ سے تمہارے نام آیا ہے جس پر تم کو عمل کرنا واجب و لازم ہے۔

ابراہیم نے خط کھولکر پڑھا تو اُسکا مضمون یہ تھا کہ تم کو امر قصاص میں مختار کی مشارکت اور نصرت ضروری ہے۔ اگر تم ان کی نصرت و حمایت میں کامیاب ہو گئے تو کوفہ و شام

تک کا ملک تمہارے اختیار میں دیا جائے گا اور مجھ پر تمہارا یہ احسان ہمیشہ کیلیے قائم رہیگا اور اگر تم نے کوئی عذر کیا یا مختار کے خلاف کوشش کی تو پھر دنیا و عقبیٰ میں خسارت تم کو نصیب ہوگی۔

ابراہیمؒ نے قبل اس کے کہ اس خط کی تعمیل یا غیر تعمیل کی نسبت کچھ کہیں مختار سے اتنا پوچھا کہ جناب حنفیہؓ کے اکثر خطوط میرے نام آئے ہیں مگر اُن میں صرف محمد لکھا رہتا تھا۔ مگر بخلاف ان سب کے یہ خط جو تم لائے ہو اس کے لفافہ پر محمد ابن علی لکھا ہے۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ مختار نے اس کے جواب میں یہ کہکر ابراہیم کو مطمئن کر دیا کہ وہ زمانہ اور تھا اور یہ وقت اب اور ہے ابراہیمؒ کو اس جواب پر بھی کامل تسکین نہیں ہوئی تو اُس نے موجودہ لوگوں کی شہادت طلب کی۔ سب نے شہادت دی کہ یہ خط خاص حضرت محمد حنفیہ کا لکھا ہوا ہے۔ اتنی کامل اور گہری تحقیق کے بعد ابراہیمؒ نے اُٹھکر مختار سے بیعت کی اور یہ اُسی دن سے ان کے تمام اُمور میں شریک ہو گئے۔

مختار علیہ الرحمہ اور ابراہیم کی کوششیں!

ابتو مختار علیہ الرحمہ کا بازوئے ہمت اور قوی ہو گیا اور ایسے مرد دلاور دلیر روزگار کو اپنا مطیع پاکر اُسکا دل اور بڑھ گیا۔ ابراہیمؒ کو دیکھکر شیعیان علی ابن ابیطالب علیہ السلام اُسی دن سے روزانہ مختار کے پاس جمع ہونے لگے۔ اور امر قصاص کی نسبت مشورے کرنے لگے۔ جب ہر طرف سے تمام سامان مہیا ہو گئے تو ایکبار انکی دسہزار یا بارہ ہزار جمعیت نے چودھویں ربیع الآخر ۶۶ھ ہجری کو تمام کوفہ پر اپنے حملات گرانبار شروع کر دیے اور یالثارات الحسین علیہ السلام کے پر زور نعروں سے آسمان و زمین کو ہلا دیا اُس کی تفصیل یہ ہے:۔

ابراہیم ابن مالک اُشتر اور مختار کے ان ارادوں کی خبر عبداللہ ابن مطیع کو ہوئی جو ابن زبیر کی طرف سے کوفہ کا عامل تھا تو اُس نے ایاس ابن مضارب کو تمام محلات شہر کی نگہبانی اور کامل حفاظت کرنے کے لیے پوری تاکید کر دی تھی۔ ایاس ابن مضارب کو توال شہر تھا اس خبیث سے اُسنے تمام محلوں کی حفاظت کا پورا انتظام کر لیا۔ چودھویں ربیع الاخر کی رات کو اُس نے ابراہیم ابن مالک اُشتر کو اپنے مسلح اصحاب و انصار کے ساتھ دیکھکر پوچھا کہ تم لوگ آدھی رات کو کہاں جاتے ہو۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ اس وقت ہم

لوگوں کو ایک اتفاقی مہم پیش آئی ہے، ہم لوگ اُسی کے دفعیہ کے لیے جاتے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ تمہارا صرف حیلہ ہے۔ فی الحال تم لوگوں کے جوارادے ہیں اُسکی ہم کو بھی خبر مل چکی ہے۔ غرضکہ میں تجھے جانے نہ دونگا۔ یا تو تم لوگ مجھے مارے جاؤ یا امیر کے پاس چلو۔ اتنا سُننا تھا کہ ابراہیم نے کہا کمبخت تو بھی قاتلانِ حسین علیہ السلام سے ہے۔ اتنا کہکر اور اپنے ایک ہمراہی کا نیزہ لیکر اُس کے سینے پر اس زور سے مارا کہ وہ چت ہوکر زمین پر آرہا اور گرتے ہی مرگیا۔ ایاس کے ہمراہی تو اُسی وقت صورت واقعہ معلوم کرکے بھاگ گئے اور ابراہیم ایاس کا سر لیکر مختار کے پاس آئے اور صورت حال بیان کرکے کہا کہ اب زیادہ تاخیر کا موقع نہیں ہے۔ فوراً دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اب جانبین سے مقابلہ اور مقاتلہ میں کوئی دیر نہیں ہے۔ مختار نے جواب دیا کہ البشرک اللہ بالخیر۔ یہ پہلی ہی فتح ہے جو تمہارے دست وبازو کی کوششوں سے حاصل ہوئی ہے۔

یہ کہکر مختار علیہ الرحمہ نے دشمنوں سے مقابلہ کا سامان کیا اور رفاعہ ابن شداد بجلی۔ قدامہ ابن مالک وسعید ابن منقذ کو حکم دیا کہ تمام محلّوں میں یا آل ثارات الحسین علیہ السلام کے نعرے بلند کریں۔ ایسا ہی ہوا کہ ان کے پُرجوش نعرے سُن سُنکر تمام خلقت مختار کے مکان پر آنے لگی مختار بھی سلاح جنگ سے آراستہ ہوکر اپنی جمعیت کے ساتھ نکل پڑے اور نہایت عجلت سے اُس مقام پر پہنچے جہاں مخالفین پہلے سے جمع تھے۔ اُن پُرہمت دلیروں نے پہنچتے ہی گروہ مخالفین پر اپنے متواتر اور متصل حملات شروع کردیے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی موجودہ جمعیت کو متفرق کردیا۔ تمام اسلامی مورخ لکھتے ہیں کہ مختار اُس وقت حملہ کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے :۔

اللّٰھمّ انّما عصینا لاھل بیت نبیّک محمّد فانصرنا علیٰ من قبلھم وتمّم لنا دعوتنا انّک علیٰ کلّ شئ قدیر۔

ابھی یہ گروہ ہزیمت اُٹھا کر ہٹا تھا کہ سوید ابن عبدالرحمٰن ایک جمعیّت کثیر کے ساتھ آکر ان کا سدِّ راہ ہوگیا۔ ابراہیم ابن مالک اُشتر نے یہ حال ملاحظہ فرماکر اپنے ہمراہیوں کو آواز دی کہ یہی قاتلانِ امام حسین علیہ السلام کا گروہ ہے ان سے پورا مقابلہ کرکے نجاتِ دارین حاصل کرو۔

ابراہیم کی اس تقریر میں کیسی حقّانیت کی تاثیر تھی کہ اُس کے تمام ہمراہی اُسکا کلام سُنتے ہی ایکبار

پیادہ پا ہوگئے اور اپنی تلواریں دشمنوں کے مُنہہ پر گھسیٹ لیں سخت معرکہ پڑا نتیجہ یہ ہوا کہ شویدابن عبد الرحمٰن کے ہمراہی بھاگ گئے اور مختار کُناسہ میں جمع ہوئے۔
اِس کے بعد ایک دوسرے مخالف گروہ کی نوبت آئی۔ اس جماعت کثیر کا سردار شبث ابن ربعی تھا اور حجار ابن ابجر تھا۔ یہ دونوں بدنصیب ازلی وہی تھے جو معرکہ کربلا میں لشکر یزید کے ممتاز عہدوں پر معین تھے اور خونِ حسین علیہ السلام میں سب سے زیادہ کوشش کرنے والے وہی سنگدل تھے۔ حجار ابن ابجر موکلان آب فرات میں چار ہزار سواروں کا سردار تھا اور غاضریہ کے گھاٹ کا پہرہ دار تھا۔
شبث ابن ربعی کا نام اور اُس کے ظلم وستم ایسے عام ہیں کہ ہم کو اسکی معرفت کرانیکی چنداں ضرورت نہیں۔ بہرحال اس جمعیت سے بھی مقابلہ کی ٹھہری۔ اور بہت سخت خونریزی واقع ہوئی۔ اس کا نتیجہ بھی شبث ابن ربعی کی شکست اور ہزیمت پر ہوا۔ اُس کے ہمراہی بھاگ گئے۔
اِس کے بعد ابوعثمان الہندی جو مختار کے بہت بڑے لائق اور کار کردہ اصحاب میں تھے کھڑے ہوئے۔ یا آل ثارات الحسین علیہ السّلام الیّ الیّ ایھا المھتدون کے پُرجوش اور پُرزور نعرے بلند کرنے لگے۔ ان کی بلند آوازوں نے باقیماندہ شیعہ جماعت کو اپنے پاس سمیٹ لیا۔ تمام مؤرخین اسلامی کا بیان ہے کہ رات بھر جانبین میں تلواریں چلتی رہیں۔ صبح ہوتے ہی مختار نے اپنی جمعیت کو شہر سے صحیح وسلامت نکالکر دیر ہند میں قیام کیا۔
مقتل ابومخنف میں حمید ابن مسلم ونعمان ابن ابی جعدہ کے اسناد سے لکھا ہے کہ مختار نے اُس دن صبح کی نماز میں امامت کی رکعت اوّل میں سورۂ والنّازعات اور رکعت دوم میں سورۂ عبس اس فصاحت وبلاغت سے پڑھا کہ آج تک کسی دوسرے نے نہیں پڑھا تھا۔ نماز صبح پڑھکر اپنی ہمراہی فوج کا جائزہ لیا تو بارہ ہزار آدمیوں میں سے کُل تین ہزار سپاہی شمار میں آئے۔ مختار کا دل اُس وقت بالکل تھوڑا ہوگیا اور قریب تھا کہ اُس کے ارادوں میں لغزش اور کمی آئے۔

عبداللہ ابن مطیع کا مختار پر حملہ

ابھی مختار اپنی فکروں میں غرق تھے کہ عبداللہ ابن مطیع نے ایک جرار فوج جرار تا بل

اور کار کردہ افسروں کی ماتحتی میں اس تفصیل سے روانہ کی کہ شبث ابن ربعی کی ماتحتی میں چار ہزار اور راشد ابن ایاس کے زیر فرمان تین ہزار اور حجار ابن الجر کے زیر کمان تین ہزار اور عصاب ابن قشعری کے ہمراہ تین ہزار اور شمر ذی الجوشن اور عکرمہ ابن ربعی کے ساتھ تین ہزار اور عبد الرحمٰن ابن سوید کے ہمراہ اور شداد ابن منذر کی ہمراہی میں تین ہزار روانہ کیے۔ عبد اللہ ابن مطیع کا لشکر اُنیس ہزار مجموع تھا۔ مختار کے معاملات میں تائید ربانی کا شامل ہونا اسی ایک واقعہ سے کامل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مختار نے اپنی کُل تین ہزار فوج سے اتنے بڑے جرّار لشکر کا ایک بار مقابلہ کر دیا۔

جنگ دیر ہند۔ صبح اوّل وقت سے مقام دیر میں یہ لڑائی شروع ہوئی اور پہر دن چڑھتے چڑھتے مختار کے ہمراہیوں نے اپنی دلاوری اور جرأت کے بے نظیر جوہر دکھلا کر عبد اللہ ابن مطیع کی اُس جمعیت کو منتشر کر دیا اور وہ اپنے سروں پر پاؤں رکھکر اُفتاں و خیزاں باصد حال پریشاں بہت بڑی ذلت و رُسوائی سے بھاگ کر شہر میں چلے گئے اللہ رے مختار کی دلیری کہ اپنے اُسی تین ہزار سپاہیوں سے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا اور شہر میں گھسکر ہر گلی و کوچہ میں وہ قتل عام مچایا کہ کُشتوں کے پشتے لگ گئے جسم اور سروں کے انبار دیواروں سے لگ گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ابراہیم ابن مالک اشتر اور مختار کی تیغ شرربار کے خوف سے قوم مخالف کے جتنے عمائد اور روسا رہتے تھے قصر دار الامارہ میں روپوش ہو گئے اور چاروں طرف سے کواڑ بند کر کے کسی نہ کسی طرح اپنی جانوں کی حفاظت کی تدبیر کرنے لگے۔

بعض تاریخیں یہ بیان کرتی ہیں کہ مختار کے اس تیسرے حملہ میں مختار نے عبد اللہ ابن مطیع سے رو در رو مقابلہ کیا تھا جانبین سے جب حملات گرانبار ہونے لگے تو شبث ابن ربعی نے نعیم ابن ہبیرہ کو جو مختار کے اصحاب مخصوصین میں سے تھا مار گرایا۔ جس کا بہت سخت صدمہ مختار کو ہوا۔ اُسنے فوراً اپنی فوج کو کلمات ہمت خیز کہکر تازہ دم اور پُرہمت کر لیا ابراہیم ابن مالک اشتر نے نعیم ابن ہبیرہ کے عوض میں راشد ابن ایاس کو جو فی الحال شحنۂ شہر تھا اپنی تیغ شرربار کی ضرب سے دو ٹکڑے کر ڈالا۔ یہ دیکھکر ہمراہیانِ مختار نے تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ عبد اللہ ابن مطیع کا جتنا دل تھا اور جیسے وہ بہادر تھے وہ اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے۔ ہمراہیانِ مختار کی یہ ہمت اور پُرجوشی

دیکھکر اُن کے تو ہوش و حواس جاتے رہے۔ میدان جنگ سے کھڑے پاؤں بھاگ نکلے اور اپنے ہمراہیوں سمیت دار الامارہ میں روپوش ہو گئے اور عبد اللہ ابن زید ابن حارث کو ایک دستہ تیر اندازوں کا دیکر دار الامارہ کے دروازے کی حفاظت پر مقرر کیا مختار علیہ الرحمہ نے جب اپنے ہمراہیوں کو آگے بڑھایا۔ عبد اللہ ابن زید کے ماتحت تیر اندازوں نے روکنا چاہا مگر ان پرہمت دلیروں نے اپنے سینوں کو اُن کے نشانوں کے لیئے چاندماریاں بنا دینے میں ذرا بھی خوف نہ کھایا بلکہ اُسی طرح اُنکی گھنی صفوں کو توڑتے ہوئے دار الامارہ کے دروازے تک پہنچ گئے اور پہنچتے ہی ہر شخص نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ مختار نے اپنی موجودہ جمعیت کو دار الامارہ کے محاصرہ کا حکم دے دیا اور جوانان عالی ہمت و دلیران پرحوصلہ و شجاعت نے چاروں طرف سے دار الامارہ کو گھیر کر آمد و رفت اور داد و ستد قطعی طور پر بند کر دی۔

تین شبانہ روز تک محاصرہ کی ایک کیفیت رہی۔ آخر کار عبد اللہ ابن مطیع نے ہر طرف سے مجبور ہو کر مختار سے بصد لجاجت و سماجت امان کی درخواست کی مختار نے اُسکی استدعا کو اس شرط پر منظور کیا کہ وہ اسی وقت شہر چھوڑ دے چنانچہ اُسکے ہوا خواہ اُسکو رات ہی رات کو شک خورد کے راستے سے نکالکر شہر سے باہر لے گئے۔ اور عبد اللہ ابن مطیع بہزار خرابی لسیار۔ کوفہ سے پاپیادہ اندھیری رات کے اخیر حصہ میں شہر کی پرآشوب گلیوں میں جاسوسوں اور نگہبانوں کی آنکھیں بچاتا ہوا بیرون شہر ابو موسیٰ الاشعری کے گھر میں فرود ہوا اور وہاں سے دوسرے دن مدینہ واپس گیا۔ مدینہ میں پہنچا تو عبد اللہ ابن زبیر نے اس بیچارہ کی وہ لے دے کی کہ اُس کو وہاں بھی قیام کی کوئی صورت نہیں دکھلائی دی۔ آخر کار عبد اللہ ابن مطیع مدینۂ منورہ سے اُٹھکر بصرہ میں مقیم ہوا۔

یہ تھی عبد اللہ ابن مطیع موجودہ امیر کوفہ کی چند روزہ امارت و ولایت کی حالت۔ عبد اللہ ابن زید اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ کو معاملات مختار کے امتناع کی نسبت ناکافی سمجھ کر ابن زبیر نے کوفہ کی امارت ان کے سپرد کی تھی، ان کی ذلت و رسوائی کی جو حالت ہوئی وہ ظاہر ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن مطیع دونوں میدان جنگ کے کام کے نہ تھے۔ توڑ جوڑ۔ مکر و فریب اور حیلہ و حوالہ سے یہ لوگ جہاں تک اپنے کام نہ نکال لیں وہ یقین ہو سکتا ہے۔ مگر میدان جنگ میں سوائے بھاگ جانے یا منہہ کی کھانے کے ان سے بنائے کچھ بھی نہ بن سکتی تھی۔

جن لوگوں کو تاریخوں کے دیکھنے کا مذاق سلیم حاصل ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ جنگ جمل کے واقعات میں ابن زبیر نے جس جس حیلہ سے اپنی خالۂ محترمہ عائشہ کو اُبھار کر اس جنگ عظیم کی بنیاد ڈالی جس میں ہزاروں مسلمانوں کے خون ناحق ہوئے وہ تمام تاریخوں میں عام طور سے درج ہے۔ مگر میدان جنگ میں پہنچکر ان کی پُرجوشی اور دلیری سے جو کچھ بن آیا وہ زبیر کا قتل طلحہ کی موت اور عائشہ کی رسوائی و بربادی صاف صاف لفظوں میں بتلا رہی ہے۔ اسی طرح ابن زبیر نے جن جن چالوں سے امام حسین علیہ السلام کو مکّہ میں نہ رہنے کی صلاح دی اور بہت جلد عراق تشریف لیجانیکی تجویز کو پسند کیا وہ بھی ان کی خود غرضی کی روشن دلیل ہے۔ انہیں کے ایسے عبداللہ ابن مطیع بھی تھے۔ ع وزیرے چنیں بادشاہے چناں۔ یہ حضرت بھی وہی ہیں جنہوں نے اہل کوفہ کی تلوار سے ڈرا کر امام حسین علیہ السّلام کو قصد عراق سے باز رکھنا چاہا تھا اور اسی حیلہ سے آپ کی ہمت۔ استقلال اور استحکام طبعی کا اندازہ لینا چاہا تھا۔ ان کا فطرتی جبن تو یہیں سے ظاہر ہے۔ واقعۂ شہادت کے بعد یہ بھی ابن زبیر کے ہمخیال ہوئے۔ اور واقعہ حرّہ میں اہل مدینہ کے سپہ سالار اور سردار بنے۔ اس لیے کہ کام کرے سپاہی۔ نام ہو سردار کا۔ اس سرداری کا نتیجہ کامیابی کے ساتھ ہوا تو کسی صوبہ یا کسی علاقہ کی امارت پر اپنا استحقاق تو ضرور ہو جائیگا۔ مگر معاملہ برعکس ہوا۔ اس سرداری میں کامیابی کی صورت دیکھنی تو نصیب نہ ہوئی۔ مگر ہاں مسلم ابن عقبہ کے مقابلہ میں میدان جنگ سے بھاگ جانے کی ذلت و خواری سے البتّہ سامنا ہوا۔ اس کے علاوہ شرفائے مدینہ کی ذلت و تحقیر۔ اہل شہر کا قتل عام اور غریب پردہ نشین مستورات کی بے عصمتی اور ہتک حرمت کا وبال ہمیشہ کے لیے ان کے دامنگیر حال رہا۔ کیونکہ ان کی محافظت و حراست اُسی لشکر کی بدولت تھی جسکی سپہ سالاری اور سرداری ان سے تعلق رکھتی تھی۔ پھر جب ان کے فطرتی جبن اور ذاتی بزدلی کی یہ کیفیت ہو تو یہ بیچارے مختار اور ابراہیم ابن مالک اشتر کی پُرجوشیوں اور دلیریوں کے سامنے کیا ٹھہرتے۔ یہ دو چار روز کوفہ میں جو ٹھہر بھی گئے تو وہ اہل کوفہ کی جمعیت اور قاتلان امام حسین علیہ السلام کی نصرت و حمایت کی تقویت پر۔ ورنہ ان سے اور مقابلہ سے کیا واسطہ۔

کوفہ میں امیر مختار کا تسلط۔ اتنا لکھکر ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں

عبداللہ ابن مطیع کے موجودہ ہنگامہ کے فرو ہوجانیکے بعد شہر کوفہ کیا تمام ملک عراق پر مختار کا پورا پورا تسلّط ہوگیا اور مختار بھی با اطمینان تمام ملکی انتظام کی طرف مصروف ہوئے۔ دار الامارۃ کوفہ کے بیت المال میں بارہ ہزار درم پائے گئے۔ وہ اُسی وقت اہلِ شہر پر تقسیم کردیے گئے۔ جب اس تقسیم سے بھی فراغت ہوئی تو مختار نے تمام ملکوںمیں اپنی طرف سے عامل مقرر کرکے روانہ کیے۔ عبدالرحمن ابن قیس ہمدانی کو شہر موصل میں بھیجا اور عبدالرحمن ابن حارث کو ولایت ارمینیہ کی طرف روانہ کیا۔ محمد ابن عمیر کو صوبہ آذربائیجان اور سعد ابن حذیفہ یمانی کو صوبۂ حلوان کا حاکم مقرر کیا۔ اسی طرح تمام ملکی عہدے ہوشیار اور آزمودہ کار لوگوں کو سپرد کیے۔ ان میں سے ہر شخص نے اپنی استعداد اور قابلیت کے زور سے اپنے اپنے فرائض منصبی کے تمام خدمات باحسن الوجوہ انجام دیے۔ اور اپنے اپنے ممالک متعلقہ کے لوگوں کو مختار کا مطیع ومنقاد بنا کر اُن کی حکومت وسلطنت کا سکّہ بٹھلادیا امارت لشکر ابراہیم ابن مالک اشتر کے متعلق ہوئی۔ قضا کا عہدہ پہلے قاضی شریح کے متعلق کیا۔ مگر پھر یہ سُنکر کہ یہ سُنّت عثمانی کے مطابق فتوے دیتا ہے اُس کو معزول کردیا۔

عبدالملک ابن مروان کی ملک شام میں سلطنت

اب ہم ملکِ شام کے خاص حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ مروان کے مرنے کے بعد عبدالملک تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ اُس نے ابن زیاد کو جو مروان کے وقت سے کاروبار ملکی کا مدار المہام تھا بلا کر کہا کہ میرے باپ نے اپنے زمانۂ حیات ہی میں تجھ کو مہم عراق کے واسطے مقرر کرکے فرقۂ مفسدان کی تنبیہہ کی غرض سے روانہ کیا تھا۔ اور تو نے بھی حسب الحکم اُس کے وہاں کے مفسدوں کی پوری سرکوبی کردی اور اُنکی امیدوں کو ہمیشہ کے لیے منقطع کردیا۔ اب میری بھی خواہش یہی ہے کہ تجھ کو پھر اُسی ملک کی تنبیہہ اور تسخیر کے لیے روانہ کروں۔ کیونکہ جیسا کچھ فساد اور بدامنی اُس اطراف میں پھیلی ہوئی ہے وہ تیری آنکھوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میری رائے میں تو مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک فوج جرّار کے ساتھ تو کوفہ کو روانہ ہو۔ اور وہاں مختار کے فتنہ وفساد کو کامل طور سے مستاصل کرتا ہوا بصرہ کی طرف متوجہ ہونا اور وہاں مصعب ابن زبیر کی صحبت عیش کا خاتمہ کرتا ہوا حرمین شریفین کی طرف راہی ہوتا اور وہاں عبداللہ

بن زبیر کے چراغِ حیات کو گل کرتا ہوا فتحیاب و منصور تختگاہ دمشق کی طرف واپس ہونا کہ جتنے خدشے میرے ملکی انتظام میں واقع ہو رہے ہیں ایک دفعہ نکل جائیں اور پھر کسی کی طرف سے کوئی خوف یا اندیشہ میرے دل میں باقی نہ رہے۔

ابن زیاد نے بکمال رغبت عبد الملک کی تمام ہدایتوں کو سنا اور اُسکی تعمیل کی فکر دل میں مصروف ہوا اور تھوڑے دنوں میں پورا سامان سفر تیار کرکے اسی ہزار فوج جرار کے ساتھ کوفہ کا رُخ کیا۔ یہاں تک کہ شہر نصیبین تک پہنچا۔ شہر نصیبین تک پہنچکر ابن زیاد نے بیس ہزار فوج جرار کو مقدمۃ الجیش بنا کر شہر موصل کی طرف روانہ کیا۔ عبد الرحمٰن ابن سعد ابن قیس کو جو شہر موصل کا عامل تھا ابن زیاد کی خبر پہنچی تو اُس نے فوراً ایک تیز رفتار قاصد مختار کے پاس کوفہ کو روانہ کیا اور حقیقت حال اُس کو لکھ بھیجی۔ مختار نے اُس کے جواب میں عبد الرحمٰن کو لکھ بھیجا کہ تم شہر موصل سے قلعۂ تکریت میں چلے جاؤ۔ اور یزید ابن انس نخعی کو جو دلاوران زمانہ اور شجاعان یگانہ میں شمار ہوتا تھا۔ تین ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ شہر موصل کی طرف روانہ کیا۔ اور دیر ابو موسے الاشعری تک خود اُس کو پہنچانے آیا۔

یزید ابن انس نخعی اور ربیعہ ابن مخارق غنوی سے مقابلہ

یزید ابن انس نخعی نہایت سرعت سے منزلیں طے کرتا ہوا قلعۂ تکریت میں عبد الرحمٰن سے جا ملا۔ اور پھر عبد الرحمٰن کی موجودہ جمعیت کے ساتھ قلعۂ تکریت سے نکل کر شہر موصل میں جو وہاں سے پندرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے واپس آئے۔ ابن زیاد کو جب یہ خبر پہنچی تو اُس نے ربیعہ ابن مخارق غنوی کو تین ہزار فوج کے ساتھ یزید کے مقابلہ میں روانہ کیا پھر اُس کی کمک میں تین ہزار سپاہیوں کا اور اضافہ کیا۔

اتفاق وقت اسی کا نام ہے۔ جس رات کی صبح کو طرفین سے مقابلہ ہونیوالا تھا اُسی شب کو ایک سخت مرض یزید ابن انس نخعی کو لاحق ہوا اور اُسنے اپنے موجودہ مرض کی وجہ سے سخت بے چینی اور اضطراب میں وہ رات بسر کی۔ مگر باایں ہمہ اُس کے مستقل ارادوں میں سر مو فرق نہیں آیا۔ وہ علی الصباح اُٹھا اور قاعدہ سے اپنی فوج کو میدان جنگ میں آراستہ کیا اور مقابلہ کے تمام سامان نہایت اطمینان سے درست کر دیے۔ اللہ ری ہمت۔ اور اللہ رے استقلال۔ مورخین کا بیان ہے کہ یزید ابن انس نخعی رحمۃ اللہ علیہ میں بیماری کی وجہ سے رفتار کی طاقت نہیں تھی مگر اُس شیر میدانِ شجاعت نے اپنے فرائض منصبی

کو عین بیماری کی حالتوں میں اس طرح ادا کیا کہ خود اپنے الاغ پر سوار ہوا اور چاروں طرف سے اُس کے خادم اُسے سنبھالے رہے اور اُس نے اُسی حالت میں اپنی فوج ہمراہی کو مقابلۂ غنیم کے متعلق پورے طور سے تیار اور آراستہ کر دیا۔ کیا یہ واقعہ اُسکے عدیم المثال استقلال اور بے نظیر ہمت کا کافی ثبوت نہیں ہے۔

بہرحال جب فوج آراستہ ہو چکی تو یزید ابن انس نخعی نے تمام فوج کو مخاطب کرکے کہا کہ تم میری بیماری اور معذوری کی پوری حالت آنکھوں سے دیکھتے جاتے ہو۔ اگر میرا وقت پورا ہو جاوے اور میں مر جاؤں تو میرے بعد میرا چچا زاد بھائی ورقا ابن عازب تمہارا امیر ہوگا اور اگر وہ بھی شہید ہو تو عبد اللہ ابن ضمرہ تمہارا سردار فوج ہوگا۔ اور اگر یہ بھی درجۂ شہادت پر فائز ہوا تو شعر ابن ابی شعر حنفی تمہارا رئیس قرار پائے گا۔

یہ کہکر وہ اپنی سواری سے اُترا اور ایک کرسی پر سامنے بیٹھ گیا۔ لڑائی شروع ہوگئی اور جانبین سے مردان نبرد آزمانے اپنی شجاعت و دلیری کے بیش بہا جوہر دکھلانے شروع کردیے۔ اہلِ شام نے غنیم کو دلیر پاکر اپنے آلاتِ حرب و ضرب کے متصل اور پے در پے واروں سے رد و در رو جواب دینے شروع کر دیے۔ اہلِ شام کے ایک نمودار بہادر کو ورقہ ابن عازب نے مار گرایا۔ اور فوج کو اشارہ کر کے غنیم پر ایکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا اشارہ پاتے ہی پُرجوش اہلِ عراق اہلِ شام کی گھنی صفوں پر تلواریں لیکر ٹوٹ پڑے اور اُن کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ پھر تو وہ قیامت کی خوں ریزی ہوئی کہ کُشتوں کے پُشتے لگ گئے۔

آخر کار اہلِ شام ان کی تیغہائے خون آشام کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور منہہ دکھلانے کی جگہ پیٹھ دکھلانے لگے۔ اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور پھر اُن میں میدانِ جنگ میں ٹھہرنے کی مطلق طاقت باقی نہیں رہی۔ سب کے سب ایکبار بھاگے۔ اہلِ عراق نے اُن کے تعاقب میں فوراً اپنے گھوڑے ڈال دیے اور اُن کو مارتے بھگاتے ابن زیاد کی فرودگاہ تک پہنچا دیا۔ جو میدانِ جنگ سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ اس معرکہ میں تین سو معززین شام اسیر ہوئے۔ جو مارے گئے اور زخمی ہوئے اُن کا حساب نہیں۔ مختار کے فاتح اور منصور لشکری ان قیدیوں کو لیکر یزید ابن انس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت وہ اپنی بیماری کی شدت سے ایسا مجبور ہو رہا تھا کہ تکلم کی قوت بھی باقی نہیں رہی تھی مگر باایں ہمہ اُس کے ہوش و حواس درست تھے اُس نے

محتیابی کا مژدہ سُنکر اور اُن قیدیوں کی جماعت کو دیکھکر ایک تبسم زیرلب کیا اور پھر اشارہ سے سب کے قتل کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے امیر کا حکم پاتے ہی تمام اسیران شام کی گردنیں قلم کردیں۔ اُسی رات کو یزید ابن انس نخعی نے بھی وفات پائی رحمتہ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

یزید ابن انس نخعی کی تجہیز و تکفین سے کامل طور پر فراغت پاکر مختار کی فوج کوفہ واپس آئی۔ یہ پہلی ہی فتح تھی جو مختار ابن ابوعبیدہ ثقفی کو اہل شام کے مقابلہ میں حاصل ہوئی۔ جب اس کامل فتحیابی کی خبر مختار علیہ الرحمہ کو پہنچائی گئی وہ فوراً سجدہ شکر بجالایا۔ اور اپنی ہمراہی فوج کو ہمت اور جرأت دلانے والے الفاظ سے رضامند اور خوشنود کیا۔ اب اس وقت مختار کے عروج و اقتدار کا ستارہ اوج الکمال کے نقطۂ منتہائی تک پہنچا ہوا تھا۔ اور زمانہ ہر طرح سے اُس کی مساعدت۔ حمایت اور نصرت پر تیار تھا۔ مگر زمانۂ ناہنجار کی رفتار ناہموار کا کبھی نہ اعتبار کیا گیا ہے۔ اور نہ اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس کی تغیّر پذیر حالتیں کبھی ایک صورت اور ایک ہیئت پر نہ قائم رہی ہیں اور نہ کبھی قائم رہیں گی۔ ادھر تو مختار کو فی الجملہ اس معرکہ کے ترددات سے فراغت ہوئی۔ اُدھر اُسنے اور قوی دل ہوکر ابن زیاد کے مقابلہ میں ابراہیم ابن مالک اُشتر رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ بیس ہزار فوج جرار روانہ کی کہ اُسکا کامل استیصال عمل میں لایا جائے۔ ادھر ابراہیم علیہ الرحمہ بسم اللہ کہکر اپنے ہمراہی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اُدھر کوفیوں کے رُخ بدل گئے۔

اہل کوفہ کا فساد شبث ابن ربعی کی سازش!

سب سے پہلے وہ قوم جو عبداللہ ابن مطیع کی بیعت کرچکی تھی مختار سے اظہار نفرت کرنے لگی اور اُس کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مختار نے اُن لوگوں کو جو اس وقت اُس کی بیعت میں آچکے تھے عبداللہ ابن مطیع کی بیعت کرنے والوں پر جس میں اکثر عمائد و رؤسائے کوفہ شامل تھے ترجیح دی۔ اُن کو اپنا مقرب مشیر اور ہر کام میں دخیل بنایا۔ یہ امر اُن لوگوں کی ناراضی اور شکایت کا اصلی باعث ہوا۔ قاتلانِ امام حسین علیہ السلام تو ایسے وقتوں کی تاک میں لگے تھے اُنہوں نے ان لوگوں کو موقع پاکر مختار کے برخلاف اُبھارا سب سے زیادہ شبث

ابن ربعی اس امر میں کوشاں اور ساعی تھا۔ اُس نے اس ناراض گروہ کو خوب اُلٹی سیدھی پڑھائی اور اُن کو پورے طور سے اپنے قبضے میں لاکر ایک بار شہر سے باہر نکالدیا اور نہایت دلیری سے مختار کے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے خواص کو فہ پر عوام کو ترجیح دی ہے اس لیے وہ تمام لوگ تمہاری حکومت کو بہت جلد تباہ و برباد کرنے کی تاک میں لگے ہیں۔

مختار علیہ الرحمہ چونکہ ان اُمور میں کامل دستگاہ رکھتے تھے موجودہ وقت کے موقع اور مناسبت کو خوب سمجھے اور اس کے جواب میں بہت سے کلمات معذرت کہلا بھیجے وہ اُنکا ایسا ملائم جواب سُنکر اور شیر ہوگیا۔ وہ حقیقت میں سمجھا کہ ان کے جملہ اُمور کے درہم و برہم کرنے کا اس سے اچھا موقعہ نہ ملے گا۔ کیونکہ ابراہیم ابن مالک اُشتر کے چلے جانے سے مختار بالکل بے یار و مددگار ہو رہے ہیں۔ ساری فوج اُن کے ہمراہ ہے۔ میدان خالی ہے۔ جو لوگ باقی ہیں وہ سب دربار کے مجرائی۔ اسوقت جو کوشش کیجائیگی وہ ضرور کامیابی کے ساتھ اپنا اخیر نتیجہ دکھلائے گی۔

مختار خود بھی ایک ہوشیار اور تجربہ کار بہادر تھا وہ ان مفسدوں کے مدعائے دلی کو اچھی طرح سمجھ گیا۔ اُسنے فوراً ایک معتمد کو اپنے خاصہ کے تیز رفتار ناقہ پر سوار کرکے ابراہیم کے پاس روانہ کیا کہ اُن کو راہ سے واپس لائے۔ ابراہیم کے نام ایک خط بھی لکھا جس میں تمام حقیقت احوال مندرج کر دیے۔

قاصد تو روانہ ہوا۔ ادھر رات کو شبث کے پاس قاتلانِ امام حسین علیہ السلام کا گروہ جمع ہوا جس کے سرگروہ عمر ابن سعد۔ شمر ذی الجوشن اور محمد ابن اشعث وغیرہم تھے۔ آپس میں یہ صلاح ٹھہرائی کہ صبح کو دارالامارت پر حملہ کرکے لوٹ لیا جائے اور مختار کی تمام و کمال کارروائی مٹا دی جائے۔ ان لوگوں نے خفیہ سازشیں کرکے اور بہت سے لوگونکو اپنے ہمراہ کرلیا۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو شبث نے کہا کہ ہم کو اتمام حجت کی غرض سے ایک قاصد بھیجکر اپنا ارادہ ظاہر کر دینا چاہیے۔ چنانچہ اُسنے اپنے بیٹے کی معرفت کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں رؤسائے شہر تم سے ناراض ہو کر جنگ و پیکار پر آمادہ و تیار بیٹھے ہیں۔ اس لیے ہم بطور دوستانہ اور خیر خواہانہ تمہارے پاس کہلائے بھیجتے ہیں کہ اظہار مخالفت سے پہلے تم بمصالحت و

موافقت یا خود یا ان امور کی اصلاح کر لو ورنہ اسکا نتیجہ نہایت خراب ہوگا۔
مختار اس پیام کی تہہ کو پہنچ گیا۔ اُسنے کہلا بھیجا کہ آپ لوگ اپنی تجویز سے ایک دستور العمل بنا کر میرے پاس بھیجدیں جس کے مطابق میں آپ کی مملکت کا بند و بست کروں۔ مختار علیہ الرحمہ کے ایسا مرد جرّار جسکی فطرت میں بہادری اور آزادی کے جوہر قدرت کی طرف سے خاص طور پر ودیعت فرمائے گئے تھے وہ اپنے مخالف کے خشم آلود پیام کا ایسے ملائم اور دھیمے الفاظ میں جواب دے۔ تعجب ہے اور سخت تعجب۔ نہیں۔ ایسا نرم جواب۔ ع ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد۔ کا پورا پورا مصداق ہو رہا تھا مختار اپنی موجودہ حالت اور زمانہ کو اچھی طرح دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے۔ کیونکہ ساری فوج نکل چکی تھی۔ ابراہیم کے ایسا رفیق اور معین جو بازوے یمین کے برابر تھا جدا ہو چکا تھا۔ بالکل تنہائی اور بے سرو سامانی کا عالم تھا۔ ایسے وقت میں رفق و مدارا کے ساتھ کام نکالے بغیر اور کوئی دوسری راہ نہیں تھی۔ یہی ضرورت تھی جس کی وجہ سے مختار کے ایسے مضبوط اور مستحکم طبیعت والے بہادر آدمی نے مخالفت کے مقابلہ میں ایسی نرمی اور ملائمیت کا اظہار کیا۔
المختصر ابھی مختار اور اُن کے مخالفین میں یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ طبل فوج کی آواز آئی اور دھوم پڑی کہ ابراہیم ابن مالک اشتر پہنچ گیا۔ یہ سننا تھا کہ مختار کی جان میں جان آگئی۔

مفسدان کوفہ کی کامل شکست!

ابراہیم ابن مالک اشتر بھی آہی پہنچے اور مختار سے حقیقت حال معلوم کر کے فوراً مخالفین کی جمعیت سے مقابل ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ ایک ہی حملہ میں ایک رسالہ کے پچاس سوار اور اُس کے سردار کو مار گرایا۔ اور آٹھ سو آدمیوں کو گرفتار کیا اور دو سو ایسے آدمیوں کو گرفتار کر کے بانواع مصائب و اصل جہنم کیا جو قاتلان جناب امام حسین علیہ السلام کے گروہ میں خصوصیت کے ساتھ شمار ہوتے تھے۔
مخالفین نے اتنے ہی مقابلہ کو کافی سمجھکر راہ فرار اختیار کی اور میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور وہ فتنہ و فساد جو مہینوں سے اُن کے دلوں میں بھرے تھے رفع دفع

ہو گئے۔ اور اب کسی میں اتنی جرأت باقی نہیں رہی جو مختار کی مخالفت میں دم بھی مار سکے یا اُس کے خلاف سر بھی ہلا سکے۔
جب مفسدان کوفہ کی سیاست کی طرف سے مختار کو فراغت ہو گئی تو انہوں نے ابراہیم ابن مالک اُشتر کو پھر ابن زیاد کی مہم پر روانہ کیا۔

ابراہیم ابن مالک اشتر اور ابن زیاد کا خاتمہ

ابراہیم کی اس مہم کی تفصیلی کیفیت کو ہم علامہ ابی اسحاق اسفرائنی کی کتاب ضیاء العین کے ترجمہ سے ذیل میں تحریر کرتے ہیں: وہو ہذا۔
ابراہیم اور اُس کے ہمراہی غاضریات کے رستہ سے روانہ ہوئے اور متواتر کوچ منزلیں طے کر کے شہر انبار میں پہنچے اور وہاں پُل کے ذریعہ سے پار اُترے۔ اہلِ انبار ان کے استقبال کو نکلے۔ اور پوچھا کہ یہ کس کا لشکر ہے۔ کسی نے اُن سے کہہ دیا کہ یہ جناب امام حسین علیہ السلام کا لشکر ہے، یہ سُنکر اُن لوگوں نے دانہ۔ گھانس وغیرہ جمع کر کے اُنکے پاس بھیجدی۔ مگر اہل کوفہ نے یہ سب چیزیں بلا قیمت نہیں لیں۔
وہاں سے یہ لوگ چل کر مقام نخلِ اسود میں پہنچے۔ پھر شہر حصاۃ میں آئے۔ وہاں ایک مرتفع ٹیلہ اور چشمہ واقع ہے، ابراہیم نے وہیں قیام کیا۔ وہاں سے کوچ ہوا تو مقام جلجائن میں اُترے۔ وہاں ایک دن اور ایک رات قیام کیا پھر کوچ کیا اور صدر روضہ میں ٹھہرے اور وہاں تین دن قیام کیا اور وہاں سے پھر کوچ کیا اور دیر کبرا ہوتے ہوئے زمین بالست میں ٹھہرے اور وہاں تین قلعے ہیں، اور وہاں سے کوچ کر کے غراصنہ میں ٹھہرے اور اس شہر میں دو قلعے تھے، پھر وہاں سے روانہ ہوئے اور دیر الجماجم میں اُترے اور پھر وہاں سے کوچ ہوا اور دیر الحالیہ میں ٹھہرے اور وہاں سے چلکر منصوریہ اور رینہ میں ٹھہرتے ہوئے دیر اللطیف میں قیام گزیں ہوئے۔ دیر لطیف سے چلکر دیر لقیس میں مقیم ہوئے۔ وہاں سے اُٹھکر شہر تکریت میں پہنچے۔
شہر تکریت۔ اس شہر کا قلعہ بہت بلند تھا۔ اہل شہر نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا تھا ان لوگوں کو جب پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خونِ امام حسین علیہ السلام کا عوض اُن کے قاتلوں سے لینے والے ہیں پس وہ سب بلند آواز سے رونے لگے

اور گریہ و بکا کرکے اپنے قلعہ کے دروازے کھولدیے اور واحسیناہ ۔ واعلیاہ
اور یا اباعبداللہ علیہ السلام کے نعرے بلند کرنے لگے ۔ اور کہنے لگے کہ آپکا قتل
ہوتا ہمپر بہت شاق ہے ۔ پھر وہ زاد سفر اور اسباب رسد ان کے لیے لائے ۔ اہل لشکر
نے کہا کہ یہ چیزیں ہم بلاقیمت نہیں لینگے ۔ یہ سُنکر وہ سب کے سب ابراہیم ابن
مالک اشتر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اس امر میں تمہارے ہم
شریک ہیں ۔ ہم نے پچاس ہزار دینار اسی مصرف کے لیے علیٰحدہ کردیے ہیں ۔ اب ہم
آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمارے اس ہدیہ کو قبول فرمائیں ۔ ابراہیم نے
قبول نہیں کیا اور وہاں سے کوچ کیا ۔ اور پھر اُس جنگل میں پہنچے جسکو وادی بالیط
کہتے ہیں ۔ پھر سوار ہوئے اور چلے ۔ اور موصل میں پہنچے ۔ اہل موصل نے انکی محافظت کے
خیال سے تلواریں کھینچ لیں اور ابراہیم ابن مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ کا لشکر ان کی حفاظت
میں راہ چلا کیا ۔ ان لوگوں نے ان کی طرف کچھ التفات نہیں کی تا اینکہ یہ لوگ شہر
عینین میں اُترے ۔

حنظلہ ابن معاذ ثعلبی کی استمداد اور تفحّص احوال ابن زیاد

عینین میں قبیلۂ بنی شبال کا ایک سردار بہت ذی وجاہت اور ذی اقتدار تھا جس کا
نام حنظلہ ابن معاذ ثعلبی تھا ۔ اُس کے دس فرزند تھے ۔ ابراہیمؒ نے اُس کے نام
خط لکھا ۔ وہ یہ تھا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بعد حمد و نعت کے معلوم ہو کہ جو کچھ جناب امام حسین
علیہ السلام اور آنحضرت کے اصحاب پر گزری اُس سے تو واقف ہے ۔ اور ہم اُس
کے خون کے انتقام کے طالب ہیں ۔ پس ہم تجھ سے اتنا چاہتے ہیں کہ تو بحق
حسین اور بحق جد حسین علیہما السلام یہ اجازت دے کہ ہم تیرے شہر کے دروازے
سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائیں ۔ اور ہم قیام نہ کریں گے ۔ جب
ابراہیم کا یہ خط حنظلہ کے پاس پہنچا تو اُسی وقت ابن زیاد کا خط بھی آیا ۔ دونوں قاصدوں
نے ایک مرتبہ دونوں خط دیے ۔ حنظلہ نے پڑھا ۔ ابن زیاد کی طرف سے جو خط آیا
تھا ۔ اُسمیں لکھا تھا ۔ منجانب ابن زیاد کے معلوم ہو کہ جس وقت میرا خط تجھ کو ملے تو
فوراً گھاس دانہ اور آب و طعام ایک لاکھ سواروں کے واسطے بوجہ اطاعت

امیرالمؤمنین عبدالملک ابن مروان کے فراہم کردے۔ اس کی تعمیل میں تاخیر نہوئی یا ئے تو اس کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔

اس خط کو دیکھکر حنظلہ نہایت غضبناک ہوا اور خط کو چاک کر کے پھینکدیا اور اپنی آدمیوں سے کہدیا کہ قاصد کا سر قلم کر ڈالو۔ اور ابراہیم کے خط کو دیکھکر نہایت خوش ہوا۔ قاصد کو بلایا خلعت دیا۔ اُسکے گلے میں طلائی طوق ڈال دیا اپنے سب سے عمدہ گھوڑے پر سوار کیا اور کہا کہ اپنے سردار کے پاس جا اور اُس سے کہہ کہ میں اسی جگہ پر مقیم ہوں اور گھاس دانہ وغیرہ کی تیاری کرتا ہوں اور میرا شہر تمہارا گھر ہے۔ قاصد ابراھیم رح کے پاس واپس آیا اور حنظلہ کا سب حال کہا۔ پس نہایت خوش ہوئے۔ اپنے پندرہ ہزار سواروں کو مرتب کیا۔ اور حنظلہ نے اُن کے پاس تحفے بھیجے۔ گھاس۔ دانہ۔ کھانا۔ پینا سب بھیجا مگر اُن لوگوں نے کسی چیز کو بلاقیمت نہیں لیا۔ اور اُس کے شکر گزار ہوئے اور اُن کو اپنی مدد کے واسطے طلب کیا۔ ابراہیم وہاں دو روز تک ٹھہرے رہے بعدہٗ کوچ کیا۔ اور اُن کے ساتھ حنظلہ اور اُسکے اولاد و اصحاب بھی ہمراہ ہوئے اور ایک ہزار سوار کی جمعیت کو ساتھ لیا۔

یہ لوگ منزلیں طے کرتے ہوئے چلے اور حنظلہ اُسی جگہ ابراہیم کا نائب ہوکر ٹھہرا۔ اہل قلعہ نے اُس لشکر کو دیکھا اور اپنے سردار کو خبر کی۔ اُس نے اپنے لڑکے کو انکی خبر لینے کے لیے بھیجا وہ لشکر میں پہنچا اُس نے حنظلہ کو دیکھا اور پھر ابراہیم کو دیکھا۔ لڑکا آگے آیا۔ زمین ادب چومی۔ حنظلہ نے اُس سے کہا کہ اپنے باپ کو بُلالا۔ پس وہ اپنے باپ کو بُلالایا وہ آیا اور اُسنے حنظلہ اور ابراہیم کو سلام کیا۔ دونوں نے جواب دیا اور کہا کہ آیا تو دشمن خدا کا مطیع ہے۔ آیا تجھ کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے۔ قلعدار نے جواب دیا کہ ای امیر اگر آپ اس سے ایک گھنٹہ پہلے آتے تو میں ابن زیاد کو آپکے سپرد کر دیتا۔ اس حالت سے کہ اُس کی مشکیں بندھی ہوئی ہوتیں۔ ابراہیم نے کہا کہ یہ کیونکر ہوتا۔ اُسنے کہا کہ وہ کل آیا تھا اور اُس کے ہمراہ اُس کے عیال و اطفال اور چالیس تھیلہ مال تھا وہ سب اس قلعہ میں بطور امانت کے سپرد کر گیا ہے اور خود ایک قریہ میں جس کا نام مدینہ ہے اور جو یہاں سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے گیا ہے۔ ابراہیم نے کہا خدا تجھ کو نیکی کی بشارت دے اُسکے عیال و اطفال کہاں ہیں لاؤ۔ اُس نے عرض کی کہ جو حکم ہوگا بجا لاؤں گا

میں خدا اور رسول اور امیر المومنین علیہ السلام کی اطاعت کروں گا۔ پس وہ قلعہ میں گیا اور چار فرزند ابن زیاد کے لے آیا۔ جن میں بڑے کا بن بیس سال کا تھا اور ایک سو تین لونڈیاں اور چالیس خچر طلائی اور نقرئی مال سے بھرے ہوئے۔ اُن پر صندوق ہائے سبز اور قباہائے مصریہ اور خز اور دیباج سے بھرے تھے پس ابراہیم اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے۔

ابن زیاد کے بیٹوں کا قتل۔ ابراہیم کہنے لگے ایہا الناس یہ بیٹے اور اولاد ابن زیاد کے ہیں۔ اور تم جانتے ہو کہ حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام بعمر پندرہ سالگی قتل کیے گئے اور عون ابن علی علیہما السلام سولہ برس کی عمر میں مارے گئے۔ محمد ابن علی اصغر علیہ السلام چودہ برس کے سن میں شہید کیے گئے۔ اور عثمان ابن علی علیہ السلام دس برس کی عمر میں مقتول کیے گئے اور حرم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹے گئے اور اُن کو شتران بے کجاوہ پر شہر بشہر پھرایا۔ روئے زمین پر ابن زیاد کی ذریت کو باقی نہ رکھوں گا اور وہ اور اُن کے اصحاب اور اُنکے سپاہی تلواریں برہنہ کرکے اولاد و حریم و کنیز ہائے ابن زیاد پر دوڑے۔ اور اُن کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور نعرے کرتے تھے۔ یا آل ثارات الحسین علیہ السلام۔ اُن کے پرزے پرزے کر ڈالے۔

پھر اُس قلعدار نے ابراہیم سے کہا کہ اے امیر واضح ہو کہ یہ امر ابھی تک ناقص اور ناتمام اور مذموم ہے، میں چاہتا ہوں کہ بذات خود طلب خون جناب امام حسین علیہ السلام کے لیے چلوں تاکہ ابن زیاد مارا جائے۔ یا میں بغیر قتل کے اُس کو زندہ گرفتار کرادوں۔ ابراہیم نے کہا کیونکر؟ اُس نے جواب دیا کہ میں چلتا ہوں تم بھی چلو اور میری اولاد و اصحاب بھی چلتے ہیں، جب اُس کے لشکر کے پاس پہنچیں اور اُس کے اور ہمارے درمیان ایک فرسخ کا فاصلہ رہجائے تو میں اور آپ ایک خیمہ میں بیٹھکر اپنے کسی لڑکے کو اُسکے پاس بھیجیں گے۔ وہ لڑکا جاکر کہیگا کہ تجھ کو میرا باپ بلاتا ہے اور امیر حنظلہ نے امیر کی اطاعت کر لی ہے اور میں نے یہ سُنا ہے کہ اُنہوں نے اس امر پر حلف لیا ہے کہ ابن زیاد اور اُس کے جملہ عیال و اطفال کو بعوض خون امام حسین علیہ السلام قتل کروں گا اور اُس کے

مال و دولت کو تاراج کروں گا۔ تو یہ جانتا ہے کہ یہ قلعہ حنظلہ کا ہے اور اب تیری اولاد اور حرم کو حنظلہ میرے پاس سے طلب کرتا ہے میں چاہتا ہوں کہ تو اپنی فوج سے علٰحدہ ہوکر میرے پاس آ کہ میرے باپ تجھ سے مشورہ کریں۔ مگر شرط یہ ہے کہ تیری ساتھ کوئی نہ آوے۔ مشورہ کے بعد جیسا طے ہوگا کیا جائے گا۔ فوج پر اطمینان نہیں ہے کہ جب وہ معلوم کریں کہ تیرا مال و دولت میرے پاس ہے اور مجھ سے تجھ سے محبت ہے تو وہ چھوڑ دیں۔ پس وہ یہ خبر سنتے ہی چلا آئے گا اور ذرا دیر نہ کرے گا کیونکہ وہ میرے اوپر بہت احسان رکھتا ہے۔ جب وہ آئے تو تم الگ سے کھڑے ہو کر اس پر تلوار لگانا اور اپنے لشکر کی طرف چلے جانا۔

ابراہیم نے کہا بہتر۔ چلیئے۔ لیکن میری بھی ایک رائے ہے۔ اُسنے کہا کیا ہے۔ ابراہیم نے کہا تو جانتا ہے کہ اُس کے ساتھ تانبے کی کشتیاں ہیں جو اونٹوں پر لدی ہوئی ہیں بہتر یہ ہے کہ میں تیرے ساتھ رہوں جیسا کہ تو کہتا ہے اور میرے سامنے چپ و راست رہیں اور میں پانچ ہزار فوج اپنے دائیں بائیں پر رکھوں۔ پھر ہم جب قریب پہنچیں تو تو ایسا کرے کہ جو تو کہتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہوسکتا ہے تو میں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ مگر میں پل کے کنارے پر کھڑا رہونگا اس واسطے کہ ان کشتیوں میں ایک ہی ایک سوار اُترتا ہے اور جب وہ اُترے گا تو میں تیرے پیچھے جاؤنگا۔ اُسکو گمان ہوگا کہ بازو میں کوئی لڑکا ہے جب وہ مجھ سے قریب ہوگا تو میں اُس کو تلوار لگاؤنگا اور نعرہ کرونگا یا آل ثارات الحسین علیہ السلام۔ اور اسکے سنتے ہی سب لوگ مجتمع ہو کر قتل و غارت کرینگے۔ قلعہ دار نے کہا کہ بہت اچھا۔ جو آپ کی مرضی ہو ہم وہی کرینگے۔ میں آپکے ہمراہ ہوں اور تابعدار لیکن اپنے لشکر سے کہدو کہ وہ تم سے قریب رہے کہ تمہاری آواز کو سن لے پس ابراہیم نے اپنی فوج کو جمع کرکے حکم دیا کہ پل کے قریب کھڑے رہیں اور پھر ایک ہراول بھی مقرر کیا کہ ایک کو دوسرے کی تمیز کرا دے۔ الغرض لشکر اور ابراہیم اور وہ اُسکی اولاد ابن زیاد کی طرف چلے تا کہ موافق مشورے عمل کیا جائے۔ قلعہ دار کا لڑکا ابن زیاد کے پاس گیا۔ اُسکے خیمے میں داخل ہوا۔ زمین چومی اور اپنے باپ کی طرف سے سب پیغام کہدیا۔ جب اُس نے یہ سُنا تو آنکھیں اُس کے سر میں گڑ گئیں اور اپنی اولاد و مال و حرم کی طرف سے نہایت پریشان ہوا گھوڑا منگایا۔ آیا تو تلوار حمائل کرکے سوار ہوا اور لڑکے کے

ساتھ چلا۔ اپنے عیال کے خیال میں سخت متفکر تھا اور اُس کے آگے وہ لڑکا تھا شمع جلتی تھی۔ چلتے چلتے خیمہ میں وارد ہوا۔ صاحب قلعہ نے دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ مگر ابراہیم نے ہاتھ نہ چومے۔ ابن زیاد تیز تیز نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتا تھا۔ گھوڑے سے اُترا اور سب بیٹھے اور صاحب قلعہ سے کہا۔ کیوں خیر ہے؟ اُس نے عرض کی جو کچھ میرے لڑکے نے کہا ہے سب سچ ہے۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ وہ باتیں کرتا تھا اور صاحب قلعہ میری طرف اشارہ کرتا تھا کہ اب حملہ کرو مگر میں خیال میں تھا کہ خیمہ تنگ ہے۔ ہاتھ بلند نہ کرسکوں گا اور پوری ضرب اسپر نہ پڑے گی اور وہ میری تلوار کو دیکھ رہا تھا اور مجھے اس سے بھی اطمینان نہ تھا کہ مبادا وہ غل مچا دے اور لوگ اس کی حمایت کو نہ پہنچیں۔ اس کو طول ہوا اور میں اسی سوچ میں گردن زمین کی طرف جُھکائے ہوئے تھا۔ ابن زیاد نے صاحب قلعہ سے کہا کہ جب ابراہیم اور حنظلہ دونوں آگئے ہیں تو میرے واسطے بجز اسکے چارہ نہیں کہ میں اُن کی طرف روانہ ہوں۔ صاحب قلعہ نے کہا کہ میں تیرے آگے چپ ہوں جو تو چاہے کرے۔ بعدہ ابن زیاد گھوڑے پر سوار ہوا اور وہ اپنے گھر کی طرف لَوٹ گیا۔

صاحب قلعہ نے ابراہیم ابن مالک اشتر علیہ الرحمہ سے کہا کہ آج کی شب کا وقوعہ آپ کا حضرت مسلم علیہ السلام کی شب سے مشابہ ہے۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ ابھی کیا جلدی ہے۔ قلعہ دار نے کہا کہ میں کیونکہ جلدی نہ کرونگا۔ آپ امید کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ کوئی اور مقام و موقع مناسب ہوگا۔ ابراہیم نے کہا چپ رہ۔ میں اُس چیز کو جانتا ہوں جو تو نہیں جانتا۔ میں نے سوچا کہ وہ بیٹھا ہے اور سیف کمر میں ہے اور غلام دروازے پر کھڑا ہے۔ اور فوج سامنے ہے۔ شاید پکارے اور لشکر آجائے یہی بہتر ہے کہ اور کہیں اس کو قتل کروں اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ قتل کیا جائیگا۔ مگر اُس طرح سے جو میں نے دل میں سوچ رکھا ہے اور پھر یہ وہاں سے چلے اور اپنے مقام اصلی پر واپس آئے۔

اب ابن زیاد کی کیفیت یہ ہے کہ اُسنے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا لشکر نے کوچ کیا تا انکہ پُل پر پہنچا اور لشکر سوار ہو کر پُل پر سے اُترنے لگا۔ وہ سب کشتیوں کو ذریعہ سے اُترتے تھے

تاآنیکہ پچاس ہزار سوار اُتر گئے۔ بعد اسکے وہ ابن زیاد کے واسطے ایک بغلہ مثل برج کے لائے کہ ایک عماری میں تھا۔ جو دیبا وحریر سے مڑھا ہوا تھا۔ اور اُس پر سُرخ دیبا کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور وہ بصام کے پروں سے گدگدا کیا ہوا تھا۔ اور اُسپر دیباج کا ایک قبہ تھا۔ اور سُرخ سونے کا پٹکا پڑا ہوا تھا اور موتیوں اور جواہر سے مرصع تھا۔ جواہروں کے سبب سے سونا چمکتا تھا۔ جیسا کہ ستارہ چمکے۔ اور اُس میں تیس شمعیں روشن تھیں۔ اور وہ بلندی میں قد آدم کے برابر تھیں۔ داہنی جانب دو شمعیں عنبر کی تھیں اور اُسکے سر پر ٹوپی سونے۔ جواہرات اور موتیوں کی تھی۔ گویا وہ آدمی کی ایک مورت تھی جسے لباس پہنا دیا تھا۔

ابراہیم ابن مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب یہ بغلہ آیا۔ خادم اُس کے سامنے تھے۔ آدمی چلتے چلتے رُک جاتے تھے۔ اور میں لشکر میں کھڑا تھا جو ٹیل پر تھا۔ میں نے اپنے راستے کو اپنی دانست میں تنگ کر دیا تھا۔ مجھ سے اُن لوگوں نے کہا کہ امیر کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ میں نے کہا کہ مجھے امیر سے کچھ غرض ہے اور مجھے اُس سے عرض کرنیکا یہی موقعہ ملا ہے۔ سو مجھ کو اُس کے پاس جانے دو۔

عبیداللہ ابن زیاد کا قتل۔ جب میں نے یہ کہا تو لوگوں نے مجھے میری حالت اور میرے موقعہ پر چھوڑ دیا۔ جب ابن زیاد کی عماری قریب آئی تو میں چلایا کہ میں ایک فریادی ہوں۔ پس اُس نے سر نکالا کہ مستغیث کی طرف دیکھے۔ ابراہیم نے اسپر ایک تلوار چلائی اور ایک ہی وار میں اُس کو زمین پر گرا دیا۔ اور چلائے۔ یا آل ثارات الحسین علیہ السلام پس اس آواز کے سنتے ہی چاروں طرف سے ابراہیمؑ کے لشکری کشتیوں کی ذریعہ سے ابن زیاد کے لشکر میں درآئے اور قتل عام شروع ہو گیا۔ یہانتک کہ تمام رات ختم ہو گئی دن نکل آیا۔ ابن زیاد کے ہمراہی بھاگ گئے۔ اہل کوفہ نے اُن کا تعاقب کیا۔ صاحب قلعہ کا بیان ہے کہ جب ابن زیاد کو ابراہیم نے زیر کیا تو اُسکی مشکیں باندھ لیں اور اپنے ایک رفیق کے حوالہ کیا۔ ابراہیم کے لشکر والوں نے چاروں طرف سے اُسکو گھیر لیا ہر شخص اُسپر لعنت کرتا تھا۔ منہہ پر مارتا تھا۔ ضربیں لگاتا تھا اور تھوکتا تھا اور چلاتا تھا یا آل ثارات الحسین علیہ السلام۔ پھر ابراہیم نے ابن زیاد کے گلے میں طوق ڈلوایا۔ پیروں میں زنجیریں پہنائیں اور جلتی آگ میں اُسکو جلوا دیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آگ میں

بلانے کے قبل ابراہیم اُس کے آگے بڑھے۔ اپنی کمر سے خنجر حجازی کھینچا اور اُنہوں نے
مثل جانور ذبیحہ کے اُس کا گوشت کاٹنا شروع کیا۔ اس طرح کہ اُس کے ایک عضو کو کاٹا
اور ابن زیاد کے مُنہ میں بھر دیا اور زبردستی اُس کو کھلایا۔ جب وہ کھانے سے انکار کرتا تھا
تو اُس کو خنجر لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ کھا اور ابھی اور کھا۔ اُس وقت ابراہیم علیہ الرحمہ
برابر یہی کہے جاتے تھے۔ یا آلِ ثارات الحسین علیہ السلام۔ یہاں تک کہ وہ کھاتے کھاتے
مر گیا تو اُس کے کان سے دوسرے کان تک چاک کر ڈالا۔ اور پھر اُسکا سر کاٹا اور حکم دیا
کہ اُس کے سر اور بدن پر گھوڑے دوڑا دیے جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور
اُسکے سر اور جسم پر گھوڑے دوڑا کر اُسکا سارا بدن کچلوا دیا گیا۔

پھر اُس نے دوسرے اسیروں کی حاضری کا حکم دیا۔ اور ابراہیم علیہ الرحمہ ہر شخص سے
سوال کرتا تھا کہ تو نے روزِ قتل جناب امام حسین علیہ السلام پر کیا کیا کیا
بیان کر۔ پس بعض لوگوں کے ساتھ تو یہ کیا گیا کہ اُن کے دست و پا قلم کیے گئے۔
اور بعض کے ساتھ وہ فعل کیا جو ابن زیاد کے ساتھ کیا گیا۔ یہاں تک کہ اُن قیدیوں
میں ستر آدمی باقی رہے جو اُسکے خواص میں مثل شبث ابن ربعی و سنان ابن انس
اور عمر ابن حجاج اور شمر ذی الجوشن وغیرہ وغیرہ لعنہم اللہ تھے اور یہ وہ لوگ ہیں جو خود
متولی قتل جناب امام حسین علیہ السلام ہوئے اور حضرت کے حرم کو تاراج کیا
تھا۔ ان سب کو ابراہیم نے اپنے روبرو کھڑا کیا اور حکم دیا کہ دیبا کے خلعت لاؤ کہ ان کو
پہنائے جاویں۔ اُن ملاعین نے کہا کہ اس کلام سے کیا فائدہ۔ جو تو کرنا چاہتا ہے کر۔
ابراہیم نے کہا کہ اچھا مجھ سے سچ بولنا۔ اُنہوں نے کہا بہتر ہے ہم سچ کہیں گے۔ تب
پکیا تو کہا کہ اوّل جو شخص امام حسین علیہ السلام کے قتل کو گیا تھا وہ خولی ہے۔
اُس کو قتل کرایا۔

سنان کا قتل۔ بعد خولی کے سنان آیا کہ یہ بھی امام حسین علیہ السلام کے قتل کو
گیا تھا۔ ابراہیم نے کہا کہ افسوس ہے تیرے سنان۔ تو نے یوم قتل امام حسین
علیہ السلام کیا کیا تھا؟ اُسنے کہا کہ امام حسین علیہ السلام کی طرف گیا وہ اُس وقت
زمین پر پشت کے بھل پڑے تھے۔ میں نے اُن کی کمر پر ہاتھ ڈالا۔ اُنہوں نے میرا ہاتھ
تین مرتبہ علیحدہ کر دیا۔ چوتھی بار وہ نہ کر سکے۔ پس میں نے دیکھا کہ وہ کمر بند کر

پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کے ہاتھ کو قطع کیا اور کمربند کو لے لیا۔ ابراہیم یہ سُنکر روئے اور کہا تجھ کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ والہٖ وسلم سے کچھ بھی شرم نہیں آئی۔ پس ابراہیم نے حکم دیا کہ اُس کو اُسی طرح چت لٹا دیا اور خود اُسکے شکم پر کھڑے ہو گئے۔ اُس کی آنکھ میں خنجر کو گھسایا اور اُسکی آنکھوں کی سیاہی اور سپیدی کو خنجر سے چاک کر دیا۔ خون اُس سے جاری ہوا اور پھر حکم دیا کہ اسکے کانوں کو چیرو اُس کے ہاتھوں کو کاٹو۔ لوگوں نے اُس کے ہاتھ کاٹے۔ آگ میں ڈال دیا۔ اور جلا دیا اسی طرح ابراہیم ہر ایک سے پوچھتے جاتے تھے اور اُن کے ساتھ وہی کام کیے جاتے تھے جو اُنہوں نے کیے تھے۔ الغرض ان سب کو ہلاک کیا اور قتل کیا۔ اور اُن کے سروں کو کٹوا کر مختار کے پاس بھجوا دیا! ور کچھ سوار اور اسلحہ اور اشیائے غنیمت بھی ہمراہ کیں۔ ان میں ہزار اونٹ تو کپڑوں کے تھے اور ہزار اونٹ سونے چاندی کے۔

بہر حال یہ تو ابن زیاد بد نہاد کے تباہ و برباد ہونے کی وہ روداد تھی جس کو ہمنے کتاب آخذ الثار اور رسالہ قرۃ العین امام اسفرائنی کے ترجمہ سے لکھا ہے۔ مگر تاریخوں میں جہاں تک اس معرکہ کی نسبت حالات پائے جاتے ہیں وہ صاف صاف تبلاتے ہیں کہ ابراہیم ابن مالک اُشتر نے ابن زیاد بد نہاد کے مقابلہ میں کسی خدعہ یا حیلہ سے کام نہیں لیا بلکہ رو در رو اُس سے مقابلہ کیا اور بڑا سخت معرکہ پڑا۔ جس میں بہت سے نمودار اور جرار اہل شام میدان جنگ میں کھیت رہے اور دس ہزار سپاہی مارڈالے گئے اور ابراہیم کو اہل شام پر فتح کامل نصیب ہوئی اور یہ ایسی بڑی اور عظیم الشان فتح تھی کہ جس کے باعث اہل شام کی قوتیں ضعیف اور ہمتیں بالکل پست ہو گئیں اور اُن کو اب اہل عراق کی پاداریوں اور جگرداریوں کا کامل ثبوت مل گئے۔ اب ہم اس جنگ عظیم کی مفصل کیفیت تاریخ روضۃ الصفا روضۃ الاحباب اور جلاء العیون اور رسالہ شیخ ابن نما علیہ الرحمہ کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ابراہیم ابن مالک اُشتر علیہ الرحمہ وہاں سے روانہ ہوئے اور نہر خارز پر پہنچے۔ جو بارہ میل کے فاصلہ پر موصل سے واقع ہے۔ عبید اللہ ابن زیاد کو اس کی خبر لگی

وہ تراسی ہزار فوج لیکے ابراہیم علیہ الرحمہ کے مقابلہ کو نکلا۔ یہاں ابراہیم کے ساتھ تیس ہزار آدمی بھی نہ تھے۔

عبید اللہ ابن زیاد کے لشکر میں اشراف بنی تمیم میں عمیر ابن حباب بھی ایک شخص تھا۔ ابراہیم نے اُسکو خفیہ خط لکھا کہ اگر تم ہم سے مل جاؤ تو بہت کچھ انعام دیں گے اور اکرام کرینگے۔ چنانچہ وہ ہزار سواروں کے ساتھ آکر ابراہیم سے مل گیا۔ اور پہلا مشورہ یہی دیا کہ ابن زیاد سے لڑنے میں تعجیل کرنی چاہیے۔ اسی کی رائے سے فوراً صف بندی ہوگئی۔ میمنہ۔ میسرہ۔ قلب و جناح مرتب ہوگیا۔ اور جنگ کی پوری تیاریاں ہوگئیں۔

ابن زیاد کی طرف سے سب سے پہلے ابن صنعان کلبی نکلا اور بڑی دھوم دھام کا رجز پڑھا۔ اس طرف سے احوص بن شداد مقابلہ کو اُسکے آئے اور بعد رجز کے مقابلہ ہوا۔ آخر ابن صنعان کو قتل کیا اور پھر مبارزطلبی کی۔ اس کے بعد داؤد دمشقی اُس کے مقابلہ کو آیا اور اُسے بھی بات کی بات میں قتل کر ڈالا اور اپنے لشکر میں واپس آئے اس کے بعد حصین ابن نمیر سکونی جو عبید اللہ ابن زیاد کے قلب لشکر کا اُس وقت افسر تھا جوش غیرت سے آگے بڑھا اور بڑی دھوم دھام سے ذیل کا رجز پڑھا ؎

یا قادة الکوفة اهل المنکر ٭ وشیعة المختار وابن الاشتر ٭ هل فیکم قوم کریم العنصر مهذب فی قومه مفخر ٭ یبر نجوی قاصداً الا یمتری ٭ اے سواران کوفہ! اے بدافعالو! اے گروہ مختار و مالک ابن اشتر! جو تم میں کریم الاصل۔ مہذب اور فخر قوم ہو وہ آوے۔ درآنحالیکہ وہ پُرہمت اور بے شبہ ہو۔

اس طرف سے شریک ابن حزم بڑھے اور رجز کے یہ شعر پڑھے ؎ یا قاتل الشیخ الکریم الازهر ٭ بکربلا یوم التقاء العسکر ٭ اعنی حسیناً ذا الثنا والمفخر ٭ وابن النبی الطاهر المطهر ٭ علی البطل المظفر ٭ هذا لخذها من هزبر قسور ضربة قوم ربعی مضری ٭ اے قتل کرنیوالے بزرگ شریف روشن جبین کے کربلا میں بروز ملاقات افواج۔ یعنی اے قاتل جناب امام حسین علیہ السلام جو صاحب فخر و ثنا تھے، اور فرزند نبی طاہر تھے اور دلبند حیدر کرار شجاع مظفر تھے سمجھ لے اسکو پھر لے اس ضربت کو شیر ژیاں سے جو قوم ربعی مضری کی ضرب ہے ٭

رجز پڑھکر طرفین سے مقابلہ ہوا۔ آخر شریک نے اُس کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد پھر تو گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور سب نے خوب خوب دادِ شجاعت دی۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا اور اشاروں سے نماز پڑھی۔ پھر بھی لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ ستارے نکل آئے اور لڑائی نہ بند ہوئی۔ برابر سر پر سر گرتے رہے خون کی ندیاں بہتی تھیں۔ مقتولین ہر طرف تڑپ رہے تھے۔ مؤمنین کے دلوں کو تقویت ہوتی جاتی تھی، عبیدیوں کے جگر پھٹتے جاتے تھے۔ چہرے مضمحل ہوتے جاتے تھے۔ آخر سب کے سب بھاگے۔ لیکن پھر بھی جہاں تک بن سکے قتل کیے گئے۔ اہلِ شام میں سے جو لوگ بڑے نام آور قتل کیے گئے وہ یہ تھے۔ حصین ابن نمیر السکونی شراحیل ابن ذوالکلاع۔ ابن جوشب۔ غالب باہلی۔ ابواشرس جو اُس وقت خراسان کا عامل تھا اور ابراہیم علیہ الرحمہ کو یہ فتح نمایاں حاصل ہوئی۔ فجزاہ اللّٰہ الجزاء عوضاً مما فعلہ بقتلہ خیر الاولیاء والاصفیاء ابراہیم کے مخصوصین میں سے کسی شخص نے ابراہیمؒ کی شان میں یہ قصیدہ نظم کیا ہے ؎

اللہ اعطاک المہابۃ والتقیٰ	واحل بیتک فی العدید الاکثر
واقر عینک یوم وقعۃ خازر	والخیل تعثر فی القناء المنکر
من ظالمین کفتھم ایامھم	ترکوا اللحاجلہ وطیر الاعثر
ماکان اجرؤھم جزاھم ربھم	یوم الحساب علی ارتکاب المنکر

خدا نے تمہیں مہابت اور تقوے مرحمت فرمایا ہے اور عددِ کثیر تمہاری فوج میں داخل ہوا اور جنگ خازر کے دن تمہاری آنکھوں کو خنک کیا۔ جن کے ایام بد اُن کے لیئے کافی ہوگئے اور وہ لنگ کرنے والے درندوں اور لغزش کھانیوالے پرندوں کی خوراک کے لیے چھوڑ دیے گئے۔ کس قدر یہ ظالمین جری تھے۔ بدکاموں کے اختیار کرنے پر۔ ان کا پروردگار قیامت کے دن بدلا دے۔ ناقلین کا بیان ہے کہ باوجودیکہ دونوں طرف کی فوج ہٹ گئی تھی، یعنی اُس طرف کے لوگ تو بھاگ کر الگ ہوگئے تھے اور اس طرف کے لوگ اپنی کامیابیوں کی پُرجوشیوں میں تھے۔ مگر ہمارا بہادر نوجوان ابراہیمؒ مع چند سپاہیوں کے ایک طرف ہوکر چند اشرار سے برابر لڑ رہا تھا۔ اور یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ کون لوگ

ہیں لیکن بظاہر بہت ثابت قدم اور جری معلوم ہوتے ہیں کہ باوجود شکست فاش کے ابھی تک ان سب میں غیرت باقی ہے۔ منجملہ اُن کے سُرخ رنگ کا ایک جوان بھی تھا کہ جب کسی پر حملہ کرتا تھا اُس کا سر کاٹکر گرادیتا تھا۔ جوہیں وہ ابراہیمؒ کے قریب آیا۔ ابراہیم نے ایک ایسی تلوار ماری کہ اُس کا ہاتھ کٹکر گر پڑا اور وہ بھی اس صدمے سے نہر خازر کے کنارے پر گر پڑا۔ پھر تو ابراہیمؒ نے اُس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالے اور متفرق کر دیے۔ ابراہیمؒ کا بیان ہے کہ میں نے اُس کے جسم سے مشک کی خوشبو محسوس کی (چونکہ عبیداللہ امیر لشکر تھا مشک وعنبر وغیرہ بقاعدہ عرب کپڑوں میں لگائے تھا) اتنے میں ایک شخص آیا اور اُس کے موزے اُتار لیے۔ خیال ہوا کہ یہی ابن زیاد ہے۔ ابراہیمؒ نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ لو۔ لوگوں نے اُس کا سر کاٹ لیا اور رات بھر اُس کے دھڑ اور سر کی حفاظت کی گئی۔ صبح کو مہران (غلام ابن زیاد) نے پہچانا کہ یہی عبیداللہ ابن زیاد۔ دعی ابن الدعی قاتل جناب امام حسین علیہ السلام اور دشمن خداوند غالب وقہار ہے۔ پھر تو ابراہیم علیہ الرحمہ کو بے حد خوشی ہوئی اور خدا کا شکر بجا لائے۔

یہ واقعہ صفر کے مہینہ میں ہوا۔ اور اکثر اہل حدیث کا بیان ہے کہ روز عاشورا ۶۷ھ ہجری تھا۔ اُس وقت اس کی عمر چالیس سال سے کم تھی۔ بعضوں نے بالتخصیص اُنتالیس[۳۹] برس تبلائی ہے۔ مختار اس زمانہ میں بہت متردد تھے اور اکثر ابراہیمؒ کے حالات کے جویا رہتے تھے۔ آخر خود بھی سائل ابن مالک کو اپنا خلیفہ بنا کر کوفہ سے چلے اور مدائن میں آئے (وہاں منبر پر جا کر لوگوں کو ابراہیم کی اعانت پر آمادہ کرنے لگے) اتنے میں اُن کو خوشخبری سنائی گئی کہ عبیداللہ ابن زیاد مقتول ہوا اور ابراہیم ابن مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ کامیاب وفتحمند واپس آتے ہیں۔ پھر تو ایسے خوش ہوئے کہ مارے خوشی کے اُچھل پڑے۔ نفکا دیطیر فرحًا اور وہاں سے کوفہ واپس آئے۔

ابراہیم نے ان سب مقتولین رؤسائے شام کے سر مع ابن زیاد کے سر نجس کے کوفہ میں مختار کے پاس بھیجدیے۔ وہ اس وقت دسترخوان پر تھے۔ وہ سروں کو

دیکھکر خدا کا شکر بجا لائے کہ اُس نے ہمیں اس ظالم نا کٹ پر کامیاب فرمایا جب کھانے سے فارغ ہوئے تو خود اُٹھکے اُس کے سر کو جوتوں سے روندا اور پھر جوتی نکالکر پاؤں سے پھینکدی اور نوکر سے کہا کہ اسے دھو ڈال کیونکہ میرا جوتا اس نجس کے مُنہہ سے مس ہوا ہے۔

ابو الطفیل عامر ابن واثلہ کنانی سے منقول ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ تمام سر ہائے مقتولین کوفہ کے دروازے پر لٹکے ہوئے تھے اور ایک سفید کپڑا اُن پر پڑا ہوا تھا ہم لوگوں نے جو کپڑا اُٹھا کر دیکھا تو ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ ایک سانپ عبید اللہ ابن زیاد کے سر کے اندر آتا جاتا ہے۔ اور پھر وہ سب سر رحبہ پر لٹکا دیے گئے۔ عامر مذکور کا یہی بیان ہے کہ جب تک ابن زیاد کا سر لٹکا رہا ایک سانپ اُس کے سر کے سوراخوں سے کئی دفعہ آیا گیا۔

مختار علیہ الرحمہ اور قاتلان امام علیہ السلام کی سزا

یہاں تک تو ہمنے اپنے سلسلۂ بیان کے ایک مخصوص ہیرو حضرت ابراہیم ابن مالک اشتر علیہ الرحمہ کے حالات اور اُن کے محاسن خدمات اور اُن کی بے نظیر شجاعت و دلیری کے واقعات بیان کیے۔ اُن کے احوال کو یہاں تک لکھکر اب ہم اپنے دوسرے پُر ہمت اور عالی حوصلہ سردار امیر مختار علیہ الرحمہ کے حالات قلمبند کرتے ہیں۔

شبث ابن ربعی۔ شمر ذی الجوشن اور عمر ابن سعد لعنہم اللہ کے اغوا سے مخالفین کوفہ نے جو اظہار مفاسد کیے تھے اُس کا حال ہم ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں۔ اس کے بعد جب تک ابراہیم ابن زیاد کے معاملات میں مشغول تھے کوفہ میں امیر مختار نے کیا کیا کارروائی کی اُس کو بیان کرتے ہیں۔ بہر حال ابراہیمؑ ان مفسدانِ کوفہ کی پوری تنبیہ کرکے اہلِ شام کے مقابلہ میں روانہ ہوئے۔ ادھر مختار بھی ہوا خواہانِ بنی اُمیہ کی مکارانہ رفتار و کردار سے پورا ہشیار ہو کر تختِ امارت پر چار زانو ہو بیٹھا اور اُسی وقت سے اُنھوں نے کوفہ اور اُس کے اطراف و جوانب میں قاتلانِ امام حسین علیہ السلام کا سُراغ لگانا شروع کر دیا۔ مختار نے اس فتح عظیم کی بعد الصلوٰۃ جامع کے منادی کرا دی اور جامع مسجد میں ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا

جس میں اپنی کامیابی اور استمداد لنصرۃ الحسین علیہ السلام کا بیان بہت خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ وہاں سے دار الامارہ میں آئے۔ بیعت کرنے والوں کا ہجوم ہوا اور ایک تعداد کثیر نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر اپنی پوری آمادگی ظاہر کی پھر ان قیدیوں کی نسبت امیر مختار نے پوچھنا شروع کیا کہ ان میں سے کون کون امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک تھا۔ اُس کی گردن ماری جاتی تھی یہاں تک کہ اُن میں سے نو سو چھیاسی آدمیوں کو دار البوار کی راہ پر لگایا اور باقی قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

شمر ذی الجوشن کا قتل۔ امیر مختار کو معلوم ہوا کہ شمر ذی الجوشن چند شرکائے قتل امام حسین علیہ السلام کے ساتھ فراری ہو گیا۔ اُسی وقت اپنے ایک غلام حبشی کو جسے زرین کہتے تھے دس آدمیوں کے ہمراہ روانہ کیا کہ جہاں ملے شمر کا سر کاٹ لاؤ۔

مسلم ابن عبد اللہ الضبابی کا بیان ہے کہ میں شمر ذی الجوشن کے ساتھ ساتھ تھا کہ اتنے میں وہ غلام حبشی آپہونچا۔ شمر نے کہا کہ دیکھو وہ آگیا۔ اب یہاں سے بھاگو۔ شاید یہ ہماری ہی تلاش میں آتا ہے۔ ابھی بھاگنے ہی کی فکر میں تھے کہ زریں غلام حبشی آہی گیا۔ شمر نے اُس پر حملہ کیا اور کامیاب ہوا۔ وہاں سے چلکر موضع کلبانیہ میں آیا اور ایک خط مصعب ابن زبیر کو لکھا اور ایک کافر عجمی کے ہاتھ روانہ کیا راہ میں ایک موضع پڑتا تھا۔ اُسی طرف یہ نامہ بر جانے والا تھا۔ ابو عمرہ کے آدمیوں میں سے کسی نے اُس خط کو دیکھ لیا۔ ابو عمرہ مختار کے کسی کام کے لیے اُس دن وہاں آئے ہوئے تھے اور اُس سے پوچھا کہ شمر اس وقت کہاں ہے؟ اُس نے بتایا کہ موضع کلبانیہ میں ہے فوراً ابو عمرہ کو اطلاع ہوئی اور وہ وہاں سے سیدھے کلبانیہ کو روانہ ہوئے۔ اس مقام سے کلبانیہ تک تین فرسخ یعنی ۹ میل کا فاصلہ تھا مسلم ابن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے شمر سے کہا کہ تو یہاں قیام نہ کر یہ خوف کا مقام ہے مگر اُس نے نہ مانا اور کہا کہ تین دن سے زیادہ یہاں نہیں رہوں گا اور کیا اُس جھوٹے (مختار کی طرف اشارہ ہے) سے ڈر جاؤں گا۔

ابھی رات کو ہم لوگ ابتدائی نیند میں تھے کہ ابو عمرہ کے ساتھیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہم لوگ تو بھاگ نکلے مگر شمر وہیں کھڑا رہ گیا۔ جب اُس نے اپنے آپ کو تنہا پایا تو ابو عمرہ کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور نہایت پھرتی سے لڑنے لگا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کی

بعد سؤر ہوا کہ خبیث مارا گیا۔ ابوعمرہ نے اُسے قتل کیا۔ غرض جتنے آدمی اُسکے ہمراہ رہگئے تھے سب کے سب مارے گئے اور اُن کے سر مختار کے پاس بھجوائے گئے۔ جونہی مختار نے اُن سروں کو دیکھا سجدۂ شکر ادا کیا اور حکم دیا کہ یہ سب سر رحبۃ الحدا ریں جامع کے سامنے لٹکا دیے جاویں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

محمد ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ اس کے بعد مختار نے حکم دیا کہ جہانتک ہوسکے قاتلان جناب امام حسین علیہ السلام کی تلاش کرو اور ہر مقام سے گرفتار کرو اور جب تک میں ان ملعونوں کو قتل نہ کرلوں گا مجھپر کھانا پینا حرام ہے۔ چنانچہ گرفتاری جاری ہوئی۔ سب سے پہلے جو سزایاب ہوئے وہ اُن ملاعین میں سے تھے جنھوں نے امام حسین علیہ السلام کے جسم مطہرؑ کے ساتھ گھوڑوں کے ذریعہ سے بے ادبی کی تھی۔ ان سب کو مختار نے پکڑوایا اور زمین پر لٹا کے لوہے کی کیلیں اُن کے ہاتھ پاؤں میں جڑوادیں اور حکم دیا کہ ان پر بھی گھوڑے دوڑائے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہانتک کہ گھوڑوں نے ان کو کچل ڈالا۔ پھر آگ میں ان سب کی لاشوں کو جلا ڈالا۔

صاحب ناسخ التواریخ کی تحقیق میں لاش امام حسین علیہ السلام پر گھوڑے دوڑانیوالی یہ تھے۔ اسحاق ابن جویریہ اخنس ابن مرثد۔ عمر ابن صبیح الصیداوی۔ رجاع ابن منقذ العبدی۔ سالم ابن خثیمۃ الجعفی۔ صالح ابن وہب الجعفی۔ واعظ ابن ناعم ہانی ابن مثبت الحضرمی۔ اسید ابن مالک۔

ان لوگوں کی کامل سیاست کے بعد عبدالرحمٰن ابن عقیل رضی اللہ عنہم کے خون میں جو دو آدمی شریک تھے اُنہیں پکڑوایا اور سر کاٹ کے آگ میں جلوا دیا۔ پھر مالک ابن بشیر ملعون کو پکڑوایا اور سر کاٹکے آگ میں جلوادیا اور سربازار اُس کو قتل کرایا۔

خولی کا قتل۔ خولی ابن یزید الاصبحی۔ یہی ملعون امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک لیکے سب سے پہلے عبیداللہ ابن زیاد کے پاس گیا تھا۔ مختار نے ابوعمرہ کو حکم دیا کہ اس کے گھر کا محاصرہ کیا جائے۔ یہ اپنے گھر کے بیت الخلا میں جاچھپا اور ایک زنبیل سر پر اوڑھ لی تاکہ کوئی نہ پہچانے مگر اُسکی نیک اور شریف بی بی مسماۃ نوار نے جو دوستدار اہلبیت علیہم السلام تھی، اشارے سے بتا دیا کہ خولی پاخانہ میں چھپا ہے آخر پکڑا گیا اور قتل کرکے جلتی آگ میں جلا دیا گیا +

حکیم ابن طفیل سنبسی کی گرفتاری کے واسطے عبداللہ ابن کامل روانہ کیے گئے اسی ملعون نے جناب عباس علیہ السلام کو تیر مارا تھا۔ اور اسی نے حضرت کے شہید ہونے کے بعد لباس اُتار لیے تھے۔ عبداللہ مذکور نے اُس کو گرفتار کیا اور کئی آدمیوں نے اُس پر تیراندازی کی اور آخر تیروں سے مار کر جہنم واصل کیا۔

مرہ ابن منقذ عبدی یہ جناب علی اکبر شبیہ پیغمبر علیہ السلام کا قاتل تھا۔ یہ ملعون کبیر السن اور نہایت بوڑھا تھا۔ جب اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تو باہر چلا گیا اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ عبداللہ ابن ناجیہ شامی کو اُس سے مار کر قتل کیا۔ مگر عبداللہ کامل نے اُس پر اور ایک تلوار ماری جس سے ایک بایاں ہاتھ کٹ گیا۔ اور خون جاری ہوا۔ اُس حالت سے بھاگا۔ چونکہ گھوڑے پر سوار تھا اس وجہ سے بچ گیا اور مصعب ابن زبیر سے جا ملا۔ لعنہ اللہ وعذ بہ عذ ابا شدیدا۔

زید ابن رفاد کو تیروں اور پتھروں سے زخمی کیا۔ پھر قتل کیا۔ قتل کرنے کے بعد آگ میں جلا دیا۔

سنان ابن انس۔ بصرہ کو بھاگا۔ اُس کا گھر ڈھا دیا گیا۔ بصرہ سے قادسیہ میں گیا مختار کے آدمی اُسے تلاش کرتے رہے۔ آخر عذیب اور قادسیہ کے درمیان گرفتار ہوا پہلے اِس کی اُنگلیاں کاٹی گئیں۔ پھر ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ پھر دیگ میں روغن زیتون کو جوش دیکے اُس ملعون کو اُس میں جیتا جاگتا ڈال دیا گیا۔

عبداللہ ابن عقبہ غنوی۔ اِس شقی ازلی نے اہلبیت علیہم السلام کے بہت سے صغیر السن بچوں کو قتل کیا تھا۔ یہ نالائق جزیرہ کی طرف بھاگا۔ اُس کا گھر منہدم کرا دیا گیا اِس کی اور حرملہ ابن کاہل اسدی کی نسبت شاعر کہتا ہے ؎

وعند غنی قطرۃ من دمائنا   وفی اسد اخری تعد و تذکر

حرملہ ابن کاہل اسدی۔ اس ملعون کی بابت منہال ابن عمر کی ایک عجیب روایت مشہور ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز مکۂ معظمہ میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے مجھ سے حرملہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ میرے ساتھ بشر ابن غالب اسدی بھی تھے، اُنہوں نے کہا کہ وہ کوفے میں ابھی زندہ موجود ہے۔ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی اللھم اذقہ حر الحدید

اے معبود اس کو ذائقہ تلوار کا چکھا۔
منہال کہتے ہیں کہ جب میں کوفہ میں آیا اور اُس زمانہ میں وہاں مختار کی حکومت تھی، ایک روز میں اُن کی ملاقات کو گیا۔ دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے باہر بیٹھے ہیں۔ مجھ کو دیکھکر پوچھا۔ کیوں منہال۔ تم ہماری ولایت میں نہ شریک ہوئے۔ میں نے کہا کہ میں تو اس وقت مکہ سے آرہا ہوں۔ پھر مختار وہاں سے چلے اور محلہ کناس میں آئے اور ایک مقام پر ٹھہر گئے۔ کسی کے منتظر معلوم ہوتے تھے۔ اتنے میں کچھ لوگ اُن کے پاس آئے اور اس بات کی خوشخبری دی کہ حرملہ گرفتار ہوا۔ آخر اُسکو پکڑے ہوئے مختار کے پاس لائے۔ دیکھتے ہی مختار نے کہا لعنک اللہ الحمد للہ الذی امکننی منک۔ اے حرملہ خدا تجھپر لعنت کرے۔ شکر اُس خدا کا جس نے مجھ کو تجھپر قابو دیا۔ پھر جلاد کو بلوایا اور حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو۔ اور آگ منگوا کے پھونس میں رکھکر اُس کو جلوا دیا۔
میں نے جب اس حال کو دیکھا تو دو مرتبہ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ اللہ اکبر کہا۔ مختار نے کہا یوں تو تسبیح ایک عمدہ ذکر ہے۔ لیکن اس وقت بالتخصیص اس سبحان اللہ کہنے کا کیا داعی ہوا ہے۔ میں نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے بد دعا کرنے کا ذکر کیا اسکو سُنتے ہی مختار علیہ الرحمہ گھوڑے سے اُتر پڑے اور دو رکعت نماز شکر ادا کی اور سجدے میں طول دیا۔ پھر وہاں سے چلے اور میرے مکان تک آئے۔ میں نے قسم دی کہ آپ میرے غریب خانہ پر چلیے اور کچھ ماحضر تناول فرمائیے۔ مختار نے کہا کیا خوب دیکھو جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے چند دعائیں فرمائیں جن کا انجام میرے ہاتھ سے ہوا۔ پھر کہا میں اس شکریہ میں آج روزہ نہ رکھوں۔
عبد اللہ ابن عروہ خثعمی کی گرفتاری جاری ہوئی۔ مگر نہ مل سکا۔ بھاگ گیا۔ اور مصعب ابن زبیر سے جا ملا۔
عمر ابن صبیح الصیداوی اپنے مکان کی چھت پر تلوار سر کے نیچے رکھکے سو رہا تھا مختار کے ملازموں نے اسے آکے گرفتار کر لیا۔ جب مختار کے پاس اُسی لائے تو دوسرے دن اُسے تیروں سے مار مار کر ہلاک کیا۔
محمد ابن اشعث۔ قادسیہ کے قریب ایک گاؤں میں اسکا مکان تھا۔ وہاں یہ بھاگ گیا

مختار نے اپنے ملازمین اس کی گرفتاری کو بھیجے۔ اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا لیکن اُسکے مکان کے کئی دروازے تھے ایک سے نکل بھاگا اور مصعب سے جا ملا۔ گھر اُس کا گروا دیا گیا۔ مال و اسباب لوٹ میں ہاتھ آیا۔ مگر تاہم اس حملہ میں **عبداللہ ابن اسید جہنی۔ مالک ابن خشم بدی۔ حمل ابن مالک محاربی** کو قادسیہ سی گرفتار کر کے لائے۔ مختار نے پوچھا کیوں دشمنان خدا امام حسین علیہ السّلام کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کہاں ہیں حسین ابن علی علیہما السلام۔ ان سب نے جواب دیا کہ ہم لوگ تو مجبوری سے کربلا میں لڑنے کو گئے تھے نہ اپنی خوشی سے۔ مختار نے کہا تو کیا تم نے اُن حضرت پر کوئی احسان بھی کیا تھا اور جب تم سے وہ طالب امان ہوئے تھے۔ تو تم نے امان بھی دی تھی۔ یا تم نے اُنہیں پانی بھی پلایا تھا۔ اور پھر اُس مرد بدی سی مخاطب ہو کر پوچھا۔ کیوں تو نے ہی حضرت امام حسین علیہ السّلام کی کلاہ اُتاری تھی اُس نے کہا نہیں۔ مختار نے کہا ضرور تو اس فعل کا مرتکب ہوا۔ آخر کار حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں، اور اُن لوگوں کی گردن ماری جاوے۔ چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔

بجدل ابن سلیم کلبی۔ اس کی شقاوت سے تمام شیعہ واقف ہیں خدا اسپر لعنت کرے اس ملعون نے جناب سید الشہداء علیہ التحیۃ والثنا اسلے یوم الجزا کی انگوٹھی لیلی۔ اس سے زیادہ کیا عرض کیا جائے۔ جب یہ گرفتار ہوا تو مختار علیہ الرحمۃ نے اسکے ہاتھ پاؤں کٹوا کے اسکو ڈلوا دیا۔ برابر اُسکا خون بہتا رہا یہانتک کہ تڑپ تڑپکر مر گیا۔

رفاد ابن مالک۔ عمر ابن خالد۔ عبدالرحمن بجلی۔ عبداللہ ابن قیس خولانی جب گرفتار ہو کر آئے۔ تو مختار نے پوچھا کیوں تمہیں لوگوں نے تو بروز عاشورا ورس کو لوٹا تھا (امام حسین علیہ السلام کے اسباب میں ورس بھی تھا۔ یہ ایک زرد گھاس ہے جو یمن میں پیدا ہوتی ہے۔ اُس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں) پھر اُن لوگوں کو بازار میں تشہیر کر کے قتل کرایا۔

اسماء ابن خارجہ فرازی۔ اس ملعون نے حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کو شہید کیے جانے میں جی توڑ کوشش کی تھی مختار نے اسکی کیفیت سُنکر کہا اما و رب السماء و رب الضیاء والظلماء لتنزلن نار من السماء دھماء حمراء سحما تحرق دار اسماء

قسم پروردگار آسمان اور پروردگار نور و ظلمت کی۔ ضرور ایک آگ آسمان سے گریگی۔ سیاہ سُرخ۔ نہایت کالی اور وہ اسمار کے گھر کو جلا دیگی۔ جب یہ خبر اسمار کو معلوم ہوئی تو کہنے لگا کہ ابو اسحاق نے اس وقت مسجع کلام کیا ہے۔ اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ آخر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے اور اس کے چچازاد بھائیوں کے مکانات منہدم کر دیے گئے۔

قیس ابن اشعث کندی۔ صاحب روضۃ الصفا اس کے حال میں لکھتے ہیں کہ یہ عبداللہ ابن کامل کے پاس جو مختار علیہ الرحمہ کے مقربین اور اصحاب مخصوصین میں سے تھے پناہ گزیں ہوا۔ عبداللہ ابن کامل نے مختار سے اُس کی سفارش کی اور اُسکی جان کی امان چاہی۔ مختار نے سر جُھکا لیا۔ اُس وقت عبداللہ ابن کامل کی محاسن خدمات اور اُس شقی ازلی کے ظلم و تعدی کے حالات مختار کی آنکھوں میں گھومنے لگے۔ آخر کار مختار نے اس کی سیاست کو عبداللہ کی سفارش پر ترجیح دی اور عبداللہ ابن کامل سے کہا کہ لاؤ میں تمہاری انگوٹھی تو دیکھوں۔ عبداللہ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر دیدی۔ مختار نے وہ انگوٹھی پہن لی۔ پھر وہاں سے ایک گوشہ میں چلا گیا اور ابو عمرہ کو بُلا کر کہا کہ یہ انگوٹھی لو اور عبداللہ کی بی بی کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ یہ تیرے شوہر نے انگوٹھی اپنی نشانی دیکر کہا ہے کہ جہاں قیس ابن اشعث ہو تجھ کو دکھلا دے کہ اُس سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہے۔ جب وہ تمکو اُس کے پاس لیجاے تو تم فوراً اُسکو قتل کر ڈالنا۔ ابو عمرہ نے مختار علیہ الرحمہ کی ہدایت کی مطابق عمل کیا اور جونہی وہ مردود اُس کے سامنے آیا اُسے تلوار کی ایک ضرب سے دو ٹکڑے کر ڈالا اور اُس کے سر کو کاٹکر مختار کے پاس بھیجدیا۔

عمر ابن سعد کا قتل۔ عمر ابن سعد علیہ اللعنۃ کو امیر مختار رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مصلحت سے امان دیدی تھی اور کہلا دیا تھا کہ جب تک کوفہ میں رہے اور کوئی امر خلاف اس سے واقع نہ ہو تب تک اس کو امان ہے لیکن ایک روز عمر ابن ہشیم اُسکے پاس تنہا بیٹھا ہوا تھا اثنائے ذکر میں مختار نے کہا واللہ لاقتلن رجلاً عظیم المقدمین غائر العینین مشرف الحاجبین یھمز الارض برجلہ یرضی بقتلہ اھل السماء والارض قسم خدا کی میں ضرور ایک ایسے شخص کو قتل کروں گا جو بڑے بڑے قدموں والا۔ چھوٹی چھوٹی

تاآنکہ پچاس ہزار سوار اُتر گئے۔ بعد اسکے وہ ابن زیاد کے واسطے ایک بغلہ مثل بُرج
کے لائے کہ ایک عماری میں تھا۔ جو دیبا و حریر سے مڑھا ہوا تھا۔ اور اُس پر سُرخ دیبا
کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور وہ بصام کے پروں سے گدگدا کیا ہوا تھا۔ اور
اُسپر دیباج کا ایک قبہ تھا۔ اور سُرخ سونے کا پٹکا پڑا ہوا تھا اور موتیوں اور جواہروں
سے مرصع تھا۔ جواہروں کے سبب سے سونا چمکتا تھا۔ جیسا کہ ستارہ چمکے۔ اور
اُس میں تیس شمعیں روشن تھیں۔ اور وہ بلندی میں قد آدم کے برابر تھیں۔ داہنی
جانب دو شمعیں عنبر کی تھیں اور اُسکے سر پر ٹوپی سونے۔ جواہرات اور موتیوں
کی تھی۔ گویا وہ آدمی کی ایک مورت تھی جسے لباس پہنا دیا تھا۔

ابراہیم ابن مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب یہ بغلہ آیا۔ خادم اُس کے
سامنے تھے۔ آدمی چلتے چلتے رُک جاتے تھے۔ اور میں لشکر میں کھڑا تھا جو ٹیل پر
تھا۔ میں نے اپنے راستے کو اپنی دانست میں تنگ کر دیا تھا۔ مجھ سے اُن لوگوں نے
کہا کہ امیر کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ میں نے کہا کہ مجھے امیر سے کچھ غرض ہے اور
مجھے اُس سے عرض کرنیکا یہی موقعہ ملا ہے۔ سو مجھ کو اُس کے پاس جانے دو۔

عبیداللہ ابن زیاد کا قتل۔ جب میں نے یہ کہا تو لوگوں نے مجھے میری حالت اور
میرے موقعہ پر چھوڑ دیا۔ جب ابن زیاد کی عماری قریب آئی تو میں چلایا کہ میں ایک
فریادی ہوں۔ پس اُس نے سر نکالا کہ مستغیث کی طرف دیکھے۔ ابراہیم نے اسپر ایک تلوار
چلائی اور ایک ہی وار میں اُس کو زمین پر گرا دیا۔ اور چلائے۔ یا آل ثارات الحسین علیہ السلام
پس اس آواز کے سنتے ہی چاروں طرف سے ابراہیمؑ کے لشکری کشتیوں کی ذریعہ سے
ابن زیاد کے لشکر میں درآئے اور قتل عام شروع ہو گیا۔ یہانتک کہ تمام رات ختم ہو گئی
دن نکل آیا۔ ابن زیاد کے ہمراہی بھاگ گئے۔ اہل کوفہ نے اُن کا تعاقب کیا۔ صاحب
فلعہ کا بیان ہے کہ جب ابن زیاد کو ابراہیم نے زیر کیا تو اُسکی مشکیں باندھ لیں اور اپنے
ایک رفیق کے حوالہ کیا۔ ابراہیم کے لشکر والوں نے چاروں طرف سے اُسکو گھیر لیا
ہر شخص اُسپر لعنت کرتا تھا۔ منہ پر مارتا تھا۔ ضربیں لگاتا تھا اور تھوکتا تھا اور چلاتا تھا
یا آل ثارات الحسین علیہ السلام۔ پھر ابراہیم نے ابن زیاد کے گلے میں طوق ڈلوایا۔ پیروں
میں زنجیریں پہنائیں اور جلتی آگ میں اُسکو جلوا دیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آگ میں

بلانے کے قبل ابراہیم اُس کے آگے بڑھے۔ اپنی کمر سے خنجر حجازی کھینچا اور اُنہوں نے
مثل جانور ذبیحہ کے اُس کا گوشت کاٹنا شروع کیا۔ اس طرح کہ اُس کے ایک عضو کو کاٹا
اور ابن زیاد کے مُنہ میں بھر دیا اور زبردستی اُس کو کھلایا۔ جب وہ کھانے سے انکار کرتا تھا
تو اُس کو خنجر لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ کھا اور ابھی اور کھا۔ اُس وقت ابراہیم علیہ الرحمہ
برابر یہی کہے جاتے تھے۔ یا آل ثارات الحسین علیہ السّلام۔ یہاں تک کہ وہ کھاتے کھاتے
مر گیا تو اُس کے کان سے دوسرے کان تک چاک کر ڈالا۔ اور پھر اُسکا سر کاٹا اور حکم دیا
کہ اُس کے سر اور بدن پر گھوڑے دوڑا دیے جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور
اُسکے سر اور جسم پر گھوڑے دوڑا کر اُسکا سارا بدن کچلوا دیا گیا۔
پھر اُس نے دوسرے اسیروں کی حاضری کا حکم دیا۔ اور ابراہیم علیہ الرحمہ ہر شخص سے
سوال کرتا تھا کہ تو نے روز قتل جناب امام حسین علیہ السلام پر کیا کیا کیا
بیان کر۔ پس بعض لوگوں کے ساتھ تو یہ کیا گیا کہ اُن کے دست و پا قلم کیے گئے۔
اور بعض کے ساتھ وہ فعل کیا جو ابن زیاد کے ساتھ کیا گیا۔ یہاں تک کہ اُن قیدیوں
میں ستر آدمی باقی رہے جو اُسکے خواص میں مثل شیث ابن ربعی و سنان ابن انس
اور عمر ابن حجاج اور شمر ذی الجوشن وغیرہ وغیرہ لعنہم اللہ تھے اور یہ وہ لوگ ہیں جو خود
متولی قتل جناب امام حسین علیہ السلام ہوئے اور حضرت کے حرم کو تاراج کیا
تھا۔ ان سب کو ابراہیم نے اپنے روبرو کھڑا کیا اور حکم دیا کہ دیبا کے خلعت لاؤ کہ ان کو
پہنائے جاویں۔ اُن ملاعین نے کہا کہ اس کلام سے کیا فائدہ۔ جو تو کرنا چاہتا ہے کر۔
ابراہیم نے کہا کہ اچھا مجھ سے سچ بولنا۔ اُنہوں نے کہا بہتر ہے ہم سچ کہیں گے۔ تب
کیا تو کہا کہ اوّل جو شخص امام حسین علیہ السلام کے قتل کو گیا تھا وہ خولی ہے۔
اُس کو قتل کرایا۔
سنان کا قتل۔ بعد خولی کے سنان آیا کہ یہ بھی امام حسین علیہ السلام کے قتل کو
گیا تھا۔ ابراہیم نے کہا کہ افسوس ہے تیرے لیے سنان۔ تو نے یوم قتل امام حسین
علیہ السلام کیا کیا تھا؟ اُسنے کہا کہ امام حسین علیہ السّلام کی طرف گیا وہ اُس وقت
زمین پر پشت کے بھل پڑے تھے۔ میں نے اُن کی کمر پر ہاتھ ڈالا۔ اُنہوں نے میرا ہاتھ
تین مرتبہ علیحدہ کر دیا۔ چوتھی بار وہ نہ کر سکے۔ پس میں نے دیکھا کہ وہ کمر بند کو

پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کے ہاتھ کو قطع کیا اور کمربند کو لے لیا۔ ابراہیم یہ سُنکر روئے اور کہا تجھ کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کچھ بھی شرم نہیں آئی۔ پس ابراہیم نے حکم دیا کہ اُس کو اُسی طرح چت لٹا دیا اور خود اُسکے شکم پر کھڑے ہو گئے۔ اُس کی آنکھ میں خنجر کو گھسایا اور اُسکی آنکھوں کی سیاہی اور سپیدی کو خنجر سے چاک کر دیا۔ خون اُس سے جاری ہوا اور پھر حکم دیا کہ اسکے کانوں کو چیرو اُس کے ہاتھوں کو کاٹو۔ لوگوں نے اُس کے ہاتھ کاٹے۔ آگ میں ڈال دیا۔ اور جلا دیا اسی طرح ابراہیم ہر ایک سے پوچھتے جاتے تھے اور اُن کے ساتھ وہی کام کیے جاتے تھے جو اُنہوں نے کیے تھے۔ الغرض ان سب کو ہلاک کیا اور قتل کیا۔ اور اُن کے سروں کو کٹوا کر مختار کے پاس بھجوا دیا! ور کچھ سوار اور اسلحہ اور اشیائے غنیمت بھی ہمراہ کیں۔ ان میں ہزار اونٹ تو کپڑوں کے تھے اور ہزار اونٹ سونے چاندی کے۔

بہرحال یہ تو ابن زیاد بد نہاد کے تباہ و برباد ہونے کی وہ روداد تھی جس کو ہمنے کتاب آخذ الثار اور رسالہ قرۃ العین امام اسفرائنی کے ترجمہ سے لکھا ہے۔ مگر تاریخوں میں جہاں تک اس معرکہ کی نسبت حالات پائے جاتے ہیں وہ صاف صاف تبلاتے ہیں کہ ابراہیم ابن مالک اُشتر نے ابن زیاد بد نہاد کے مقابلہ میں کسی خدعہ یا حیلہ سے کام نہیں لیا بلکہ رو در رو اُس سے مقابلہ کیا اور بڑا سخت معرکہ پڑا۔ جس میں بہت سے نامدار اور جرار اہل شام میدان جنگ میں کھیت رہے اور دس ہزار سپاہی مارڈالے گئے اور ابراہیم کو اہل شام پر فتح کامل نصیب ہوئی اور یہ ایسی بڑی اور عظیم الشان فتح تھی کہ جس کے باعث اہل شام کی قوتیں ضعیف اور ہمتیں بالکل پست ہو گئیں اور اُن کو اب اہل عراق کی پاداریوں اور جگرداریوں کے کامل ثبوت مل گئے۔ اب ہم اس جنگ عظیم کی مفصل کیفیت تاریخ روضۃ الصفا روضۃ الاحباب اور جلاء العیون اور رسالہ شیخ ابن نما علیہ الرحمہ کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ابراہیم ابن مالک اُشتر علیہ الرحمہ وہاں سے روانہ ہوئے اور نہر خازر پر پہنچے۔ جو بارہ میل کے فاصلہ پر موصل سے واقع ہے۔ عبید اللہ ابن زیاد کو اس کی خبر لگی

وہ تراسی ہزار فوج لیکے ابراہیم علیہ الرحمہ کے مقابلہ کو نکلا۔ یہاں ابراہیم کے ساتھ تیس ہزار آدمی بھی نہ تھے۔

عبید اللہ ابن زیاد کے لشکر میں اشراف بنی تمیم میں عمیر ابن حباب بھی ایک شخص تھا۔ ابراہیم نے اُسکو خفیہ خط لکھا کہ اگر تم ہم سے مل جاؤ تو بہت کچھ انعام دیں گے اور اکرام کرینگے۔ چنانچہ وہ ہزار سواروں کے ساتھ آکر ابراہیم سے مل گیا۔ اور پہلا مشورہ یہی دیا کہ ابن زیاد سے لڑنے میں تعجیل کرنی چاہیے۔ اسی کی رائے سے فوراً صف بندی ہوگئی۔ میمنہ۔ میسرہ۔ قلب و جناح مرتب ہوگیا۔ اور جنگ کی پوری تیاریاں ہوگئیں۔

ابن زیاد کی طرف سے سب سے پہلے ابن صنعان کلبی نکلا اور بڑی دھوم دھام کا رجز پڑھا۔ اس طرف سے احوص بن شداد مقابلہ کو اُسکے آئے اور بعد رجز کے مقابلہ ہوا۔ آخر ابن صنعان کو قتل کیا اور پھر مبارزطلبی کی۔ اس کے بعد داؤد دمشقی اُس کے مقابلہ کو آیا اور اُسے بھی بات کی بات میں قتل کر ڈالا اور اپنے لشکر میں واپس آئے اس کے بعد حصین ابن نمیر سکونی جو عبید اللہ ابن زیاد کے قلب لشکر کا اُس وقت افسر تھا جوش غیرت سے آگے بڑھا اور بڑی دھوم دھام سے ذیل کا رجز پڑھا ؎

یا قادۃ الکوفۃ اہل المنکر ٭ وشیعۃ المختار و ابن الاشتر ٭ ہل فیکم قوم کریم العنصر مہذب فی قومہ مفخر ٭ یبرز نحوی قاصداً الا یمتری ٭ اے سواران کوفہ! اے بداعمالو! اے گروہ مختار و مالک ابن اشتر! جو تم میں کریم الاصل۔ مہذب اور فخر قوم ہو وہ آوے۔ درآنحالیکہ وہ پُر ہمت اور بے شبہ ہو۔

اس طرف سے شریک ابن حزم بڑھے اور رجز کے یہ شعر پڑھے ؎ یا قاتل الشیخ الکریم الا زہر ٭ بکربلا یوم التقاء العسکر ٭ اعنی حسیناً ذالثنا والمفخر ٭ وابن النبی الطاہر المطہر ٭ علی البطل المظفر ٭ ہذا لکہا من ہزبر قسور ضربۃ قوم ربعی مضری ٭ اے قتل کرنیوالے بزرگ شریف روشن جبین کے کربلا میں بروز ملاقات افواج۔ یعنی اے قاتل جناب امام حسین علیہ السلام جو صاحب فخر و ثنا تھے، اور فرزند نبی طاہر تھے اور دلبند حیدر کرار شجاع مظفر تھے سمجھ لے اسکو پھر لے اس ضربت کو شیر ژیاں سے جو قوم ربعی مضری کی ضرب ہے ٭

رجز پڑھکر طرفین سے مقابلہ ہوا۔ آخر شریک نے اُس کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد پھر تو گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور سب نے خوب خوب دادِ شجاعت دی۔ یہان تک کہ ظہر کا وقت آگیا اور اشاروں سے نماز پڑھی۔ پھر بھی لڑتے رہے۔ یہان تک کہ رات ہوگئی۔ ستارے نکل آئے اور لڑائی نہ بند ہوئی۔ برابر سر پر سر گرتے رہے خون کی ندیاں بہتی تھیں۔ مقتولین ہر طرف تڑپ رہے تھے۔ مؤمنین کے دلوں کو تقویت ہوتی جاتی تھی، عبیدیوں کے جگر پھٹتے جاتے تھے۔ چہرے مضمحل ہوتے جاتے تھے۔ آخر سب کے سب بھاگے۔ لیکن پھر بھی جہانتک بن سکے قتل کیے گئے۔ اہلِ شام میں سے جو لوگ بڑے نام آور قتل کیے گئے وہ یہ تھے۔ حصین ابن نمیر السکونی شراحیل ابن ذوالکلاع۔ ابن جوشب۔ غالب باہلی۔ ابواشرس جو اُس وقت خراسان کا عامل تھا اور ابراہیم علیہ الرحمہ کو یہ فتح نمایاں حاصل ہوئی۔ فجزاہ اللہ الجزاء عوضا مما فعلہ بقتلہ خیر الاولیاء والاصفیاء ابراہیم کے مخصوصین میں سے کسی شخص نے ابراہیمؒ کی شان میں یہ قصیدہ نظم کیا ہے ؎

اللہ اعطاک المھابۃ والتقیٰ	واحل بیتک فی العدید الاکثر
واقر عینک یوم وقعۃ خازر	والخیل تعثر فی الفناء المنکر
من ظالمین کفتھم ایامھم	ترکوا اللحاجلہ وطیرا اعثر
ما کان اجرؤھم جزاھم ربھم	یوم الحساب علی ارتکاب المنکر

خدا نے تمہیں مہابت اور تقوے مرحمت فرمایا ہے اور عدد کثیر تمہاری فوج میں داخل ہوا اور جنگ خازر کے دن تمہاری آنکھوں کو خنک کیا۔ جن کے ایام بد اُن کے لیئے کافی ہوگئے اور وہ لنگ کرنے والے درندوں اور لغزش کھانیوالے پرندوں کی خوراک کے لیے چھوڑ دیے گئے۔ کس قدر یہ ظالمین جری تھے۔ بد کاموں کے اختیار کرنے پر۔ ان کا پروردگار قیامت کے دن بدلا دے۔ ناقلین کا بیان ہے کہ باوجودیکہ دونوں طرف کی فوج ہٹ گئی تھی، یعنی اُس طرف کے لوگ تو بھاگ کر الگ ہوگئے تھے اور اس طرف کے لوگ اپنی کامیابیوں کی پُر جوشیوں میں تھے۔ مگر ہمارا بہادر نوجوان ابراہیمؒ مع چند سپاہیوں کے ایک طرف ہوکر چند اشرار سے برابر لڑ رہا تھا۔ اور یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ کون لوگ

ہیں لیکن بظاہر بہت ثابت قدم اور جری معلوم ہوتے ہیں کہ باوجود شکست فاش کے ابھی تک ان سب میں غیرت باقی ہے۔ منجملہ اُن کے سُرخ رنگ کا ایک جوان بھی تھا کہ جب کسی پر حملہ کرتا تھا اُس کا سر کاٹکر گرا دیتا تھا۔ جوہیں وہ ابراہیمؒ کے قریب آیا۔ ابراہیم نے ایک ایسی تلوار ماری کہ اُس کا ہاتھ کٹکر گر پڑا اور وہ بھی اس صدمے سے نہر خازر کے کنارے پر گر پڑا۔ پھر تو ابراہیمؒ نے اُس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالے اور متفرق کردیے۔ ابراہیمؒ کا بیان ہے کہ میں نے اُس کے جسم سے مشک کی خوشبو محسوس کی (چونکہ عبیداللہ امیر لشکر تھا مشک وعنبر وغیرہ بقاعدہ عرب کپڑوں میں لگائے تھا) اتنے میں ایک شخص آیا اور اُس کے موزے اُتار لیے۔ خیال ہوا کہ یہی ابن زیاد ہے۔ ابراہیمؒ نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ لو۔ لوگوں نے اُس کا سر کاٹ لیا اور رات بھر اُس کے دھڑ اور سر کی حفاظت کی گئی۔ صبح کو مہران (غلام ابن زیاد) نے پہچانا کہ یہی عبیداللہ ابن زیاد۔ دعی ابن الدعی قاتل جناب امام حسین علیہ السلام اور دشمن خداوند غالب وقہّار ہے۔ پھر تو ابراہیم علیہ الرحمہ کو بے حد خوشی ہوئی اور خدا کا شکر بجا لائے۔

یہ واقعہ صفر کے مہینہ میں ہوا۔ اور اکثر اہل حدیث کا بیان ہے کہ روزِ عاشورا ۶۷ھ ہجری تھا۔ اُس وقت اس کی عمر چالیس سال سے کم تھی۔ بعضوں نے بالتخصیص اُنتالیس (۳۹) برس تبلائی ہے۔ مختار اس زمانہ میں بہت متردد تھے اور اکثر ابراہیمؒ کے حالات کے جویا رہتے تھے۔ آخر خود بھی سائب ابن مالک کو اپنا خلیفہ بنا کر کوفہ سے چلے اور مدائن میں آئے (وہاں منبر پر جا کر لوگوں کو ابراہیم کی اعانت پر آمادہ کرنے لگے) اتنے میں اُن کو خوشخبری سنائی گئی کہ عبیداللہ ابن زیاد مقتول ہوا اور ابراہیم ابن مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ کامیاب و فتحمند واپس آتے ہیں۔ پھر تو ایسے خوش ہوئے کہ مارے خوشی کے اُچھل پڑے۔ نفکا دیطیر فرحًا اور وہاں سے کوفہ واپس آئے۔

ابراہیم نے ان سب مقتولین رؤسائے شام کے سر مع ابن زیاد کے سر نجس کے کوفہ میں مختار کے پاس بھیجدیے۔ وہ اس وقت دسترخوان پر تھے۔ وہ سروں کو

دیکھکر خدا کا شکر بجالائے کہ اُس نے ہمیں اس ظالم ناکث پر کامیاب فرمایا جب کھانے سے فارغ ہوئے تو خود اُٹھکے اُس کے سر کو جوتوں سے روندا اور پھر جوتی نکالکر پاؤں سے پھینکدی اور نوکر سے کہا کہ اسے دھو ڈال کیونکہ میرا جوتا اس نجس کے منہہ سے مس ہوا ہے۔

ابوالطفیل عامر ابن واثلہ کنانی سے منقول ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ تمام سرہائے مقتولین کوفہ کے دروازے پر لٹکے ہوئے تھے اور ایک سفید کپڑا اُن پر پڑا ہوا تھا ہم لوگوں نے جو کپڑا اُٹھاکر دیکھا تو ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ ایک سانپ عبیداللہ ابن زیاد کے سر کے اندر آتا جاتا ہے۔ اور پھر وہ سب سر رحبہ پر لٹکا دیے گئے۔ عامر مذکور کا یہی بیان ہے کہ جب تک ابن زیاد کا سر لٹکا رہا ایک سانپ اُس کے سر کے سوراخوں سے کئی دفعہ آیا گیا۔

مختار علیہ الرحمہ اور قاتلان امام علیہ السلام کی سزا

یہاں تک تو ہمنے اپنے سلسلۂ بیان کے ایک مخصوص ہیرو حضرت ابراہیم ابن مالک اشتر علیہ الرحمہ کے حالات اور اُن کے محاسن خدمات اور اُن کی بے نظیر شجاعت و دلیری کے واقعات بیان کیے۔ اُن کے احوال کو یہاں تک لکھکر اب ہم اپنے دوسرے پُرہمت اور عالی حوصلہ سردار امیر مختار علیہ الرحمہ کے حالات قلمبند کرتے ہیں۔

شبث ابن ربعی۔ شمر ذی الجوشن اور عمر ابن سعد لعنہم اللہ کے اغوا سے مخالفین کوفہ نے جو اظہار مفاسد کیے تھے اُس کا حال ہم ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں۔ اس کے بعد جب تک ابراہیم ابن زیاد کے معاملات میں مشغول تھے کوفہ میں امیر مختار نے کیا کیا کارروائی کی اُس کو بیان کرتے ہیں۔ بہرحال ابراہیمؒ ان مفسدانِ کوفہ کی پوری تنبیہ کرکے اہلِ شام کے مقابلہ میں روانہ ہوئے۔ ادھر مختار بھی ہواخواہانِ بنی اُمیہ کی مکارانہ رفتار و کردار سے پورا ہشیار ہوکر تختِ امارت پر چارزانو ہو بیٹھا اور اُسی وقت سے اُنہوں نے کوفہ اور اُس کے اطراف و جوانب میں قاتلانِ امام حسین علیہ السلام کا سُراغ لگانا شروع کر دیا۔ مختار نے اس فتح عظیم کی بعد الصلوٰۃ جامع کے منادی کرادی اور جامع مسجد میں ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا

جس میں اپنی کامیابی اور استمداد لنصرۃ الحسین علیہ السلام کا بیان بہت خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ وہاں سے دار الامارہ میں آئے۔ بیعت کرنے والوں کا ہجوم ہوا اور ایک تعداد کثیر نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر اپنی پوری آمادگی ظاہر کی پھر ان قیدیوں کی نسبت امیر مختار نے پوچھنا شروع کیا کہ ان میں سے کون کون امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک تھا۔ اُس کی گردن ماری جاتی تھی یہاں تک کہ اُن میں سے نو سو چھیاسی آدمیوں کو دار البوار کی راہ پر لگایا اور باقی قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

شمر ذی الجوشن کا قتل۔ امیر مختار کو معلوم ہوا کہ شمر ذی الجوشن چند شرکائے قتل امام حسین علیہ السلام کے ساتھ فراری ہو گیا۔ اُسی وقت اپنے ایک غلام حبشی کو جسے زرین کہتے تھے دس آدمیوں کے ہمراہ روانہ کیا کہ جہاں ملے شمر کا سر کاٹ لاؤ۔

مسلم ابن عبد اللہ الضبابی کا بیان ہے کہ میں شمر ذی الجوشن کے ساتھ ساتھ تھا کہ اتنے میں وہ غلام حبشی آپہونچا۔ شمر نے کہا کہ دیکھو وہ آگیا۔ اب یہاں سے بھاگو۔ شاید یہ ہماری ہی تلاش میں آتا ہے۔ ابھی بھاگنے ہی کی فکر میں تھے کہ زریں غلام حبشی آہی گیا۔ شمر نے اُس پر حملہ کیا اور کامیاب ہوا۔ وہاں سے چلکر موضع کلبانیہ میں آیا اور ایک خط مصعب ابن زبیر کو لکھا اور ایک کافر عجمی کے ہاتھ روانہ کیا۔ راہ میں ایک موضع پڑتا تھا۔ اُسی طرف یہ نامہ بر جانے والا تھا۔ ابو عمرہ کے آدمیوں میں سے کسی نے اُس خط کو دیکھ لیا۔ ابو عمرہ مختار کے کسی کام کے لیے اُس دن وہاں آئے ہوئے تھے اور اُس سے پوچھا کہ شمر اس وقت کہاں ہے؟ اُس نے بتایا کہ موضع کلبانیہ میں ہے فوراً ابو عمرہ کو اطلاع ہوئی اور وہ وہاں سے سیدھے کلبانیہ کو روانہ ہوئے۔ اس مقام سے کلبانیہ تک تین فرسخ یعنی ۹ میل کا فاصلہ تھا۔ مسلم ابن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے شمر سے کہا کہ تو یہاں قیام نہ کر یہ خوف کا مقام ہے مگر اُس نے نہ مانا اور کہا کہ تین دن سے زیادہ یہاں نہیں رہوں گا اور کیا اُس جھوٹے (مختار کی طرف اشارہ ہے) سے ڈر جاؤں گا۔

ابھی رات کو ہم لوگ ابتدائی نیند میں تھے کہ ابو عمرہ کے ساتھیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہم لوگ تو بھاگ نکلے مگر شمر وہیں کھڑا رہ گیا۔ جب اُس نے اپنے آپ کو تنہا پایا تو ابو عمرہ کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور نہایت پھرتی سے لڑنے لگا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کی

بعد شور ہوا کہ خبیث مارا گیا۔ ابوعمرہ نے اُسے قتل کیا۔ غرض جتنے آدمی اُسکے ہمراہ رہگئے تھے سب کے سب مارے گئے اور اُن کے سر مختار کے پاس بھجوائے گئے۔ جونہی مختار نے اُن سروں کو دیکھا سجدۂ شکر ادا کیا اور حکم دیا کہ یہ سب سر رحبۃ الحدا رمیں جامع کے سامنے لٹکا دیے جاویں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

محمد ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ اس کے بعد مختار نے حکم دیا کہ جہانتک ہوسکے قاتلان جناب امام حسین علیہ السلام کی تلاش کرو اور ہر مقام سے گرفتار کرو اور جب تک میں ان ملعونوں کو قتل نہ کرلوں گا مجھپر کھانا پینا حرام ہے۔ چنانچہ گرفتاری جاری ہوئی۔ سب سے پہلے جو سزایاب ہوئے وہ اُن ملاعین میں سے تھے جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے جسم مطہرؑ کے ساتھ گھوڑوں کے ذریعہ سے بے ادبی کی تھی۔ ان سب کو مختار نے پکڑوایا اور زمین پر لٹا کے لوہے کی کیلیں اُن کے ہاتھ پاؤں میں جڑوادیں اور حکم دیا کہ ان پر بھی گھوڑے دوڑائے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہانتک کہ گھوڑوں نے ان کو کچل ڈالا۔ پھر آگ میں ان سب کی لاشوں کو جلا ڈالا۔

صاحب ناسخ التواریخ کی تحقیق میں لاش امام حسین علیہ السلام پر گھوڑے دوڑانیوالی یہ تھے۔ اسحاق ابن جویریہ۔ اخنس ابن مرثد۔ عمر ابن صبیح الصیداوی۔ رجاع ابن منقذ العبدی۔ سالم ابن خثیمۃ الجعفی۔ صالح ابن وہب الجعفی۔ واعظ ابن ناعم۔ ہانی ابن ثبیت الحضرمی۔ اسید ابن مالک۔

ان لوگوں کی کامل سیاست کے بعد عبدالرحمٰن ابن عقیل رضی اللہ عنہم کے خون میں جو دو آدمی شریک تھے اُنہیں پکڑوایا اور سر کاٹ کے آگ میں جلوا دیا۔ پھر مالک ابن بشیر ملعون کو پکڑوایا اور سر کاٹکے آگ میں جلوا دیا اور سر بازار اُس کو قتل کرایا۔

خولی کا قتل۔ خولی ابن یزید الاصبحی۔ یہی ملعون امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک لیکے سب سے پہلے عبیداللہ ابن زیاد کے پاس گیا تھا۔ مختار نے ابوعمرہ کو حکم دیا کہ اس کے گھر کا محاصرہ کیا جائے۔ یہ اپنے گھر کے بیت الخلا میں جا چھپا اور ایک زنبیل سر پر اوڑھ لی تاکہ کوئی نہ پہچانے۔ مگر اُسکی نیک اور شریف بی بی مسماۃ نوار نے جو دوستدار اہلبیت علیہم السلام تھی، اشارے سے بتا دیا کہ خولی پاخانہ میں چھپا ہے آخر پکڑا گیا اور قتل کرکے جلتی آگ میں جلا دیا گیا۔

حکیم ابن طفیل سنبسی کی گرفتاری کے واسطے عبداللہ ابن کامل روانہ کیے گئے۔ اسی ملعون نے جناب عباس علیہ السلام کو تیر مارا تھا۔ اور اسی نے حضرت کے شہید ہونے کے بعد لباس اُتار لیے تھے۔ عبداللہ مذکور نے اُس کو گرفتار کیا اور کئی آدمیوں نے اُس پر تیراندازی کی اور آخر تیروں سے مار کر جہنم واصل کیا۔

مرہ ابن منقذ عبدی یہ جناب علی اکبر شبیہ پیغمبر علیہ السلام کا قاتل تھا۔ یہ ملعون کبیر السن اور نہایت بوڑھا تھا۔ جب اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تو باہر چلا گیا اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ عبداللہ ابن ناحیہ شامی کو اُس سے مار کر قتل کیا۔ مگر عبداللہ کامل نے اُس پر اور ایک تلوار ماری جس سے ایک بایاں ہاتھ کٹ گیا۔ اور خون جاری ہوا۔ اُس حالت سے بھاگا۔ چونکہ گھوڑے پر سوار تھا اس وجہ سے بچ گیا اور مصعب ابن زبیر سے جا ملا۔ لعنہ اللہ وعذ بہ عذابًا شدیدًا۔

زید ابن رفاد کو تیروں اور پتھروں سے زخمی کیا۔ پھر قتل کیا۔ قتل کرنے کے بعد آگ میں جلا دیا۔

سنان ابن انس۔ بصرہ کو بھاگا۔ اُس کا گھر ڈھا دیا گیا۔ بصرہ سے قادسیہ میں گیا مختار کے آدمی اُسے تلاش کرتے رہے۔ آخر غذیب اور قادسیہ کے درمیان گرفتار ہوا پہلے اِس کی اُنگلیاں کاٹی گئیں۔ پھر ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ پھر دیگ میں روغن زیتون کو جوش دیکے اُس ملعون کو اُس میں جیتا جاگتا ڈال دیا گیا۔

عبداللہ ابن عقبہ غنوی۔ اِس شقی ازلی نے اہلبیت علیہم السلام کے بہت سے صغیر السن بچّوں کو قتل کیا تھا۔ یہ نالائق جزیرہ کی طرف بھاگا۔ اُس کا گھر منہدم کرا دیا گیا اِس کی اور حرملہ ابن کاہل اسدی کی نسبت شاعر کہتا ہے ؎

وعند غنی قطرۃ من دمائنا   وفی اسد اخری تعد و تذکر

حرملہ ابن کاہل اسدی۔ اس ملعون کی بابت منہال ابن عمر کی ایک عجیب روایت مشہور ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز مکہ معظمہ میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے مجھ سے حرملہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ میرے ساتھ بشر ابن غالب اسدی بھی تھے، اُنہوں نے کہا کہ وہ کوفے میں ابھی زندہ موجود ہے۔ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی اَللّٰھُمّ اذقہ حرالحدید

اے معبود اس کو ذائقہ تلوار کا چکھا۔
منہال کہتے ہیں کہ جب میں کوفہ میں آیا اور اُس زمانہ میں وہاں مختار کی حکومت تھی، ایک روز میں اُن کی ملاقات کو گیا۔ دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے باہر بیٹھے ہیں۔ مجھ کو دیکھکر پوچھا۔ کیوں منہال۔ تم ہماری ولایت میں نہ شریک ہوئے۔ میں نے کہا کہ میں تو اس وقت مکہ سے آرہا ہوں۔ پھر مختار وہاں سے چلے اور محلہ کناس میں آئے اور ایک مقام پر ٹھہر گئے۔ کسی کے منتظر معلوم ہوتے تھے۔ اتنے میں کچھ لوگ اُن کے پاس آئے اور اس بات کی خوشخبری دی کہ حرملہ گرفتار ہوا۔ آخر اُسکو پکڑے ہوئے مختار کے پاس لائے۔ دیکھتے ہی مختار نے کہا لعنک اللہ الحمدللہ الذی امکننی منک۔ اے حرملہ خدا تجھپر لعنت کرے۔ شکر اُس خدا کا جس نے مجھ کو تجھپر قابو دیا۔ پھر جلاد کو بلوایا اور حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو۔ اور آگ منگوا کے پھونس میں رکھکر اُس کو جلوا دیا۔
میں نے جب اس حال کو دیکھا تو دو مرتبہ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ اکبر کہا۔ مختار نے کہا یوں تو تسبیح ایک عمدہ ذکر ہے۔ لیکن اس وقت بالتخصیص اس سبحان اللہ کہنے کا کیا داعی ہوا ہے۔ میں نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے بد دعا کرنے کا ذکر کیا اسکو سُنتے ہی مختار علیہ الرحمہ گھوڑے سے اُتر پڑے اور دو رکعت نماز شکر ادا کی اور سجدے میں طول دیا۔ پھر وہاں سے چلے اور میرے مکان تک آئے۔ میں نے قسم دی کہ آپ میرے غریب خانہ پر چلیے اور کچھ ماحضر تناول فرمایئے۔ مختار نے کہا۔ کیا خوب دیکھو جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے چند دعائیں فرمائیں جن کا انجام میرے ہاتھ سے ہوا۔ پھر کہا میں اس شکریہ میں آج روزہ نہ رکھوں۔
عبداللہ ابن عروہ خثعمی کی گرفتاری جاری ہوئی۔ مگر نہ مل سکا۔ بھاگ گیا۔ اور مصعب ابن زبیر سے جا ملا۔
عمر ابن صبیح الصیداوی اپنے مکان کی چھت پر تلوار سر کے نیچے رکھکے سو رہا تھا مختار کے ملازموں نے اسے آکے گرفتار کرلیا۔ جب مختار کے پاس اُسی لائے تو دوسرے دن اُسے تیروں سے مار مار کر ہلاک کیا۔
محمد ابن اشعث۔ قادسیہ کے قریب ایک گاؤں میں اسکا مکان تھا۔ وہاں یہ بھاگ گیا

مختار نے اپنے ملازمین اس کی گرفتاری کو بھیجے۔ اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا لیکن اُسکے مکان کے کئی دروازے تھے ایک سے نکل بھاگا اور مصعب سے جا ملا۔ گھر اُس کا گروا دیا گیا۔ مال و اسباب لوٹ میں ہاتھ آیا۔ مگر تاہم اس حملہ میں **عبداللہ ابن اسید جہنی۔ مالک ابن خشم بدئی۔ حمل ابن مالک محاربی** کو قادسیہ سے گرفتار کر کے لائے۔ مختار نے پوچھا کیوں دشمنانِ خدا امام حسین علیہ السّلام کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کہاں ہیں حسین ابن علی علیہما السلام۔ ان سب نے جواب دیا کہ ہم لوگ تو مجبوری سے کربلا میں لڑنے کو گئے تھے نہ اپنی خوشی سے۔ مختار نے کہا تو کیا تم نے اُن حضرت پر کوئی احسان بھی کیا تھا اور جب تم سے وہ طالب امان ہوئے تھے۔ تو تم نے امان بھی دی تھی۔ یا تم نے اُنہیں پانی بھی پلایا تھا۔ اور پھر اُس مرد بدئی سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ کیوں تو نے ہی حضرت امام حسین علیہ السّلام کی کلاہ اُتاری تھی اُس نے کہا نہیں۔ مختار نے کہا ضرور تو اس فعل کا مرتکب ہوا۔ آخر کار حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں، اور اُن لوگوں کی گردن ماری جاوے۔ چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔

بجدل ابن سلیم کلبی۔ اس کی شقاوت سے تمام شیعہ واقف ہیں خدا اسپر لعنت کرے اس ملعون نے جناب سید الشہداء علیہ التّحیۃ والثنا اے یوم الجزا کی انگوٹھی لیلی۔ اس سے زیادہ کیا عرض کیا جائے۔ جب یہ گرفتار ہوا تو مختار علیہ الرحمۃ نے اسکے ہاتھ پاؤں کٹوا کے اسکو ڈلوا دیا۔ برابر اُسکا خون بہتا رہا یہانتک کہ تڑپ تڑپکر مر گیا۔

رفاد ابن مالک۔ عمر ابن خالد۔ عبدالرحمن بجلی۔ عبداللہ ابن قیس خولانی جب گرفتار ہو کر آئے۔ تو مختار نے پوچھا کیوں تمہیں لوگوں نے تو بروز عاشورا ورس کو لوٹا تھا (امام حسین علیہ السلام کے اسباب میں ورس بھی تھا۔ یہ ایک زرد گھاس ہے جو یمن میں پیدا ہوتی ہے۔ اُس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں) پھر اُن لوگوں کو بازار میں تشہیر کر کے قتل کرایا۔

اسماء ابن خارجہ فرازی۔ اس ملعون نے حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کو شہید کیے جانے میں جی توڑ کوشش کی تھی مختار نے اسکی کیفیت سُنکر کہا اما و رب السماء و رب الضیاء والظلماء لتنزلن نار من السماء دھماء حمراء سحماء تحرق دار اسماء

قسم پروردگار آسمان اور پروردگار نور و ظلمت کی۔ ضرور ایک آگ آسمان سے گریگی۔ سیاہ سُرخ۔ نہایت کالی اور وہ اسمار کے گھر کو جلا دیگی۔ جب یہ خبر اسمار کو معلوم ہوئی تو کہنے لگا کہ ابو اسحاق نے اس وقت مسجع کلام کیا ہے۔ اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ آخر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے اور اس کے چچازاد بھائیوں کے مکانات منہدم کردیے گئے۔

قیس ابن اشعث کندی۔ صاحب روضۃ الصفا اس کے حال میں لکھتے ہیں کہ یہ عبداللہ ابن کامل کے پاس جو مختار علیہ الرحمہ کے مقربین اور اصحاب مخصوصین میں سے تھے پناہ گزیں ہوا۔ عبداللہ ابن کامل نے مختار سے اُس کی سفارش کی اور اُسکی جان کی امان چاہی۔ مختار نے سر جُھکا لیا۔ اُس وقت عبداللہ ابن کامل کی محاسن خدمات اور اُس شقی ازلی کے ظلم و تعدی کے حالات مختار کی آنکھوں میں گھومنے لگے۔ آخر کار مختار نے اس کی سیاست کو عبداللہ کی سفارش پر ترجیح دی اور عبداللہ ابن کامل سے کہا کہ لاؤ میں تمہاری انگوٹھی تو دیکھوں۔ عبداللہ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر دیدی۔ مختار نے وہ انگوٹھی پہن لی۔ پھر وہاں سے ایک گوشہ میں چلا گیا اور ابو عمرہ کو بُلا کر کہا کہ یہ انگوٹھی لو اور عبداللہ کی بی بی کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ یہ تیرے شوہر نے انگوٹھی اپنی نشانی دیکر کہا ہے کہ جہاں قیس ابن اشعث ہو مجھ کو دکھلادے کہ اُس سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہے۔ جب وہ تمکو اُس کے پاس لیجائے تو تم فوراً اُسکو قتل کر ڈالنا۔ ابو عمرہ نے مختار علیہ الرحمہ کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور جونہی وہ مردود اُس کے سامنے آیا اُسے تلوار کی ایک ضرب سے دو ٹکڑے کر ڈالا اور اُس کے سر کو کاٹکر مختار کے پاس بھیجدیا۔

عمر ابن سعد کا قتل۔ عمر ابن سعد علیہ اللعنۃ کو امیر مختار رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مصلحت سے امان دیدی تھی اور کہلا دیا تھا کہ جب تک کوفہ میں رہے اور کوئی امر خلاف اس سے واقع نہ ہو تب تک اس کو امان ہے لیکن ایک روز عمر ابن ہشیم اُسکے پاس تنہا بیٹھا ہوا تھا اثنائے ذکر میں مختار نے کہا واللہ لاقتلن رجلاً عظیم المقدمین غائر العینین مشرف الحاجبین یھمز الارض برجلہ یرضی بقتلہ اہل السماء والارض قسم بخدا میں ضرور ایک ایسے شخص کو قتل کروں گا جو بڑے بڑے قدموں والا۔ چھوٹی چھوٹی

آنکھوں والا۔ لٹکے ہوئے پیروں والا زمین پر ایڑیاں رگڑیگا۔ اُس کے قتل سے اہل زمین و آسمان خوش ہوں گے۔

اس وقت ہشیم ابن اسود موجود تھا۔ سمجھ گیا کہ مختار نے عمر ابن سعد کے قتل کا ارادہ کیا ہے۔ فوراً اپنے بیٹے عرفان نامی کو عمر ابن سعد کے پاس بھیجا۔ اور مختار کے ارادے سے مطلع کیا یہ سُنکر اُس نے چاہا کہ یہاں سے بھاگ چلے۔ بنی تیم میں سے ایک شخص کو بُلایا اور چار سو اشرفیاں اُسے دیں کہ یہ زادِ راہ ہے۔ اب میں یہاں سے چلتا ہوں اور دونوں ساتھ ساتھ چلے۔ حمامِ عمر یا نہرِ عبدالرحمٰن کے پاس پہنچکر عمر ابن سعد نے اپنے رفیق سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ میں کوفہ سے کیوں باہر نکلا۔ اُسنے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ عمر نے کہا کہ میں مختار سے خوف کھاتا ہوں کہ مبادا وہ مجھے مار نہ ڈالے۔ اُسنے کہا کہ مختار کی مجال نہیں ہے کہ وہ تمہیں مار سکے۔ اور اگر کہیں بھاگوگے تو گھر بار لوٹ لیا جائے گا۔ اہل وعیال سب قتل کیے جائیں گے۔ اُس کے اس کلام کو سُنکر عمر کو بھی یقین آگیا اور وہ پھر کوفہ واپس چلا آیا۔

یہانتک تو مرزبان کا بیان ہے مگر اوروں نے یہ لکھا ہے کہ جب عمر ابن سعد کوفہ سے چلا تو مختار علیہ الرحمہ کو خبر ہوگئی۔ اُنھوں نے کہا کیا خوب ہوا میں نے اپنے عہد پر وفا کی مگر اُس نے عہد شکنی کی۔ اب اُس کے قتل کیے جانے کا موقع آگیا۔ رات کو جب عمر ابن سعد اپنی اونٹنی پر سو گیا تو اُسکے ناقہ کو اُلٹے پاؤں کوفہ واپس لائے اب جو ہوشیار ہوتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ میں شہر میں ہوں۔ مجبور ہو کے اُس نے اپنے بیٹے حفص کو مختار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کیا تم اپنے عہد پر وفا کرنا نہیں چاہتے ہو امیر مختار علیہ الرحمہ نے کہا۔ اچھا تم یہیں بیٹھ جاؤ اور ابوعمیرہ یعنی کیسان تمار کو بُلاکر کچھ کان میں کہا جسکا مطلب یہ تھا کہ عمر ابن سعد کو جاکر قتل کر او ر دیکھنا جب وہ اپنے غلام سے کہے کہ طیلسان لاؤ تو سمجھنا کہ وہ تلوار مانگتا ہے۔ کبھی اُس کو موقع نہ دینا ابھی تھوڑی دیر ابوعمرہ کو گئے ہوئے ہوئی تھی کہ عمر ابن سعد کا سر کاٹ کے لے آئے حفص ابن عمر ابن سعد وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ مختار نے پوچھا کہ تو اس سر کو جانتا ہے اُسنے کہا کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مجھے اس کے بعد زندگی اچھی بھی نہیں معلوم ہوتی مختار نے کہا کوئی مضائقہ نہیں تو بھی اب زندہ باقی نہیں رہیگا اور حکم دیا کہ اسے بھی

قتل کر ڈالو۔ مختار علیہ الرحمہ نے کہا کہ عمر ابن سعد تو جناب امام حسین علیہ السلام کے عوض میں قتل ہوا اور حفص جناب علی اکبر علیہ السلام کے مقابلہ میں مقتول ہوا لیکن کبھی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، واللہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کے عوض میں ستر ہزار آدمی بھی قتل کر دوں گا۔ جس طرح جناب یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام کے عوض بنی اسرائیل قتل ہوئے تو بھی قصاص پورا نہیں ہوگا۔ بعض کا بیان ہے کہ یوں کہا تھا کہ اگر تین حصے قریش کے میں قتل کر ڈالوں تب بھی جناب امام حسین علیہ السلام کی ایک اُنگلی کا بھی عوض پورا نہ کرسکوں۔

چونکہ حضرت محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کیے جانے کا بہت خیال تھا اور مختار پر عتاب کرتے تھے کہ کیوں نہیں عمر ابن سعد کو قتل کرتے ہو۔ لہٰذا مختار نے ان دونوں نجس العینوں کے سروں کو مسافر ابن سعید ہمدانی کے ساتھ مکّہ کو روانہ کیا محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ ان کو دیکھکر بہت مسرور ہوئے۔

عمر سعد کے مارے جانے کے بعد اب قاتلان جناب امام حسین علیہ السلام میں سے کوئی ذی وجاہت شخص ایسا باقی نہ رہا تھا جس سے اُس خونِ ناحق اور اُس ذبح عظیم کا پورا معاوضہ امیر مختار علیہ الرحمہ نے نہ لیا ہو۔ اُن کی شمشیر آبدار اُس فرقۂ جفا کار کے ہر فرد کے لیے ہمیشہ نیام سے باہر تھی۔ اس فکر کے سوا دن رات اُن کو نہ کوئی دوسری فکر تھی اور نہ تلاش۔ وہ تھے اور ان اشقیا کی گرفتاری۔ وہ تھے اور خون ناحق امام حسین علیہ السلام کی طلبگاری۔ حق تو یہ ہے کہ جن الفاظ میں امیر مختار نے اس امر اہم کی ادا کاری کا وعدہ کیا تھا ویسے ہی ادا کیا۔ جبتک ان ملاعین کا تصفیہ نہ کر لیا اور اُن کے ناہنجار ہر فرد بیکار کو خاتمہ تک نہ پہنچا لیا تب تک وہ کبھی رات کو چین سے نہ سوئے، اور گدّے اور نرم و ملائم بستر پر اپنا سر نہ رکھا۔ ظاہری زینت اور آرائش کی پروا نہ کی۔ اپنے اقرار کے مطابق کبھی کنگھی نہیں کی۔ آئینہ کا مُنھہ نہ دیکھا۔ سُرمہ نہیں لگایا۔ اس وقت وہ سریر حکومت پر متمکن تھے۔ ہزاروں کیا لاکھوں عمائد و رؤسا تابع فرمان تھے۔ طرح طرح کے سامان راحت اور اسباب عیش و راحت مہیا تھے۔ ممکن تھا کہ امارت و دولت کے مشاغل میں مصروف ہو کر معاملۂ قصاص کو نسیاً منسیاً کر دیا جاتا۔ کم سے کم مختار

علیہ الرحمہ اپنے ماتحت افسروں کو اس کی تعمیل کا حکم کر دیتے اور آپ چین سے مسندِ امارت وحکومت پر بیٹھکر عیش و راحت کی داد دیتے۔ مگر نہیں۔ امیر مختار علیہ الرحمہ کی مبارک رفتار ایسے خیالوں سے ہزاروں کیا۔ لاکھوں کوس دور تھی۔ وہ اپنی عقیدت کے کامل ارادے کے مستقل۔ نیّت کے درست اور وعدے کے سچے تھے وہ جتنا کہتے تھے اتنا کرتے تھے اور جو کہدیتے تھے کر گزرتے تھے۔

امیر مختار نے امر قصاص کے پورا کرنے کا وعدہ اِنہی شرائط کے ساتھ کیا تھا۔ اور یہ عہد بھی قبر مطہر امام حسین علیہ السلام پر کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے اس میں انحراف۔ اختلاف سرتابی یا بدعہدی قطعی ناممکن تھی۔ اور یہی باعث تھا کہ اُنہوں نے ان مبارک خدمات کو ان تمام شرائط کے ساتھ ادا کیا۔ اور اس کے صلہ میں بمصداق آنکہ ع چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ اُن کو جہاد نفس اور قصاص معاندین دونوں کا ثواب ایک ساتھ عنایت کیے گئے وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اتنا لکھکر پھر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ بہرحال۔ جب امیر مختار رح کی امر قصاص میں دھاک بندھ گئی اور اطراف و جوانب میں اُس کی ثروت و دولت کی شہرت ہو گئی تو پھر اُسے ان ملاحدین کی تلاش و تجسس کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ آپ ہی آپ ان ملاعین کی گرفتاری اور قتل کے سامان ہونے لگے۔

چنانچہ تمام مورخین کا بیان ہے کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ غلام آ آکر اپنے مالکوں کے نام دربار عام میں تبلا جاتے تھے اور اُن کے چھپنے اور پوشیدہ ہونے کے مقام خود جا جاکر دکھلا دیتے تھے۔ اکثر غلاموں نے تو یہ کیا کہ اپنے مالکوں کو جو قتل جناب امام حسین علیہ السلام میں شریک تھے۔ خود قتل کر ڈالتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ غلام اپنے آقا کی گردنوں پر سوار ہو جاتے تھے۔ اور وہ بخوشی اس بات کو قبول کر لیتا تھا۔ اس خوف سے کہ مبادا یہ ہماری خبر امیر مختار رح کے کانوں تک نہ پہنچا دے۔

یہ کیا تھا؟ اُسی خون ناحق کی حقیقت اور امیر مختار کی عروج و ثروت۔ اس میں شک نہیں کہ ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ بے وفا اور عہدشکن قوم کوفہ کے لیے مختار ہی ایسا مستقل اور مستحکم مزاج اور دلیر آدمی ضرور تھا۔ جو ان کی مکارانہ

اور مفسدانہ چالوں کا کلّہ بکلّہ جواب دیتا اور ان کی عالم فریبی اور مصنوعی دلیریوں سے ذرا بھی خوف نہ کرتا۔ ہر فرعونے را موسٰے باید۔

امر قصاص میں مختار نے جیسی کچھ تاکید اور کوشش سے کام لیا وہ تاریخوں سے عموماً ظاہر ہے، اُس نے اپنی احتیاط کو یہاں تک پہنچا دیا کہ جب اُس کو معلوم ہوا کہ شمر ملعون نے جناب امام حسین علیہ السلام کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ کو ذبح کر کے اُس کے گوشت کو اہلِ شہر پر تقسیم کر دیا تھا تو مختار نے اُن گھروں کو منہدم کروا دیا جہاں جہاں وہ گوشت گیا تھا۔ اور اُس کے رہنے والوں کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ فجزاہ اللہ تعالےٰ خیر الجزاء بمحمد و آلہ النجباء النقباء۔

بہرحال۔ مختار نے عمر سعد کا سر اور نیز دیگر افسروں کے سروں کو چند معتبر آدمیوں کے ساتھ مع تیس ہزار اشرفیوں کے جناب محمد حنفیہ کے پاس بھجوا دیا اور خط میں لکھ دیا کہ میں نے آپ کے شیعوں کو آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں بھیجا تھا۔ الحمد للہ کہ آپ کے دوستوں کو کامیابی ہوئی اور دشمنوں سے عوض لے لیا گیا۔ جب محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اُن سروں کو دیکھا۔ سجدۂ شکر میں فرقِ مبارک خاک پر رکھ دیا اور مختار کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء فقد ادرک ثارنا ووجب حقہ علیٰ کل من ولد کا عبد المطلب ابن ھاشم اللّٰھمّ واحفظ لابراھیم ابن الاشتر وانصرہ علی الاعداء ووفقہ لما تحب وترضی واغفر لہ فی الاخرۃ والاولیٰ۔ خدایا اُسے جزائے خیر دے کہ اُس نے ہمارے خون کا بدلہ لے لیا اور اُس کا حق عبد المطلب ابن ہاشم کی تمام اولاد پر واجب ہو گیا۔ اے معبود ابراہیم ابن اشتر کو محفوظ رکھ اور دشمنوں کے مقابلہ میں اُسے مدد دے۔ اور اپنی پسندیدہ باتوں کی اُسے توفیق عنایت فرما اور دنیا و آخرت میں اُس کی مغفرت فرما۔

جناب محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ نے پھر ان سروں کو حضرت سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں بھجوا دیا۔ آپ اُس وقت خاصہ تناول فرما رہے تھے ان سروں کو ملاحظہ فرماتے ہی سجدۂ شکر ادا فرمایا اور ارشاد کیا الحمد للہ الذی ادرک لی ثاری من عدوی وجزی اللہ المختار خیرا۔ شکر اُس خدا کا جس نے ہمارے خون کا بدلہ ہمارے دشمنوں سے لے لیا اور خدا مختار کو جزائے خیر دے اور فرمایا کہ

میں بھی جب عبداللہ ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تھا تو وہ مردود کھانا کھا رہا تھا اور میرے پدر بزرگوار کا سر اُس کے سامنے رکھا تھا۔ تو میں نے اپنے معبود کی حضرت میں دعا کی کہ پروردگار مجھے بھی اُس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ میں بھی ابن زیاد کا سر اسی طرح نہ دیکھ لوں پھر جناب محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ نے وہ تمام اشرفیاں جو مختار علیہ الرحمہ نے بھیجی تھیں اپنے تمام اہل و اقارب اور شیعوں کو جو مکہ اور مدینہ میں رہتے تھے تقسیم کر دیں مرزبان کا بیان ہے کہ وہ اپنی سند کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی عورت ہاشمیہ نے سرمہ نہیں لگایا نہ خضاب کیا نہ کسی ہاشمی کے گھر سے پانچ برس تک دھواں نکلا جبتک کہ عبیداللہ ابن زیاد کا سر نہ آ لیا۔

یحییٰ ابن ابی راشد فاطمہ بنت علی علیہ السلام سے ناقل ہیں کہ آپ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی عورت نے نہ مہندی لگائی اور نہ آنکھوں میں سرمہ کی سلائی پھرائی نہ کنگھی کی، جب تک کہ امیر مختار علیہ الرحمہ نے عبیداللہ ابن زیاد کا سر ہمارے ہاں نہ بھیج دیا۔ جناب ابن نما علیہ الرحمہ نے چند اشعار آبدار نظم کیے ہیں جو مختار علیہ الرحمہ کی خدمات کے محاسن کو نہایت ہی خوبی سے ظاہر کرتے ہیں۔ وہو ہذا ؎

سر النبی باخذ الثار من عصب — باغ لقتل الحسین الطاہر الشیم

قوم غذوا بلبان البغض ویحہم — للمرتضیٰ وبنیہ سادۃ الامم

جاد الفخار الفتی المختار اذ قعدت — عن نصرہ سائر العرب والعجم

جادتہ من رحمۃ الجبار ساریۃ — تحمی علیٰ قبرہ منہلۃ الدیم

جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے مسرور ہوئے کہ اُن کے پیارے نواسے نیک خصلت کے خون کا عوض لے لیا گیا۔ اُس قوم سے جس نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ یہ وہ قوم ہے جس نے جناب امیر المؤمنین اور اُنکے فرزندان سرداران اُمم کے بغض و عداوت کے اونٹوں کے دودھ سے غذا حاصل کی۔ اُن کا بُرا ہو۔ نوجوان مختار علیہ الرحمہ نے اس وقت یہ فخر حاصل کیا جبکہ تمام عرب و عجم نصرت کی طرف سے اپنی پشت پھیر کر بیٹھ چکے تھے۔ رحمت خدا کا ابر شب و روز ان کی تربت پر رحمت نازل کرے اور اس کو تر رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

بہرحال یہ ہے امیر مختار علیہ الرحمہ کی بےمثل دلیری اور شجاعت کی سچی روداد اور اُس کے عزم بالجزم مستقل اور مہتم بالشان ارادوں کی داستان۔ اس میں شک نہیں کہ اگر امیر مختار کے ابتدائی حالات پر نظر کی جائے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہو کہ ایسے معمولی آدمی سے ایسے عظیم الشان اُمور کی تعمیل ہو گی، یا ایک آدمی سے ایک ایسی پُرزور۔ قوت دار قوم اور جتھے کی شکست۔ بربادی اور تباہی یقین کیجا سکیگی جو اپنے ہاتھوں میں سلطنت کی باگیں سنبھالے ہوں گے۔ یا کم سے کم وہ قوم جو کسی غیر کی اطاعت میں رہکر ایک امر عظیم کا ابھی ابھی اقدام کر چکی ہو اُس کا دم کے دم میں ایسا کایا پلٹ ہو جائے کہ وہ اپنی تلواروں سے پھر اُنہیں کی گردنیں رتیتیں جنکی اطاعت متابعت اور موافقت میں دوسروں کے گلے کاٹ چکے تھے۔

ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں اور اب بھی لکھے دیتے ہیں کہ مختار کی محاسن خدمات میں تائید ربانی ضرور شامل تھی۔ اور ان تمام بے نظیر واقعات کا وقوع پذیر ہونا اسی بہادر کے ہاتھوں مقدر ہو چکا تھا۔ اگر ان واقعات کی تعمیل و تکمیل اس شیر بیشۂ شجاعت کے متعلق نہ کی گئی ہوتی تو ہم کو یقین ہے کہ آج جزیرہ نمائے عرب میں مشکل سے کوئی شخص مختار رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے واقف ہوتا۔ وہ یہی عظیم الشان خدمات تھے جنہوں نے مختار کو تمام کوفہ میں مختار کر دیا۔ اور اُس کی امارت و حکومت کا سلسلہ ریگستان کوفہ سے اُٹھا کر خیابان فارس تک پہنچا تا ہوا بحر احمر کے طوفانی کناروں تک پہنچا دیا۔ اور عبد اللہ ابن زبیر کو پچیس برس کی جانکاہ کوششوں کے بعد امارت کی جو حیثیت نصیب ہوئی وہ اُن کو کل تین برس کی ہلکی پھلکی محنتوں میں باطمینان تمام و با قصی المرام حاصل ہو گئی، اور قبل اس کے کہ ابن زبیر خلیفہ یا امام تسلیم کیے جائیں اس کی بیعت اور امارت حجاز۔ عراق۔ فارس وغیرہ میں اختیار کر لی گئی۔

سچ پوچھو تو معاملات قصاص سے امیر مختار کو ایک ہی سال کے اندر فراغت کلی ہو گئی اور اس خوش قسمت نے سال ہی بھر کے اندر اس عظیم الشان مہم کو بھی سر کیا۔ اور ملکی امارت و حکومت بھی پیدا کر لی و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

حضرت محمد حنفیہؓ اور عبد اللہ ابن زبیر

امیر مختار کو ابھی ان جھگڑوں سے فراغت نہیں ہوئی تھی کہ فوراً ایک دوسری

مصیبت کا سامنا ہوا۔ وہ یہ ہے کہ عبداللہ ابن زبیر کی آنکھوں میں مختار کی کامیابیاں کھٹک رہی تھیں، ان کی عروج و ثروت کی خبریں پایا کر وہ اپنی حسرت اور ناکامیابی کے غم و غصہ سے جل گیا۔ مگر چونکہ مختار اب مختار ہی نہیں رہا تھا بلکہ فی زمانہ وہ ممالک اسلامیہ کے بہت بڑے اور زرخیز حصہ کا تاجدار اور فرمانروا بن گیا تھا اور ایک عظیم الشان اور دلیر فوج اُس کی رکاب میں ہمیشہ اپنی جان نثار کرنے کے لیے تیار رہتی تھی جو ابھی ابھی ملک شام کے پنجاہ سالہ انتظام کو درہم و برہم کر چکی تھی ان وجوہ سے ابن زبیر کو مختار کے خلاف میں کوشش کرنے کی یک بیک جرأت نہیں ہوتی تھی مگر اُسے حضرت محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کو ان کے تمام اُمور کا باعث سمجھکر اپنا مطیع بنانا چاہا اور سوچا کہ انکے اطاعت قبول کر لینے پر مختار بھی ضرور مطیع و منقاد ہو جائیگا اسی خیال کی بناء پر عبداللہ ابن زبیر نے جناب محمد حنفیہ رضؓ پر دست بیع ہونیکے لیے سخت دباؤ ڈالا۔ اُنھوں نے اِس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ اُمور ملکی میں مجھے کوئی مداخلت نہیں۔ اور نہ اس کی طرف میری کوئی خواہش یا رغبت ہے۔ میں ایک گوشہ میں خاموشی سے بیٹھا ہوں۔ مجھے امر بیعت کے لیے تکلیف دینا ضرور نہیں۔ ابن زبیر نے اِس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ یا تو بیعت کیجیے یا جان سے ہاتھ دھوئیے۔ محمد حنفیہ نے تھوڑے دِنوں کے لیے مہلت مانگی۔ وہ بھی نہ ملی۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ ایک ساعت بیعت کیے بغیر آپ چھوڑے نہ جائیں گے۔ اب تو حضرت محمد حنفیہؓ کو بھی حرارت آگئی۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس کا مقام ہے۔ تم تو سُنّت رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اتّباع کا بہت دعوے کرتے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صفوان ایسے مشرک اصلی اور کافر عینی کو تو اُس کی درخواست پر مہلت عنایت فرمائی اور تم مجھے ایک ساعت کی مہلت دینا بھی منظور نہیں کرتے۔ اب آپ کے اس فرمانے پر کچھ اُس کو بھی غیرت آئی، اور کچھ حاضرین نے بھی شرمایا تو عبداللہ ابن زبیر نے بمشکل ان کو صرف دو مہینے کی مہلت دی، مگر اس پر بھی چاہ زمزم کے قریب ایک مکان میں نظر بند رکھا اور چالیس آدمیوں کا پہرہ آپ کی حراست و نگرانی کے لیے مخصوص طور پر مقرر کر دیا محمد حنفیہؓ اس محبس میں توکلت علی اللہ کہکر داخل ہوئے اور نہایت سختی اور مصیبت سے بسر کرنے لگے۔ جب اِس ضیق النفسی سے بہت تنگ آگئے تو مختار

کو اپنا پورا حال لکھ بھیجا۔ مختار اس خبر کے پاتے ہی اپنے جامہ سے باہر ہو گیا۔ اُس نے اُسی وقت اپنے لشکر کے تمام افسروں کو بُلایا اور جناب محمد حنفیہ کا خط سُنایا۔ اور ظبیان ابن عمارہ کو ایک فوج جرّار کے ساتھ مع چار ہزار درہم کے حضرت محمد حنفیہ کی خدمت میں روانہ کیا اور پھر دوسرے دن ابو العمر اور ہانی ابن قیس اور عمر ابن ابی طارق اور یونس ابن عمر کی ماتحتی میں پانچ سو سواروں کی فوج مکّہ کی طرف بھیجی۔ جب یہ جمعیت مکّہ کے قریب پہنچی تو یہاں محمد حنفیہ کے ایّام مقررہ میں سے اٹھاون دن گزر چکے تھے اور اب صرف دو دن باقی رہ گئے تھے۔ ابن زبیر کو ان کے معاملات میں کامیابی کی پوری امید ہو چکی تھی وہ سمجھتا تھا کہ اس حالت پر بھی حضرت محمد حنفیہ رضہ ہماری بیعت نہیں کرینگے۔ اس لیے اُس نے پہلے ہی سے لکڑی اور روغن زیت وغیرہ جمع کر رکھا تھا اور دل میں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ جس وقت وہ انکار کریں گے تو جیتے جی آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔

عبد اللہ ابن زبیر تو اس تاک میں تھے۔ ادھر مختار کی فوج مکّہ میں داخل ہو گئی۔ ان لوگوں کے آتے ہی عبد اللہ ابن زبیر کے ہوش جاتے رہے۔ اِدھر اُدھر بغلیں جھانکنے لگے۔ روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ مختار کے لشکر نے آکر محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کو اُس قید سے چھڑایا اور ابن زبیر کے پہرے والوں کی سزا بھی کرنی چاہی۔ مگر جناب محمد حنفیہ نے اُن کو یہ کہکر روک دیا اور آئندہ خونریزی سے باز رکھا کہ میں خانۂ کعبہ زاد اللہ شرفا کی حرمت ضائع کرنی کبھی گوارا نہ کروں گا۔ یہ سُنکر وہ لوگ اپنے ارادوں سے باز آئے۔ عبد اللہ ابن زبیر بھی پشیمان ہو کر خاموش ہو رہا۔ کوفہ سے جو لوگ مختار کا بھیجا ہوا روپیہ لائے تھے اُس کو جناب محمد حنفیہ نے اُنہیں لوگوں پر تقسیم کر دیا اور اُن کو رخصت فرمایا۔

حقیقت میں یہ بھی اگر غور کیا جائے تو ایک سخت مشکل تھی جو معاندین کی وجہ سے حضرت محمد ابن حنفیہ رضہ کے سر آ لگی تھی۔ مگر مختار علیہ الرحمہ کی حسن عقیدت نے اُس کو بھی عین وقت پر دم کے دم میں رفع دفع کر دیا۔ اس واقعہ سے مختار کے محاسن خدمات کے علاوہ ایک دوسرا امر جو نہایت وضاحت سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عبد اللہ ابن زبیر کی وہ چھپی ہوئی خود غرضی اور نفسانیت جو اُس کو خاندان بنی ہاشم

کے ساتھ ہمیشہ سے چلی آتی تھی مگر جسے وہ ولائے اہلبیت علیہم السلام کی آڑ میں آجتک چھپاتے آتے تھے۔ اچھی طرح ظاہر ہوگئی۔ قیام مکہ کے زمانہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں ان کے ظاہری رسوخ اور نمائشی اخلاص یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم کے معانی کو پورے طور سے تبلا رہے تھے۔ پھر واقعۂ شہادت کے بعد مصائب امام مظلوم علیہ السلام پر ان کا مصنوعی تاسف اور بنی اُمیہ کی مخالفت انکی خود غرضی کی دوسری ترکیب تھی اور یہ اپنی اُس ٹٹی کی آڑ میں مُلکی رعایا کے قلوب کو اپنے جال میں پھانسنا چاہتے تھے۔ اور تھا بھی یوں ہیں کہ اُس زمانہ میں بغیر اس حیلہ کے کام نکلنا دشوار تھا۔ اسی بنا پر ابن زبیر نے امر قصاص و مخالفت بنی اُمیہ کی ظاہری چالوں سے اپنا کام نکالنا چاہا۔ مگر چونکہ ان کے اُمور بالکل حیلہ اور فریب پر مبنی تھے اس لیے ان کی کوشش کچھ نہ چلی۔ اور ہر شخص ان کے دلی مقصود کو فوراً پہچان گیا۔ صرف حرمین شریفین کی رعایا نے انکا ساتھ دیا۔ اور انکی بیعت پر تھوڑے دنوں تک قائم رہے۔ اس وجہ سے ان کو بھی مملکت اسلامیہ میں سقّے کی سی بادشاہی مل گئی۔

بخلاف ان کے مختار رحمۃ اللہ علیہ کی نیت میں خلوص تھا اور جبتک وہ اپنے ان اُمور میں کوشاں رہا برابر کامیاب ہوتا گیا۔ اب اگر ابن زبیر کی نیت میں بھی خلوص ہوتا اور اہلبیت علیہم السلام کی خدمت میں ارادت اور عقیدت کا شرف ان کو بھی حاصل ہوتا تو یہ یا ان کے عمال کوفہ میں انتقام لینے والے گروہ سے متفق ہوکر سلیمان ابن صرد خزاعی کا ساتھ دیتے یا کم سے کم اپنی فوج کو اُن لوگوں کی اعانت میں روانہ کرتے۔ ان کے عمال۔ زید ابن عبد اللہ اور ابراہیم ابن محمد کا سلیمان ابن صرد خزاعی سے یہ عذر کرنا کہ ٹھہر جاؤ۔ ابن زبیر کی بھیجی ہوئی فوج بھی حجاز سے کوفہ میں آلے تو ایکبار قوت متفقہ سے اہل شام پر حملہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ روضۃ الصفا کی عبارت سے اوپر لکھا گیا ہے کتنا صحیح اور درست ثابت ہوتا ہے۔ سلیمان ابن صرد خزاعی کی مہم کیا مختار کے معرکے بھی تمام ہوگئے اور ابن زبیر کی فوج نہ آئی۔ اسی ایک واقعہ سے ابن زبیر اور اُس کے بہی خواہوں کی دغابازی اور حیلہ سازی پورے طور سے پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے۔

اب ہم کو اسی بحث میں یہ بھی دریافت کر لینا ضروری ہے کہ آخر عمال ان ابن زبیر کی ان دغابازیوں سے کیا مراد تھی۔ وہ یہ تھی کہ سلیمان ہمارے ساتھ ہو جائیں تو ہم انہی کی موجودہ جمعیت سے اہل شام کا مقابلہ کریں۔ ہمارا کچھ خرچ نہو نہ بگڑے۔ انہی کی جانوں کی قربانیاں چڑھا کر ہماری مرادیں نکلیں۔ اور پھر اپنا کام نکال لینے کے بعد امارت کوفہ تو ہماری جیسی آج ہے ویسی ہی کل۔ خیریت تھی کہ سلیمان ابن صرد خزاعی ان لوگوں کی چالوں کو سمجھ گئے اور وہ اُسی وقت ان کی موافقت اور مداخلت سے قطعی انکار کر بیٹھے۔ ورنہ آج ان کے خلوص پر بھی خودغرضی کا دھبہ آ ہی جاتا۔

ہمارے ناظرین اب تو ابن زبیر کے اصلی مقاصد کو سمجھ گئے۔ اور اگر اب بھی ابن زبیر کی مفسدانہ چالوں کی نسبت اُن کو یقین کامل نہیں تو وہ جناب محمد ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے واقعات پر غور فرما کر اپنی تشفی اور تسکین خاطر کر لیں۔ اگر ابن زبیر کو جھوٹوں سچوں بھی۔ خاندان اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ کسی قسم کی مروت رعایت یا خلوص و محبت کا خیال ہوتا تو وہ کبھی ایسے ظالمانہ اور جابرانہ مسالک حضرت محمد حنفیہ رض کے ساتھ قائم رکھنے کے روادار نہوتے اور حرم محترم کے ایسے مقدس اور متبرک مقام میں جہاں ایک کافر عینی تک کے ستائے جانے اور آزار پہنچانے کا حکم نہیں ہے اُن کو قید نہ کرتے اور قید بھی کرتے تو آگ اور لکڑی جمع کر کے اُن کے جلا دینے کا سامان مہیا کر کے اُس خانۂ ابراہیمی کو معاذاللہ آتشکدۂ نمرودی کا نمونہ نہ بناتے۔

یہ کیسی بدعتیں تھیں اور کیسی شقاوتیں۔ مگر افسوس ہے اُن نادان عالموں پر جو آج اپنی علمیت کا سارے جہان میں دعوے کرتے پھرتے ہیں اور ذرا ذرا سی باتوں کو بدعتیں بتلا کر زمانہ کو استخفاف شرک کا سبق دیتے پھرتے ہیں وہ آنکھیں کھولکر اپنے اسلاف کی ان بدعتوں کو عبرت کی آنکھوں سے دیکھیں غور کریں۔ سوچیں اور خفت اور پشیمانی کے گریبانوں میں اپنی گردنیں ڈالیں اور دل ہی دل میں شرمائیں کہ آج جن خردہ گیریوں پر ہم مرے مٹتے ہیں۔ جان دیے دیتے ہیں۔ اُس سے کہیں بڑھ بڑھکر صاف صاف اور کھلی کھلی بدعتیں ہمارے اُن بزرگوں سے صادر ہو چکی ہیں

جن کو ہم دُنیا و آخرت میں پیشوا۔ رہبر۔ امام اور مقتدا سمجھتے ہو اور پھر اُن کی یہ بدعات اور حرکات لغویات۔ زبانی اور یاروں کی من گھڑت نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ واقعات ہیں جو ہماری ہی معتبر کتابوں میں آج تک محفوظ ہیں۔ اسی بنا پر فی زمانناجو بدعات صغیرہ کا مرتکب یا ان اولیات میں منہمک پایا جاتا ہے اُس کو بدعتی سمجھنا غلطی ہے۔ وہ تو بنا بر اُصولِ تقلید اہل حل و عقد۔ یا وہ ایک سچا اور خالص مقلد ہے۔ یا بنا بر حکم خطائے اجتہادی مجتہد ہے۔ اگر وہ اپنے کسی فتوے میں مخطی بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مثاب ہوگا۔

اب تو ہم کو کامل یقین ہے کہ ہماری کتاب کے ناظرین عبداللہ ابن زبیر کے منشائے دلی سے بخوبی واقف ہو گئے ہوں گے اس لیے ہم کو اب اس سے زیادہ بحث کرنی کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اب ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو امیر مختار علیہ الرحمہ کے محاسن خدمات کے متعلق بڑھاتے ہیں حقیقت تو یوں ہے کہ مختار نے جو جو ارادے دل میں کیے تھے یا جو جو وعدے قبر مطہر جناب امام حسین علیہ السلام پر کیے تھے وہ ایک ایک کر کے پورے کر دیے اور اہلبیت علیہم السلام کی حقوق جو ان کے ذمے تھے سب ادا کر دیے۔ ان کے محاسن خدمات ہر پہلو سے اس مصرع کے پورے پورے مصداق ٹھہرے ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ ان کی کارروائیوں سے ہمت مرداں مدد خدا کی پوری تصریح ہوتی ہے۔ مگر دُنیا اور اہلِ دُنیا نے کسی کو ٹھنڈی آنکھوں سے نہ دیکھا۔ مختار علیہ الرحمہ کے خلوص کو بھی انہوں نے بیداغ نہ چھوڑا۔ اور اُن پر بھی آخر الزام لگا ہی چھوڑا۔ اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ صرف حصولِ سلطنت کا ذریعہ تھا۔ اچھا یونہی سہی۔ مگر اتنا تو ضرور ہے کہ تائید ربانی اور تفضلات یزدانی ان کی کوششوں شاملِ حال تھی اور مشیتِ ایزدی نے یہ معاملات خاص طور پر انہی کی ذات سے متعلق فرمائے تھے، ہم اس سے قبل اس امر کے ثبوت میں چند پیشین گوئیاں بھی درج کر چکے ہیں، اور یہ ثابت کر آئے ہیں کہ یہ کام انہی کا تھا اور انہی نے کیا اگر ہمارے ناظرین کو یاد نہ ہو تو ہم بمزید احتیاط ایک اور واقعہ خاص امام شعبی کی آنکھوں کا دیکھا ہوا روضۃ الصفا کی اصلی عبارت سے ذیل میں لکھے دیتے ہیں۔ جو

ان معاملات پر کافی طور سے روشنی ڈالتا ہے۔ وہو ہذا۔
صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ شعبی علیہ الرحمہ روایت می کند کہ روزے در مجلس مختار ناصر اہلبیت علیہم السلام نشستہ بودم ناگاہ شخصے بر ہیئت مسافران آمد و گفت السلام علیک یا ولی اللہ۔ آنگاہ مکتوبے سر بمہر در آوردہ بدست مختار سپرد و معروض گردانید کہ ایں امانتے است کہ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام بمن سپرد فرمودہ کہ بمختار ہے برساں۔ مختار گفت تُرا بقسم خدائیکہ جزاو خدائے نیست انچہ کہ گفتی مطابق واقع و راست است آں شخصے بر صدق قول خود سوگند خورد و مختار مُہر آں کاغذ بر داشت۔ در آنجا نوشتہ بود۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ السلام علیک۔ اما بعد۔ بداں اے مختار کہ پس از سی سال کہ در بادیہ غوایت و ضلالت سیر کردہ باشی خدائے تعالےٰ محبت ما و اہلبیت مارا در دل تو خواہد افگند و توخون مارا از اہل بغی و طغیان و ارباب تمرد و عصیان طلب خواہی داشت باید کہ خاطر خود جمع داری و ہیچگونہ پریشانی بضمیر خود راہ ندہی۔ روضۃ الصفا جلد سوم مطبوعہ بمبئی ص ۹۱
امام شعبی جس پایہ اور مایہ کے آدمی تھے وہ سواد اعظم کے ہر فرد واحد پر روشن ہی پھر وہ مختار کی اس پیشین گوئی کو اپنی چشم دید اور اپنی خاص زبانی بیان کرتے ہیں وہ کون ہے جو ان کی اسناد پر اعتبار نہ کرے گا اور مختار کے اُمور کو تائید ربانی پر مشتمل نہ سمجھیگا۔ اب رہا یہ اعتراض کہ امر انتقام اُن کے حصول امارت و دولت کا ایک ذریعہ تھا۔ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ اس وجہ سے کہ حکومت و امارت کے پاجانے پر بھی اُن کے خلوص و اعتقاد میں فرق نہ آیا اور جن بزرگوں کی حمایت و استمداد میں اُنہوں نے اپنا خون اور پسینہ ایک کر دیا تھا۔ اُن کی عظمت و جلالت اُن کی آنکھوں میں اب بھی ویسی کی ویسی ہی بنی رہی۔ اور اُس میں ذرا بھی خلل نہیں آیا جیسا کہ جناب محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کے واقعات سے ابھی ابھی ظاہر ہوا۔ ان کی استمداد و استعانت کے وقت میں مختار کامل طور سے اپنی حکومت و ریاست کا سکہ بٹھلا چکے تھے۔ اگر بوئے امارت یا نشۂ سلطنت ان کے دماغ میں اثر پذیر ہوگیا ہوتا تو یہ بھی اور لوگوں کی طرح۔ اپنا کام تو نکل ہی چکا تھا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کوفہ میں بیٹھے ہی رہتے۔ اور ایک نہیں سو خط طلبی میں آیا کرتے۔ یہ ایک نہ سنتے

اور اپنی جگہ سے نہ ہلتے۔ جناب محمدؒ حنفیہ کا خط پاتے ہی ان کی ایکبارگی آمادگی اور تیاری صاف صاف طور سے بتلا رہی ہے کہ اس وقت تک اپنے خلوص و عقیدت کے معاہدہ پر پورے طور سے قائم ہیں۔
بخلاف ان کے اور لوگوں نے بھی اگرچہ انہی کی روش کو اپنا شعار بنایا اور محبت اہلبیتؑ کی آڑ پکڑ کر حصول سلطنت کے ڈورے ڈالے اور وہ کسی قدر کامیاب بھی ہوئے مگر کامیابی کے بعد جب اُن میں پوری قوت آگئی تو وہ اپنے معاہدہ کو بھول گئے اور اُلٹے اہلبیت علیہم السلام پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ عبداللہ ابن زبیر اور حضرت محمد حنفیہؒ کے حالات ابھی ابھی لکھے جا چکے ہیں۔ ابن زبیر کے حالات سے درگزر کرو۔ بنی عباس کی عروج اور سلطنت پانے کے حالات پڑھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ ان کی کامیابی اور حصول سلطنت کا ذریعہ بھی یہی محبت اہلبیت علیہم السلام تھی اور انہیں کے انتقام کا سبز باغ دکھلا کر بلاد اسلامیہ کی تمام رعایا کو اپنا مطیع و منقاد بنایا گیا اور اُن کو سلطنت بنی اُمیہ کی خلاف میں اُٹھایا گیا۔ یہاں تک کہ مروان حمار کو شکست پہنچا کر ملک اپنا کر لیا۔ مگر نتیجہ کیا ہوا۔ وہ یہی کہ تخت پر قدم دھرتے ہی اہلبیتؑ کرام کے استیصال کی فکریں ہونے لگیں اور پھر تو ظلم و تعدّی کے ایسے ایسے ہاتھ صاف کیے گئے کہ خاندان اہلبیت کو جزیرہ نمائے عرب میں رہنا دشوار ہو گیا۔ ہزاروں کیا لاکھوں سادات کی جانیں جن بیرحمیوں سے ضائع کی گئیں وہ تمام تاریخوں میں درج ہیں اور ہزاروں خانماں برباد ہو کر غیر ملکوں میں چلے گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔
اب دنیا کی انصاف پسند طبیعتیں دیکھ لیں کہ مختار اور ان لوگوں کے معاملات میں خلوص اور محبت کا نام کس طرف لیا جا سکتا ہے اس میں بھی شک نہیں کہ دونوں کے اصول ایک ہی تھے مگر کس کے اصول حقیقت اور سچائی پر مبنی تھے اور کس کے اصول ابلہ فریبی اور حیلہ بازی پر قائم تھے۔ مختار نے جس اصول پر اپنے کام کو شروع کیا تھا اُس کو پورے طور سے صحیح ثابت کر دیا۔ بخلاف دوسروں کے کہ وہ اپنا مطلب نکال کر فوراً علٰحدہ ہو گئے۔ امیر مختار کے محاسن خدمات اگر حقانیت کے اُصول پر مبنی نہ ہوتے تو اُن کے بعد ائمہ معصومین اور اہلبیت طاہرین سلام اللہ

علیہم اجمعین۔ اور تمامی علمائے معتبرین اُن کو آج تک گرا نبہا اور وقیع الفاظ سے یاد نہ فرماتے اور اُن کے محاسن خدمات کی نسبت اپنی طرف سے شکریہ کا اظہار نہ فرماتے۔

چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مختار کو بُرا نہ کہو کیونکہ اُسنے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا۔ ہمارے خون ناحق کا عوض لیا۔ ہماری بیواؤں کا عقد کرایا اور تنگدستی کے وقت ہمیں مالی امداد پہونچائی اور ایک دوسری روایت میں یوں وارد ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے اُن میں عبداللہ شریک بھی تھے، عبداللہ کا بیان ہے کہ میں حضرت کے پاس بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک بوڑھا آدمی کوفہ کا رہنے والا آیا اور چاہا کہ حضرت کے ہاتھوں کا بوسہ لے مگر آپنے روکا پھر اُس سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے اُس نے ابوالحکم ابن مختار ابن ابوعبیدہ ثقفی اپنا نام بتایا اُسوقت اگرچہ ابوالحکم دور بیٹھے تھے مگر یہ سنتے ہی حضرت نے اُن کا ہاتھ پکڑ کے اپنے قریب بٹھا لیا حالانکہ پہلے ہاتھ چومنے سے روکا تھا۔ ابوالحکم نے عرض کی کہ لوگ میرے باپ کی نسبت بہت کچھ باتیں کہتے ہیں مگر ٹھیک بات وہی ہے جو آپ فرما دیں۔ آپ نے دریافت کیا کیا کہتے ہیں۔ ابوالحکم نے عرض کی لوگ تو اُنکو جھوٹا کہتے ہیں لیکن آپ جو فرمائیں میں اُسے قبول کروں۔ آپ نے فرمایا کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ میری والدہ کا مہر اُسی مال سے ادا کیا گیا ہے جو مختار نے آپ کے پاس بھیجا تھا۔ اور کیا مختار نے ہمارے مکانات نہیں بنوا دیے۔ اور کیا ہمارے قاتلوں کو قتل نہیں کیا۔ اور ہمارے خون کا عوض نہیں لیا۔ پھر تین دفعہ فرمایا کہ خدا تمہارے باپ پر رحم کرے پھر فرمایا کہ ہمارا کوئی حق کسی کے پاس نہیں چھوڑا مگر یہ کہ اُس سے لے لیا۔

اُسی طرح عمر ابن علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ مختار علیہ الرحمہ نے حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام کی خدمت میں بیس ہزار اشرفیاں بھیجی تھیں۔ آپ نے وہ اشرفیاں قبول کر لیں۔ اور عقیل ابن ابی طالب اور دیگر اشخاص کے مکانات کی تعمیر کی +

صاحب جلاء العیون رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا اضافہ اور فرمایا ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا مختار پر اپنی رحمت نازل کرے۔ بخدا سوگند میرے پدر بزرگوار نے مجھے خبر دی ہے کہ مختار خدمت میں فاطمہ دختر امیر المومنین علیہ السلام کی حاضر ہوتے تھے اور لباس اُن کے لیے نذر کرتے تھے اور حدیث اُن سے اخذ کرتے تھے۔

زید ابن علی ابن الحسین علیہم السلام کی ماں (حوریہ) بھی مختار علیہ الرحمہ کی بھیجی ہوئی تھیں مختار نے ان کو چھ سو اشرفیوں پر خریدا تھا اور چھ سو اشرفیوں کے ہمراہ امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں بھیجدیا تھا (شہید اسلام۔ ص ۱۸۱)۔

صاحب جلاء العیون کا بیان ہے کہ ایک روز امام زین العابدین علیہ السلام مختار کے خروج کرنے کا حال اپنے اصحاب سے ذکر فرما رہے تھے۔ بعض اصحاب نے ذکر کیا کہ آپ ہم کو خبر نہیں دیتے کہ ان کا خروج کب ہوگا؟ فرمایا دوسرے سال اور عبیداللہ ابن زیاد لعین اور شمر ذی الجوشن شقی کے سر ہائے نجس کاٹ کے وہ ہمارے پاس اُس وقت بھیجے گا جب ہم چاشت تناول کرتے ہوں گے۔ پس جب وہ دن آیا اور مختار نے خروج کیا تو اصحاب آنحضرت علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر تھے حضرت نے طعام منگایا اور فرمایا کہ کھانا نوش فرماؤ کہ آج ستمگاران بنی اُمیہ قتل ہو رہے ہیں۔ اصحاب نے کہا اے آقا کہاں وہ لوگ قتل کیے جاوینگے۔ حضرتؑ نے فرمایا فلاں موضع میں مختار اُن اشرار کو قتل کر رہے ہیں اور بہت جلد اُن ظالموں میں سے دو ستمگاروں کے سر میرے پاس فلاں روز لائیں گے جب وہ دن آیا جس دن کی خبر حضرت نے دی تھی اور جب حضرت تعقیب نماز سے فارغ ہوئے تو اصحاب آنحضرتؑ خدمت باسعادت میں حاضر ہوئے اور حضرتؑ نے اُن اصحاب کے لیے طعام منگایا اور فرمایا یہ کھانا نوش فرماؤ۔ جب کھانا لایا گیا تو اُسی وقت اُن دونوں لعینوں کے سر حضرت علیہ السلام کے پاس لائے گئے۔ پس آپ سجدے میں جھک گئے اور ارشاد فرمایا کہ میں اُس خدا کی حمد کرتا ہوں جس نے مجھے دنیا سے نہ اُٹھالیا یہاں تک کہ اسوقت میرے پدر عالیمقدار کے قاتلوں کے سر مجھے دکھلادیے اور حضرت بار بار اُن سرہائے اشرار کی طرف نظر کرتے تھے اور شکر حق تعالی بجالاتے تھے چونکہ مقرر تھا کہ بعد چاشت حلوا مہمانوں کے لیے لاتے تھے۔ اُس روز اس وجہ سے

کہ مشغول نظارہ ہائے اعدا تھے۔ حلوہ لانا خادم بھول گئے۔ ایک نے اصحاب حضرتؑ میں سے عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آج حلوا نہیں آیا حضرت نے فرمایا۔ ان سرہائے نجس کی طرف دیکھکر سرور ہونے سے زیادہ تر آج کون حلوا ہی انہی احوال پر اعتبار کرکے جناب ابن نما نور اللہ مرقدہ نے اپنے اُس رسالہ میں جو خاص مختار علیہ الرحمہ والرضوان کے حالات اور محاسن خدمات کی تفصیل میں لکھا ہی نہایت واضح اور مدلل رائے ان کی نسبت تحریر فرمائی ہے جس کو ہم کتاب شہید اسلام کی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

اکثر لوگوں کو امیر مختار علیہ الرحمہ کی نسبت بہت کچھ بے علمی اور غفلت ہی جو اُن کو ہوشیار ہونے نہیں دیتی۔ اور اگر وہ اقوال ائمہ علیہم السلام پر نظر کرتے جو امیر مختار کی مدح میں وارد ہوئے ہیں تو اُن کو معلوم ہوجاتا کہ وہ اُن سابقین مجاہدین میں داخل ہیں جن کی مدح خداوند کریم نے اپنی کتاب روشن میں کی ہے۔ اور جناب امام زین العابدین علیہ السلام کا مختار کے لیے دعا کرنا بہت واضح اور روشن دلیل ہے کہ وہ حضرت کی رائے میں مصطفین اخیار میں سے تھے۔ اور اگر مختار علیہ الرحمہ غیر طریقہ مشکورۂ امامیہ اثناعشریہ پر ہوتے اور جانتے کہ وہ اپنے اعتقاد میں حضرت کی مخالف ہیں تو کبھی اُن کے لیے ایسی دعا نہ کرتے کہ جو قبول نہ ہوسکے (یعنی مغفرت کی دعا) اور ایسی بات نہ کہتے جو پسندیدہ نہ ہو اور اُسوقت حضرت کی دعا عبث ہوتی۔ حالانکہ امام کی ذات اس سے بری ہے کہ کوئی بے فائدہ بات کہے۔ ہم نے اس رسالہ میں قول ائمہ علیہم السلام اور بکر مختار کی مدح فرمانے کو جو درج کیا ہے وہ صاحبان بصیرت کیلیے کافی ہے۔ بات یہ ہے کہ فقط اُن کے دشمنوں نے کچھ جھوٹ بیان کیے ہیں تاکہ شیعوں کے دلوں سے اُن کی محبت کو دور کردیں جیسا کہ امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی نسبت ان لوگوں نے کچھ برائیاں بیان کی ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ حضرت کی بیعت اور اطاعت سے پھر گئے۔ لیکن جو لوگ آپ کے دوست تھے اُن کی خیالات کو ان اوہام نے خراب نہیں کیا۔ اور نہ ان خواب کی باتوں نے اُنپر اس امر کو مشتبہ کیا اگر حضرت کا فضل مکنون اور علم مصئون ظاہر سی ہوتا گیا۔ اسی طرح مختار علیہ الرحمہ کے قضیہ میں بھی لوگوں نے یہی کارروائیاں کی ہیں تاکہ لوگ ان سی منحرف ہوجائیں

اور اُن کو بُرا سمجھیں۔
اتنا لکھکر شہید اسلام کے ذی قدر اور معتبر مولف مدظلہ اپنی مختصر مگر بہت گرانبہا رائے یوں تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ کہ مختار علیہ الرحمہ اُن لوگوں میں نہیں تھے جن کو بُرا کہا جا سکے۔ بلکہ بہت بڑی مدح کے مستحق ہیں کیونکہ اُن کے ہاتھ سے بہت کچھ حمایت دین اسلام کی اور نصرت امام شہید علیہ السّلام کی ہوئی جو اُن کو بہر طور قابل تعریف ثابت کرتی ہے (شہید اسلام صفحہ ۴۲۶)
جلد عاشر بحار الانوار میں ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے مختار رضی اللہ عنہ کے حالات لکھکر اپنے اُستاد جناب ابن نما نور اللہ ضریحہ کا یہ پورا رسالہ ترجمہ کرکے نقل فرمایا ہے اور شہید اسلام کے مقدس مولف کی طرح اپنے اُستاد اعلے اللہ مقامہ کی رائے نقل فرماکر اپنا مختار بھی وہی بیان کیا ہے جو اُن کے اُستاد مرحوم نور اللہ مرقدہ نے قائم فرمایا ہے غرضکہ علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقدس گروہ میں کسی بزرگ نے مختار کی نسبت سوائے حسن ظن کے کسی اور وہم وگمان سے کام نہیں لیا ہے اور سوائے مدح کے کسی قسم کی شکایت یا ردّ وکد نہیں کی ہے۔ علمائے اہل سنّت کے سوادِ اعظم میں وہ بزرگوار جو محبت بنی اُمیہ کے دلدادہ اور والہ وشیدا نہیں ہیں مختار کو محبت اور عقیدت کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ علاّمہ سبط ابن جوزی وغیرہ کی تالیفات سے مستفاد ہوتا ہے۔ اور امام شعبی نے تو اُن کو ناصر اہلبیت علیہم السلام کا معزز اور مخصوص لقب عطا کیا ہے جیسا کہ روضۃ الصّفا کی عبارت سے اوپر نقل ہو چکا ہے امام الحرمین ابو اسحٰق اسفرائنی نے اپنی کتاب میں بھی ان کو اچھے اچھے الفاظ میں یاد کیا ہے۔ تاریخوں میں اعثم کوفی اور روضۃ الصفا وغیرہ کے معتبر اور مستند مؤلفین نے بھی ان کی محاسن خدمات کو بہت بڑی عظمت اور وقعت سے لکھا ہے۔
بہر حال ہماری تالیف کی موجودہ ضرورت مختار علیہ الرحمہ کے حالات کے متعلق یہیں تک محتاج تھی۔ چونکہ ان خدمات کو تمام مورخین نے واقعات کربلا کا ضمیمہ قرار دیکر شہادت کے خاتمہ ہی کے بعد لکھا ہے اس لیے قید سنین کا خیال نہیں کیا ہے میں نے اس ترتیب کو سیاق تاریخ نویسی کے خلاف سمجھکر باعتبار سنین کے امیر مختار علیہ الرحمہ کے حالات کو اس جلد میں مندرج کیا ہے۔ ان کے آیندہ واقعات کو چونکہ مسئلہ قصاص سے

کوئی زیادہ تعلق نہیں ہے۔ اس لیے ہم اُن کو کسی تفصیل اور تصریح سے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں دیکھتے۔ بلکہ اجمالی طور پر بیان کیے دیتے ہیں :۔

مختار علیہ الرحمہ کے آخری حالات

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیس ‌ ‌ ‌ عروج مہر بھی دیکھا تو دو پہر دیکھا

بمصداق لِکُلِّ قَوْمٍ یَوْمٌ۔ دو ہی برس کے بعد مختار کے عروج و اقتدار میں بھی تنزل و ادبار کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی اہلِ کوفہ جو اس وقت تک تمام معرکوں میں ان کے مطیع و منقاد بنکر اپنی جانیں فدا کر چکے تھے، محمد ابن اشعث اور مہلب کی سازش میں ان کے دشمن ہو گئے اور عبد اللہ ابن زبیر کے طرفدار بن گئے۔ ان پر لشکر چڑھ آئے۔ مختار نے اگرچہ ان کے مقابلہ میں بہت بڑی کوششوں سے کام لیا اور پوری دلیری و شجاعت صرف کر دی مگر ان کو موجودہ سردار لشکر شمیط کے یکایک قتل ہو جانے سے ان کی تیس ہزار فوج کے یک بیک پاؤں اُکھڑ گئے اور پھر ان کے سنبھالے وہ فوج نہ سنبھلی اور نہ ان کے بنائے بنی۔ مجبور ہو کر دار الامارہ میں چھپ رہے۔ اور دروازے بند کر لیے۔ غنیم چالیس روز تک دار الامارہ کا محاصرہ کیے ہوئے پڑا رہا۔ مختار کے پاس اس وقت تین سو آدمی سے زیادہ نہیں تھے۔ مختار کی غیرت شجاعت نے اس ضیق النفسی میں بسر کرنے سے مردانہ وار لڑ بھڑ کر مر جانے کو کہیں بہتر سمجھا اور ایک دن اپنی موجودہ جمعیت سے نکل کر مقابل ہوا۔ بڑی سخت خونریزی ہوئی۔ آخر اسی جنگ میں مختار علیہ الرحمہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

مصعب ابن زبیر نے ان کا سر کٹوا کر عبد اللہ ابن عبد الرحمن کی معرفت اپنے بھائی عبد اللہ ابن زبیر کے پاس بھجوا دیا۔ عبد الرحمن کا بیان ہے کہ میں انعام و اکرام کی مسلسل امیدوں کے ساتھ ابن زبیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُسکو فتحنامہ دیا اُس نے لے لیا اور مسجد سے چلے تو اُنہوں نے کہا کہ یہ مختار کا سر ہے۔ پوچھا کہ سر کو کیوں لائے۔ میں نے کہا انعام کی غرض سے۔ جواب ملا کہ انعام میں تم کو یہی سر دیا جاتا ہے۔ میں یہ سر لیکر کیا کروں گا۔ عبد الرحمن سر کے انعام میں اپنا سا منہ لیکر کوفہ واپس آئے ✦

چونکہ آئندہ واقعات کو ہمارے مدعائے تالیفی سے چنداں تعلق نہیں ہے اسلیے ہم اُن سے یک قلم قطع نظر کرتے ہیں اور صرف اپنے تاریخی سلسلہ کے قائم رکھنے کی غرض سے اتنا اور لکھے دیتے ہیں کہ مختار علیہ الرحمہ کی شہادت کے بعد ملک عراق پر مصعب ابن زبیر کا پورے طور سے قبضہ ہو گیا اور وہ اپنے بھائی عبداللہ کی طرف سے وہاں حکومت کرنے لگا۔ عبدالملک ابن مروان کو نہر خازر پر ابراہیم ابن مالک اشتر کے ہاتھوں ایسی ہی شکست پہنچی تھی کہ پھر اُس کو اپنی ہزیمت خوردہ فوج کی تجمیع و ترتیب میں کامل دو برس کا عرصہ لگ گیا +

عبداللہ ابن زبیر اور عبدالملک

ملک عراق کی تسخیر عبدالملک کے دل سے ہمیشہ لگی رہتی تھی۔ اُسنے مختار کے واقعہ کی خبر سُنتے ہی ایک بہت بڑی فوج جرار ملک عراق کے باردیگر فتح کرنے کیلیے روانہ کی اور اس لشکر گراں نے مصعب ابن زبیر کو شکست کامل پہنچائی۔ ملک عراق کو فتح کر کی یہ فوج ملک حجاز پر چڑھ دوڑی۔ مہم حجاز کی پگڑی حجاج ابن یوسف ثقفی کے سر بندھی تھی۔ یہ حجاج وہ شخص ہے جس کے ظلم و تعدی اور شقاوت و شرارت کے بیان میں دُنیا کے کارنامے سیاہ ہو رہے ہیں۔ چونکہ عبداللہ ابن زبیر کے احوال ہم نے جستہ جستہ برابر اس کتاب میں لکھے ہیں اس لیے اُسی ضرورت کے مطابق ہم اُن کے خاتمہ احوال کو بھی کسی قدر تفصیل سے ذیل میں مندرج کرتے ہیں +

بہرحال حجاج اپنی فوج کے ساتھ حجاز میں پہنچ گیا۔ ابھی اس کی فوج طائف میں تھی کہ عبداللہ ابن زبیر کے لشکر میں انتشار و اضطرار کے آثار محسوس ہونے لگے۔ ابن زبیر نے کئی مرتبہ حجاج سے مقابلہ کیا مگر کسی میں اُس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ حجاج اس فوج کثیر کے ساتھ مکّہ میں داخل ہوا اور اُس نے عہد کر لیا کہ تاوقتیکہ عبداللہ ابن زبیر کو قتل نہ کر لوں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا نہ سرمہ لگاؤنگا اور نہ جسم سے سلاح جنگ اُتارونگا اور وہ اخیر وقت تک اپنے اسی معاہدہ پر قائم رہا۔ حجاج نے عبدالملک سے اور مدد مانگی۔ اسنے طارق کے ساتھ ایک تازہ دم فوج کمک میں بھیجدی۔

حجاج نے یزید کی سنّت پر عمل کیا اور کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں نصب کر دیں۔ چونکہ وہ حج کا زمانہ تھا اور چاروں طرف سے لوگ مناسک حج ادا کرنیکے لیے آئے ہوئے

تھے اس لیے عبداللہ ابن زبیر نے حجاج کے پاس کہلا بھیجا کہ ایام حج تک مقابلہ و مقاتلہ روکا جائے۔ جب حجاج اپنے گھروں کو واپس جا لیں تو پھر طرفین سے مقابلہ کا آغاز ہو۔ خیریت تھی کہ حجاج نے اس کو قبول کر لیا اور تا ایام حج لڑائی موقوف رہی حج کے ایام تمام ہو جانے کے بعد جانبین سے اعلان جنگ ہوا۔ حجاج نے پھر ویسی ہی منجنیقیں لگائیں اور بڑے زور شور سے ابن زبیر کی جمعیت پر حملہ گراں کرنے شروع کیے سنگباری کی پہلی ہی باڑھ میں بڑے زوروں سے آندھی آئی اور چاروں طرف ظلمت چھا گئی اہل شام ان قدرتی آثار کو دیکھکر بہت ڈرے مگر حجاج نے یہ کہکر اُن کو سمجھا دیا کہ ملک حجاز کی آب و ہوا میں یہ تاثیر ہی ہے۔ میں نے بچپن سے اسی ملک میں نشو و نما پائی ہے میں یہاں کے آب و ہوا اور اس کے آثار و علامات سے خوب واقف ہوں۔ اسکے بعد زوروں سے بجلیاں چمکنے لگیں۔ حجاج نے اہل شام کو پھر یہی کہکر سمجھا دیا۔ اتفاق سے بجلی چمکتے چمکتے ایک بار آخر گر ہی پڑی اور ابن زبیر کے سات آدمی جل کر راکھ ہو گئے حجاج کو پورا موقع ہاتھ لگ گیا۔ اُس نے اپنی فوج کو اب پورے طور سے سمجھا دیا کہ ہم حق پر ہیں اور یہ ناحق پر۔ تب ہی تو قہر صاعقۂ کردگار ان پر نازل ہوا اور وہ جل کر وہیں خاک ہو گئے۔ اہل شام یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھکر اور قوی دل ہو گئے اور بخلاف انکے ابن زبیر کے طرفدار بالکل سُست اور بیدل ہو گئے۔ قیامت یہ ہوئی کہ مکہ میں قحط ہو گیا۔ بدامنی کی وجہ سے غلّہ کی آمد قطعی بند ہو گئی۔ اُسپر ابن زبیر کی تنگدلی اور بخالت نے فوج کو بھوکوں مار ڈالا۔ اس وجہ سے تمام لوگ برخاستہ خاطر ہو کر حجاج سے مل گئے۔ سب سے بڑھکر یہ غضب ہوا کہ ابن زبیر کے دو بیٹے حمزہ اور خبیب بھی حجاج سے جا ملے۔ ابن زبیر کی رہی سہی قوت ٹوٹ گئی اور چاروں طرف سے مایوس ہو کر آخرکار وہ خانۂ کعبہ میں اس خیال سے آ گئے کہ حرمت کعبہ کی وجہ سے جان تو بچیگی۔ جئیں گے تو پھر کبھی بہادر بن لینگے۔

عبداللہ ابن زبیر کا قتل

حجاج ان کی حالتوں کو یہاں تک پہنچا کر ان کی طرف مطلق متوجہ نہوا بلکہ وہ ملکی نظم و نسق کی طرف پورے طور سے مصروف ہوا۔ جب وہ ان اُمور سے فارغ ہوا تو وہ اب ان کے ختم ہی کر دینے کی فکریں کرنے لگا۔ اُسنے پہلے تو ان کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا کہ اب تمہارے

تمام اُمور کا خاتمہ ہو چکا۔ صرف ایک تمہاری جان باقی ہے اُس کو حق ناحق کیوں معرض خطر میں ڈالتے ہو۔ عبد الملک کی بعیت کرلو۔ ابن زبیر نے دوسرے روز کے جواب پر ٹالا جب قاصد چلا گیا تو یہ اپنی ماں کے پاس آئے جن کا نام اسماء اور لقب ذات النطاقین تھا۔ یہ بی بی ابوبکر کی بیٹی تھیں۔ اپنے زمانہ کی بہت بڑی عقیلہ اور سنجیدہ سمجھی جاتی تھیں۔ ابن زبیر نے اپنی ساری روئداد سُنا کر ماں سے کہا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قوم بے وفا نے میرے ساتھ بھی وہی سلوک کیے جو جناب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کیے تھے۔ مگر امام حسین علیہ السلام سے بھی میری بُری حالت ہوئی کیونکہ اُن کے فرزند و اقارب نے تو اُن کی رکاب میں اپنی جانیں فدا کردیں اور ہمارے بیٹے ہمیں سے ٹوٹ کر دشمن سے جا ملے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار اب حجاج بعیت عبد الملک کے لیے مجھے مجبور کرتا ہے۔ میں تم سے اس امر میں مشورہ لینے آیا ہوں۔ ماں نے جواب دیا کہ جس مخالف کے مقابلہ میں تم نے آج تک اِس مستعدی اور سرگرمی سے کام لیا اب اُسی کے پاؤں پر گِر کر صلح کرنا میری دانست میں کسی طرح مردانگی کے شایاں نہیں ہے۔ مردانگی کی شان تو یہی ہے کہ اس صلح کے عوض میں اپنی جان دیدی جاوے اور کچھ بھی نہیں۔

دلیر اور باغیرت ماں کے کہنے سے ان کی رگ ہمت بھی تڑپ اُٹھی۔ ماں سے رخصت ہوئے اور اپنے چھوٹے بیٹے زبیر سے بھی مشورہ کیا اُسنے بھی یہی صلاح دی۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا۔ صبح کو نماز فجر کے بعد حجاج کے آدمیوں سے مزاحمت شروع ہوئی مقابلہ ہوتے ہی ان کے بیٹے زبیر مارے گئے تو یہ بذات خود مخالف سے مقابل ہوئے اور عرصہ تک لڑتے رہے آخر میں ایک مرد شامی نے ایک تیر ان کی پیشانی پر ایسا مارا کہ پھر ان میں سنبھلنے کی قوت باقی نہیں رہی۔ زمین پر گر پڑے۔ قبیلۂ بنی مراد میں سے ایک شخص نے آکر فوراً ان کا سر کاٹ لیا۔ حجاج نے اُسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور اُن کے سر کو مع فتحنامہ کے مدینہ کی راہ سے عبد الملک کے پاس دمشق بھیجدیا۔ حجاج خانہ کعبہ میں آیا اور ان کے جسم کو اُٹھوا کر عبرت خلق کی غرض سے دار پر لٹکوا دیا چنانچہ ایک مدت تک ان کی لاش سولی پر لٹکی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ ابن زبیر کی لاش کے ساتھ اُس نے ایک بلی بھی لٹکوا دی تھی۔ بہرحال حجاج نے ان کے قتل کے

بعد تمام مسجد الحرام کو خوب پانی سے دُھلوایا۔ یہ تھی عبداللہ ابن زبیر کی آخری سرگزشت
ان حالات کو پڑھکر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ حرمین شریفین کے خاصکر قیام
نے بھی ان کی جان نہ بچائی اوران کو آخرکار وہ منحوس دن دیکھنا پڑا جو روز
ازل سے ان کے لیے مقدر ہو چکا تھا اورجس کی خبر جناب مخبر صادق صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی دے چکے تھے۔ بہرحال مصعب ابن زبیر کے مارے جانے
سے ملک عراق اورعبداللہ ابن زبیر کے قتل سے تمام حجاز عبدالملک کے قبضہ
میں آگیا اوراس طرح وہ رفتہ رفتہ تمام بلاد اسلامی کا مستقل فرمانروا تسلیم کرلیا گیا۔

عبدالملک کے وقت میں شیعوں کے حالات

ابن زبیر کے حالات تمام کرکے ہماری تالیف کی موجودہ ضرورت ہمکو مجبور کرتی ہی کہ اسی
ضمن میں ہم اُن غریب شیعوں کے مختصر حالات۔ حجاج ظالم کے مظالم اوراُن غریبوں کے
مصائب بھی قلمبند کردیں جو عبدالملک کے زمانہ میں پیش آئے۔ کیونکہ ہم اپنے موجودہ
سلسلہ کی ہرجلد میں ان واقعات کو پوری تفصیل کے ساتھ برابر لکھتے آئے ہیں۔
عبدالملک نے ابن زبیر کی شکست کے صلہ میں حجاج ابن یوسف کو تمام عراق
کا والی مقرر کیا۔ حجاج کو خاندان نبوت اور دودمانِ رسالت کے ساتھ جیسی کچھ
عداوت تھی وہ میرے بیان کی محتاج نہیں۔ تمام کتابوں میں عموماً درج ہے۔ اس
نے کوفہ کے تخت امارت پر بیٹھتے ہی جو پہلا حکم دیا وہ یہی تھا کہ کوئی شخص
جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فتوے کے مطابق کسی امر
شرعی کا تصفیہ نہ کرے چنانچہ مروج الذہب مسعودی میں اُسکے اس حکم کے متعلق
ذیل کا واقعہ تحریر ہے۔
ایک دن حجاج نے قاضی شریح کو بُلاکر ایک مسئلہ پوچھا اوراُس سے کہا کہ اس مسئلہ
میں خلفائے راشدین کے علٰحدہ علٰحدہ حکم بیان کرو۔ قاضی شریح نے بیان کیے جب
تین خلفاء کی وہ رائیں بیان کرکے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا حکم بیان کرنیلگا
تو حجاج نے یہ کہکر اُسے منع کردیا کہ اس اہل جبن کی رائے نہ بیان کرو۔ پھر عثمان کے
حکم کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا۔
بہرحال ثلاثہ کی محبت وخلوص میں شروع ہی سے یہ سرابور تھے اوراُنکا ایمان اُنکی عقیدت

ومتابعت تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اظہار خوشامد کی غرض سے انہوں نے عبد الملک کو لکھا جسے ہم روضۃ الصفا کی اصلی عبارت سے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

"حجاج مکتوبے بہ عبد الملک فرستادہ پیغام داد کہ قرآن می خواندم چوں بایں آیۂ شریفہ رسیدم کہ اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین والشھداء خواستم کہ لفظ والخلفاء را براں زیاد کنم۔ عبد الملک گفت قاتلہ اللہ۔

ان کے خلوص و عقیدت کے پاؤں یہاں تک پھیل گئے تھے کہ بنی امیہ کی خوشامد اور اظہار متابعت میں تحریف قرآن کے معاصی کا بھی کوئی خیال نہیں ہوتا تھا۔ حجاج کی یہ کوئی خاص ایجاد نہیں تھی بلکہ موجودہ فرمانروا صاحب کی تو یہ خاندانی بدعت تھی اور سب سے پہلے موجودہ خلیفہ صاحب کے پدر بزرگوار نے آل عمران کو آل مروان بنانا چاہا تھا۔ حجاج اپنی اس تجویز میں مروان کے اجتہاد کا مقلد تھا۔

یہ تو تحریف فی القرآن کا مسئلہ تھا۔ اب کلام مجید پر اصلاح کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔ صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ حجاج نے ایک دن منبر پر اس آیۂ قرآنی کو جو دعائے جناب سلیمان علےٰ نبنیا وعلیہ السلام پر مشتمل ہے یوں پڑھا رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انہ کان محسودا انہ کان محسودا اپنی طرف سے بڑھا کر معاذ اللہ جناب سلیمان علےٰ نبنیا وعلیہ السلام کو حسد کے عیب سے تعبیر کیا اور واقعی وہ اپنے اس اجتہاد کے باعث کافر ہو گیا۔

بہرحال اسکے ایمان واسلام کی تو یہ کیفیت ہوئی۔ اب اگر ان کے مظالم و شدائد کو جو اسنے عموماً تمام اہل اسلام اور خصوصاً شیعیان علی علیہ السلام کی جانوں پر ڈھائے۔ بیان کریں تو ہم کو ایک علیحدہ دفتر کی ترتیب کرنی ہوگی اور اپنے مدعائے تالیفی سے بہت دور ہٹ آنا ہوگا۔ اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ صرف دو تین واقعات کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان سب میں پہلے سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی کا پُر درد واقعہ ہے جو صرف محبت علی علیہ السلام کے جرم میں قتل کیے گئے۔

سعید ابن جبیر کا قتل اور حجاج کی مظالم

سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر حجاج نے پوچھا کہ شقی ابن کسیر تم ہی ہو؟ سعید نے

کہا میری ماں میرے نام کو مجھ سے بہتر جانتی تھی اور اُس نے سعید ابن جبیر میرا نام
رکھا ہے۔ حجاج نے پوچھا کہ خلیفۂ اول وثانی کے حق میں تیرا کیا اعتقاد ہے۔ تو اُن کو
بہشت میں جانتا ہے یا دوزخ میں۔ سعید نے کہا کہ اگر میں داخل بہشت ہوں اور اہل
بہشت کو دیکھوں تو اُس وقت پہچان لونگا کہ کون کون بہشت میں ہے۔ حجاج نے
پوچھا کہ اور خلفار کی نسبت تم کیا کہتے ہو۔ سعید نے کہا کہ میں اُن کا وکیل نہیں ہوں
حجاج نے کہا کہ ان میں سے تو کس کو زیادہ دوست رکھتا ہے۔ اُسنے کہا کہ اُن میں سے
جو میرے پروردگار کے نزدیک زیادہ تر پسندیدہ اور محبوب ہے۔ حجاج نے کہا
ان میں سے تیرے پروردگار کے نزدیک کون زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔
سعید نے کہا اس کا علم اُس کو ہو سکتا ہے جس کو ان کے ظاہر و باطن کا حال معلوم ہو
حجاج نے کہا مگر تو کسی طرح نہیں چاہتا کہ سچ سچ حال ہم سے بیان کرے۔ سعید نے
کہا کہ میں تجھ سے کوئی بات جھوٹ کہنا نہیں چاہتا۔ یہ سنکر حجاج نے سعید کے قتل
کا حکم دیا اور حکم پاتے ہی اُن کا سر قلم کر دیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

اسی طرح ابوالطفیل عامر ابن واثلہ جو آخر صحابہ شمار ہوتے تھے۔ اُنکی ذلت و خواری
میں بھی کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر خیریت ہوئی کہ ان کی جان بچ گئی۔

انس ابن مالک بھی بڑی فضیحت کی گئی مگر عبدالملک کا حکمنامہ وقت پر پہنچ گیا تو
جان بچی۔

دو آدمی شیعیانِ علی علیہ السلام سے حاضر کیے گئے اُن میں سے ایک کو بلایا اور کہا کہ
معاذ اللہ سبّ علی علیہ السلام کر۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اُنہوں نے میرا کیا
بُرا کیا ہے جو میں اُن کو بُرا کہوں۔ حجاج نے کہا۔ خدا مجھے قتل کرے اگر میں تمہارے
قتل کا حکم نہ دوں۔ اب تمہیں بتلاؤ کہ میں تمہیں کس طرح قتل کروں۔ تیرے ہاتھ
کاٹوں یا پاؤں۔ اُس نے جواب دیا جو تجھ میرے ساتھ اس دار دُنیا میں تو کریگا میں
اُسی طرح اُس کا عوض تجھ سے لونگا۔ پس جو کچھ تجھے سہل گزرے وہ تو مجھ سے کر گزر۔
حجاج نے کہا تو زبان دراز ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ تو اُسے نہیں پہچانتا ہی جسنے
تجھے پیدا کیا ہے۔ یعنی تو خدا کو نہیں پہچانتا ہے تو کافر ہے۔ اچھا اب بیان کر کہ تیرا
پروردگار کہاں ہے۔ اُسنے جواب دیا کہ میرا خدا ہمیشہ ظالموں اور ستمگاروں کی تاک میں

ہے اور وہ اُن سے انتقام لیگا پس اُس نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹکر دار پر کھینچدیا جاوے - فوراً حکم کی تعمیل کی گئی - بعد ازاں دوسرے مرد شیعہ کولائے حجاج نے کہا کہ تو کیا کہتا ہے - اُس نے کہا کہ میں بھی اپنے رفیق کی رائے پر ہوں - پس اُس کو بھی قتل کرکے دار پر کھینچا - رحمۃ اللہ علیہما -

حضرت قنبر رضی اللہ عنہ کا قتل

ظالم حجاج نے ایک دن اپنی صحبت میں پوچھا کہ اب تو شیعیان علی علیہ السلام سے کوئی شخص ایسا نہ بچا ہوگا جس کو میں نے نہ قتل کیا ہو - حاضرین صحبت نے کہا ہاں ہے تو ایسا ہی - مگر اُن میں سے ایک بدبخت نے کہا کہ ابھی قنبر جو امیر المومنین علی علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام ہیں وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ فلاں قریہ میں مقیم ہیں -

حجاج تو ہمیشہ ان بزرگواروں کی تاک میں لگا رہتا تھا - نام سُنتے ہی گرفتاری کا حکم دیا - اُس کے سپاہی گئے اور گرفتار کرلائے - قنبر رضی اللہ عنہ کی کہولیت کا وہ زمانہ تھا - سارے اعضا جواب دے چکے تھے یہاں تک کہ ابرو اور بھوؤں کے بال بھی بالکل ہی سفید ہوگئے تھے اور لٹک لٹک کر آنکھوں پر جُھک پڑے تھے - جب یہ مقدس بزرگ اُس مردود ازلی کے پاس لائے گئے تو اُس نے پوچھا کہ تم علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی کیا خدمت کیا کرتے تھے - قنبرؓ نے کہا کہ میں حضرت کیلئے وضو کا پانی لاتا تھا - حجاج نے پوچھا کہ جب حضرت وضو سے فارغ ہوتے تھے تو کیا کہتے تھے قنبرؓ نے کہا کہ اس آیۂ وافی ہدایہ کی تلاوت فرماتے تھے :- فلمّا نسوا ما ذکّروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شئ حتّٰی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنا ھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون فقطع دابر القوم الّذین ظلموا والحمد للہ ربّ العلمین - ترجمہ جب فراموش کیا اُس کو جو اُنہیں یاد دلایا گیا - ہم نے اُن پر درہائے نعمت کھولے تا آنکہ وہ اُن نعمتوں سے فرحناک ہوئے جو کچھ کہ ہم نے اُن کو عطا کی تھیں یہاں تک کہ ہمنے لیا اُنکو اس طرح کہ وہ حیران وناامید رہ گئے - پس قطع کیا گیا امر اُس گروہ کا جنہوں نے ستم کیا تھا اور مخصوص حمد اُس کے لیے ہی جو پروردگار عالمین ہے - حجاج نے کہا شاید یہ آیہ میرے حق میں تاویل کرتے تھے اور میری بادشاہی کیلیے جانتے تھے قنبر رضؓ نے کہا ہاں - حجاج نے کہا کہ اگر میں تیرے قتل کا حکم دوں تو تو اُسوقت کیا کریگا

قنبرؓ نے کہا مجھے سعادت شہادت اور تجھے شقاوت ابدی حاصل ہوگی پس حجاج نے اُسے قتل کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

بعض علماء نے قنبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اتنا اضافہ اور فرمایا ہے کہ سوال و جواب کے بعد حجاج نے پوچھا کہ تم ہی جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بندے ہو۔ قنبر نے جواب دیا کہ میں خدائے سبحانہ وتعالےٰ کا بندہ ہوں اور امیرالمومنین علیہ السلام میرے ولی نعمت ہیں۔ حجاج نے کہا کہ اُن کے دین سے علیحدہ ہو جا۔ قنبر نے کہا کہ کوئی دین تو اُن کے دین سے مجھ کو اچھا بتلا دے تو میں اُن کے دین سے بیزاری اختیار کروں۔ حجاج نے کہا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا جسطرح تجھ کو قتل منظور ہو بیان کر۔ قنبرؓ نے کہا۔ میں نے اسکا اختیار تجھی کو دیا۔ حجاج نے کہا کیوں، قنبر نے کہا اس واسطے کہ جس طرح تو مجھے قتل کرے گا۔ میں اُسی طرح تجھ کو روز قیامت قتل کرونگا جسطرح قتل ہونا تو اپنے لیے بہتر سمجھے میرے لیئے اختیار کر۔ تحقیق کہ حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے خبر دی ہے کہ مثل گوسفند کے تیرا سر قلم کیا جائیگا۔ حجاج نے انکو اُسی طرح قتل کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعتاً۔

یہ تھے ظالم حجاج کے تھوڑے سے مظالم جو صرف تمثیلاً لکھے گئے ورنہ اس کے ظلم وتعدی کی تفصیل تو اسقدر طول وطویل ہے جس کے بیان کے لیے ایک جداگانہ دفتر کی ترتیب کی ضرورت ہے۔ تمام مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ اس ظالم نے ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کو قتل کیا اور پچاس ہزار مسلمان مرد وعورت کو مادام الحیات اپنی قید کر رکھا جن میں تیس ہزار بدنصیب مرد تھے اور بیس ہزار قسمت جلی عورتیں اور یہ سب کے سب وہی تھے جو بنی اُمیہ کی مخالفت یا اہلِ بیتؑ کی محبت کی وجہ سے قصوروار سمجھے گئے تھے، چنانچہ ان مقتولین کے شمار اور اُن کے ناحق قصوروں کا اقرار خود حجاج نے اپنی زبان سے کیا ہے جس کو ہم روضۃ الصفا کی اصلی عبارت سے ذیل میں مندرج کرتے ہیں:۔

روزے حجاج بر خالد ابن یزید ابن معویہ برگزشت۔ مردے کہ حجاج رانمی شناخت، از خالد پرسید کہ ایں کیست۔ خالد گفت بخ بخ ایں مرد عمرو عاص است۔ حجاج ایں سخن شنیدہ پیش خالد آمدہ گفت بخدا راضی نیستم کہ پسر عاص باشم من پسر مشائخ

ثقیف وصنادید قریشیم و من آں کسیم کہ صد ہزار کس را بجہت ایں معنی کہ پدر ت یزید را بشرب خمر و نفاق نسبت می کردند کشتہ ام۔ (روضۃ الصفا۔ جلد سوم۔ مطبوعہ بمبئی ص ۱۲۸)۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حجاج نے صاف صاف لفظوں میں کھل کر کہہ دیا کہ میں نے لاکھ آدمیوں کو صرف اسوجہ سے مار ڈالا ہے کہ وہ یزید کو شرابخوار اور منافق جانتے تھے۔ اب ان سے بڑھکر بنی امیّہ کا ہوا خواہ اور نمک حلال جان نثار اور کون ہوگا اور اس سے بڑھکر جاں نثاری اور بہی خواہی کیا ہوگی کہ سرے سے اُن تمام لوگوں کا استیصال کر دیا گیا اور وہ جماعت کی جماعت قتل ہی کر ڈالی گئی جو اُن کے معائب اور مناقص کی قائل تھی۔ بہر حال وہ مصیبت زدے تو ان کے مصائب و شدائد اُٹھا کر چلے گئے مگر اُن کی ایذا موذی کی گردن پر باقی رہ گئی ؎

پنداشت ستمگر کہ ستم برما کرد برگردنِ او بماند و برما بگذشت

حجاج بھی تھوڑے دنوں کے بعد مر گیا۔ اسلامی تاریخوں کا اسپر اتفاق ہے کہ سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے چالیس روز کے بعد یہ بھی فوت کر گیا۔ خسر الدنیا والآخرۃ۔

خلیفہ عمر ابن عبد العزیز کہا کرتے تھے کہ بروز قیامت ہر اُمت کا ظالم ترین شخص اُٹھایا جائے گا۔ اسی طرح امت محمدیہ میں سے جو ظالم ترین شخص اُٹھایا جائے گا وہ یہی حجاج ابن یوسف ہوگا اور اس کے مظالم تمام ظالمین امّت کے مظالم کو دبا دینگے۔ حجاج کی موت ۹۴؁ ہجری میں ہوئی۔ بیس برس تک اُسنے امارت کی۔ پندرہ برس عبد الملک کی ماتحتی میں اور پانچ برس ولید ابن عبد الملک کی ماتحتی میں۔ اور اسی سال جناب امام زین العابدین علیہ السّلام کی وفات بھی لکھی جاتی ہے اور بعضوں نے ۹۵؁ ہجری بھی لکھا ہے۔

چونکہ ہم کو جناب امام زین العابدین علیہ السّلام کے احوال خیر و برکت اشتمال کی مخصوص لکھنے کی ضرورت ہے اس لیے ہمنے آپ کی عزلت نشینی کے زمانہ میں جو واقعات اور سوانحات ملک میں پیش آئے اور اُن کو آپ کی ذات سے کوئی علاقہ نہیں تھا نہیں بیان کیے ہیں۔ اور اُن کے نہ لکھنے سے کسی قسم کی فروگزاشت کا نقص میری

موجودہ تالیف میں نہیں بتلایا جاسکتا۔
واپسی مدینہ کے حالات لکھکر ہم اوپر اتنا لکھ آئے ہیں کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کے مطابق ان تمام اُمور سے چشم پوشی اختیار کرکے گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور چاروں طرف سے ابواب مخالطت ومجالست بند کرلیے۔ اور اُن میں اتنی احتیاط فرمائی کہ مخالفین ومعاندین سے کیا موافقین ومتابعین تک سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ آپ کے اس زمانہ کے حالات کی نسبت جہاں تک تحقیق کیگئی ہے، یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کے یہ اوقات بھی اس قدر محدود دیے تھے کہ اصحاب مخصوصین کو بھی بشکل سے زیارت کا شرف حاصل ہوتا تھا البتہ مسائل شرعیہ کی ضرورتوں کے وقت خاص خاص بزرگواروں کو حضوری کا شرف عنایت ہوتا تھا۔ ان حاضر باشوں میں ایک تو زہری ہیں جنھوں نے باعتقاد سواد اعظم اہل سنت علم الحدیث کی سب سے پہلے تدوین کی ہے۔ پھر ابو حمزہ ثمالی وغیرہ وغیرہ یہ حضرات اکثر اپنی ضرورتوں کے وقت مشرف بزیارت ہوا کرتے تھے۔
فی الحقیقت آپ ان اُمور میں بھی اپنی کمال احتیاط سے کام لیتے تھے اور اپنی پاک وپاکیزہ اور مقدس ذات کو مشتبہ ہونے کے الزام سے بچاتے تھے، اسی لیے آپ نے جناب محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کو احکام شرعیہ کی تعلیم وتلقین کے لیے اپنی طرف سے نائب مقرر فرما دیا تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی خانہ نشینی اور خاموشی بالکل اُن کے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی مقدس سیرت کا نمونہ تھی، اور آپ کے پیش نظر بھی وہی مصالح تھے جو اُن حضرات علیہم السلام کی آنکھوں سے گزر چکے تھے۔ زمانہ جیسا مخالف ہو رہا تھا وہ ظاہر ہے اور فرمانروائے عصر کی جیسی کچھ مخالفت تھی وہ بھی روشن ہے۔ قدم قدم پر سلطنت کی طرف سے بغاوت کے الزام۔ مخالفت کے جرم کا شبہ لگا رہتا تھا۔ بات بات پر قید کی دہشت اور قتل کا خوف علیحدہ تھا ایسے تیرہ وتار زمانہ میں اجماع اور مجالست سے بچنا۔ آپ کے حسن احتیاط پر شاہد ہے۔
یہ تو امام عصر اور حجۃ اللہ کی مجبوری کی کیفیت تھی۔ اب معتقدین اور گروہ مخلصین کی مصیبتیں تو اور بھی قابل افسوس ہیں۔ دوستدار اہلبیتؑ یا اپنے کو شیعہ کہنا تو

ایسا جرم عظیم تھا جسکی پاداش میں جان لی جاتی تھی گھر کھود کر پھینک دیے جاتے تھے سولی دی جاتی تھی درختوں میں لٹکا دیے جاتے تھے آنکھیں نکلوائی جاتی تھیں۔ جہاں کہیں ملکی دفاتر میں انکا نام پایا جاتا تھا کاٹ دیا جاتا تھا۔ اُنکے وظیفے بند کیے جاتے تھے تنخواہ ضبط اور بیت المال کی تمام رقمیں بند کر دی جاتی تھیں۔ اگر ہم ان مصیبت زدہ بزرگوں کی مصیبتیں مفصل بیان کریں تو شاید ہمکو اپنے مدعائے تالیف سے بہت دوری ہو جائیگی اس لیے ہم اُن تمام بیانات سے قطع نظر کرکے اُنکی مجبوری اور معذوری کی صرف اجمالی کیفیت نہایت مختصر الفاظ میں امام ابو الحسن مدائنی کی کتاب الاحداث۔ نصائح کافیہ صفحہ ۷۰ مطبوعہ بمبئی مطبع مظفری سے لکھتے ہیں۔

ان الرّجل من شیعة علی لیأتیه من یثق به فیدخل بیته فیلقی الیه سرّه ویخاف من خادمه ومملوکه ولا یحدثه حتی یاخذ علیه الایمان الغلیظة لیکتمن علیه فظهر حدیث کثیر موضوع وبهتان منتشر ومضی علی ذلك الفقهاء والقضاة والولاة وکان اعظم النّاس فی ذلك بلیّة القرّاء المرآءون والمستضعفون الّذین یظهرون الخشوع والنسك فیفتعلون الاحادیث لیحظوا بذلك عند ولاتهم ویقربوا فی مجالسهم ویصیبوا به الاموال والضیاع والمنازل حتّی انتقلت تلك الاخبار والاحادیث الی یدی الدیانیین لا یستحلون الکذب والبهتان فقبلوها ورووها وهم یظنون انّها حق ولو علموا انها باطلة لما رووها ولا تدینوا بها فلم یزل الامر کذلك حتی مات الحسن بن علی علیهما السّلام فازداد البلاء والفتنة فلم یبق احد من هذا القبیل الا وهو خائف علی دمه او طرید علی الارض ثم تفاقم الامر بعد قتل الحسین علیه السّلام وولی عبد الملك بن مروان فاشتد الامر علی الشیعة وولی علیهم الحجاج بن یوسف فتقرب الیه اهل النسك والصلاح ببغض علی وموالاة اعدائه وموالاة من یدعی قوم من الناس انهم ایضا اعداؤه فاکثروا من الروایة فی فضلهم وسوابقهم ومناقبهم واکثروا من الغض من علی کرم الله وجهه وعیبه والطعن فیه والشنآن له حتّی ان انسانا وقف للحجاج ویقال انه جد الاصمعی عبد الملك بن قریب فصاح به ایها الامیر ان اهلی عقونی فسمونی علیا وانی فقیر بائس وانا الی صلة الامیر محتاج فتضاحك الحجاج وقال للطف ما توسلت به قد ولیتك موضع کذا (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید مطبوعہ ایران جزو ۱۱ صفحہ ۹۶ میں بھی ہے)

اُس وقت زمانہ شیعیانِ علی علیہ السلام پر ایسا ہی سخت آلگا تھا حتّٰی کہ جو شیعہ اپنے کسی بڑے دوست پر بڑا اعتبار بھی کرتا تھا تاہم اُسکے گھر بطور مخفی جاتا تھا اور خفیہ ملاقات کرتا تھا۔ خدمتگار غلام اور کنیز سے بھی اپنا مذہب پوشیدہ کرتا تھا اور ڈرتا تھا اور سخت قسمیں لیتا تھا کہ اُسکا شیعہ ہونا کسی سے ظاہر نہ کرے۔ اُس کے قتل کا باعث نہو وہ زمانہ شیعوں کے لیے نہایت سخت تھا یہانتک کہ جناب امام حسنِ مجتبےٰ علیہ التحیۃ والثنا نے وفات پائی اور اُنہوں نے (فرقہ شیعہ نے) بخوفِ قتل تقیہ اختیار کیا۔ اور پھر بعد شہادتِ امام حسین علیہ السّلام جب عبد الملک ابن مروان خلیفہ ہوا تو اُسکی خلافت شیعوں پر اور سخت زمانہ لائی اُس زمانہ میں حکم تھا کہ لوگ حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السّلام اور حضرات اہلبیت علیہم السّلام کی بغض کے ساتھ اپنا تقوے

اختیار کریں۔ بغیر اس کے اُن کا تقویٰ اور عبادت نہیں ہوگی۔
یہ تو غریب اور مصیبت زدہ فرقۂ شیعہ کی اُس وقت حالت ہو رہی تھی اور اُن کی مجبوری اور معذوری کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ گھر سے قدم باہر نکالنا یا کسی دوست آشنا کے گھر جانا اور کسی سے اپنا حال بھی کہنا خطرۂ جان سے خالی نہیں تھا ایسے تیرہ و تاریک زمانہ میں کسی قوم یا قبیلہ کے حالات کا ملنا یا اُن کے متعلق صحیح واقعات کا سراغ لگانا ایک مؤلف کے لیے نہایت دشوار ہے۔
بہرحال جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے واپسی مدینہ کے بعد ۶۱ھ ہجری سے لیکر روز وفات ۹۵ھ تک چونتیس برس کامل محض خانہ نشینی اور عزلت گزینی کی محدود حالتوں میں کاٹے۔ ان ایام میں آپ کے مشاغل سوائے عبادت الٰہی اور تجمیع و ترتیبِ احکام رسالت پناہی کے کوئی اور نہیں پائے جاتے۔ عبادت الٰہی کے معمولات سے فارغ ہوکر جو وقت آپ کو ملتا تھا اُسے آپ اپنے والد بزرگوار کے مصائب کو یاد کر کے رونے میں صرف فرماتے تھے۔ اور پھر اس شدت سے گریہ و زاری کی جاتی تھی اور اتنی دیر تک آہ و زاری میں مشغول رہتے تھے کہ گھر کے خادم اور کنیزیں گھبرا جاتی تھیں۔ اس وقت بہت سے ایسے واقعات ہمارے پیش نظر ہیں جن سے آپ کی شدت گریہ اور افراط گریہ و زاری پورے طور سے ثابت ہوتی ہے اگر ہم اُن واقعات کو اس جگہ قلمبند کر دیں تو پھر ہمارے تاریخی مضامین مصائب کے رنگ پکڑ جائینگے۔ جسے ہم پسند نہیں کرتے۔ اس لیے ہم اُن کی تفصیل سے قطع نظر کر کے دو چار واقعات نمونہ کے طور پر ذیل میں درج کرتے ہیں۔
جب طعام آپ کے سامنے رکھا جاتا تھا تب آپ گریہ فرماتے تھے۔ اور جب پانی سامنے آتا تھا تب روتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ پانی آنسوؤں سے دوچند ہو جاتا تھا ایک غلام نے عرض کی کہ میری جان آپ پر فدا ہو۔ یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مجھ کو خوف ہے کہ کہیں آپ اپنے آپ کو ہلاک نہ فرمائیں حضرت نے اُسکے جواب میں ارشاد کیا انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ واعلم من اللہ مالا تعلمون میں کسی سے اپنے درد و الم کی شکایت نہیں کرتا مگر اپنے پروردگار عالم سے اور میں جانتا ہوں خدا کی جانب سے اُن تمام چیزوں کو جو تمکو معلوم نہیں ہیں یہ کہکر آپ نے

ارشاد کیا کہ میں کسی وقت خیال میں نہیں لاتا فرزندان فاطمہ علیہا السلام کا قتل ہونا مگر یہ کہ گریہ میرے گلوگیر ہوجاتا ہے۔ اور پانی کو دیکھکر میں کیوں نہ روؤں۔ یہ وہی پانی ہے جسکے پینے سے میرے پدر بزرگوار علیہ السلام کو منع کیا گیا۔ جسے وحشی اور درندے پیتے تھے اور بالبہائے تشنہ اُنہیں شہید کیا۔

ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے اس قدر رونیکا باعث پوچھا اور منع کیا تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے روز اوّل سے اپنے نفس کو قتل کیا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ کے خادموں نے آپ کی شدّتِ گریہ دیکھکر خدمت مبارک میں عرض کی کہ کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا ہے کہ آپ کا رونا تمام ہوجاوے، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وائے ہو تجھ پر حضرت یعقوب علےٰ نبینا و علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ ایک فرزند اُن میں غائب ہوگیا تھا آپ اس قدر روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں اور فورغم والم سے کمر خمیدہ ہوگئی تھی۔ ہر چند کہ اُنہیں معلوم تھا کہ اُن کا فرزند زندہ اور صحیح وسلامت ہے، اور میں تو اپنے اٹھارہ عزیز و اقارب سے جدا ہوگیا اور میرے پدر و برابر۔ عمو اور سترہ نفر اپنے عزیزوں کو میرے روبرو قتل کیا اور میرے سامنے اُنکے سر کاٹے۔ پس کیونکر میرا رونا کم ہوسکتا ہے۔

جناب عقیل علیہ السلام کی اولاد واحفاد پر سب عزیزوں سے زیادہ شفقت فرمائی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے اس خصوصیت کا بھی سبب پوچھا تو جواب میں ارشاد ہوا کہ ان بچوں کے باپ ہمارے باپ کے ساتھ قتل ہوئے ہیں، اور ہمارے اعزا میں سب سے زیادہ انہیں کی اولاد قتل کی گئی۔ میں ان کو یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں اور اس جہت سے رقتِ قلب زیادہ تر مجھپر طاری ہوتی ہے۔

عبدالملک اور امام زین العابدین علیہ السلام کی بار دیگر گرفتاری

کتب فریقین میں آپ کی بار دیگر گرفتاری اور عبدالملک کی دل آزاری کی یوں کیفیت لکھی ہے جس کو صواعق محرقہ کی اصلی عبارت سے ذیل میں ہم قلمبند کرتے ہیں:۔

عن الزهري قال حمل عبدالملك ابن مروان علي ابن الحسين عليه السلام مقيدا عن المدينة فاثقله حديدا ووكله به حفظه قال فاستاذنتهم في وداعه فاذنوا

فدخلت علیہ والقیود فی رجلہ وغل فی یدیہ وھو فی قبہ فبکیت و قلت وددت الی مکانک وانت سالم فقال یازھری اتظن ذلک بکربتی لوشئت لما کان وانہ لتذکرہ فی عذاب اللہ ثم اخرج رجلیہ من القید و یدیہ من الغم ثم قال لاجزت علیٰ ھذا یومین من المدینۃ قال فما مضت الا اربع لیال الا وقد فقدوہ وقدم الموکلون الذین کانوا معہ الی المدینۃ یطلبونہ فما وجدوہ فسالت بعضھم فقالوا انا نراہ انزلنا زل ونحن لہ مترصد حتی طلع الفجر فلم نجدہ ووجدنا حدیدہ وقال الزھری فقدمت بعد ذلک علی عبدالملک فاسالف عنہ فاخبرتہ فقال قد جاء فی یوم فقدہ الاعیون فدخل علیّٔ فقال ما انا وانت فقلت اقم عندی فقال لا احب ثم اخرج فواللہ لقد امتلا قلبی منہ خیفۃ۔ زہری علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ عبدالملک کے حکم سے عاملوں نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو قید کر دیا۔ پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائیں۔ میں عاملوں سے اجازت لیکر امام علیہ السلام سے ملنے گیا جب میں نے آپ کا یہ حال دیکھا تو مجھ سے نہ رہا گیا اور رونے لگا اور عرض کی کیا اچھا ہوتا کہ میں بجائے آپ کے اس قید میں ہوتا اور یہ حال آپ کا میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتا امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے زہری کیا تو خیال کرتا ہے کہ میں اس قید کی وجہ سے تکلیف میں ہوں۔ اگر میں چاہوں تو ابھی اس قید سے چھوٹ سکتا ہوں۔ بندگان خدا کو کوئی قید کر سکتا ہے؟ یہ صرف اس لیے ہے کہ اس عذاب کو دیکھکر ہم ہر وقت عذاب آخرت کو یاد کرتے رہیں۔ یہ فرما کر پاؤں اپنے بیڑیوں سے نکال لیے کہ میں حیرت میں آگیا۔ پھر فرمایا کہ ہم صرف دو منزل تک ان لوگوں کے ساتھ ہیں۔ چوتھے دن عبدالملک کے نوکر جو آپ پر موکل تھے مدینہ میں واپس آئے اور امام علیہ السلام کو ڈھونڈنے لگے۔ مگر ان کو کہیں حضرتؑ کا پتہ نہ لگا۔ میں نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا ماجرا گزرا اس نے بیان کیا کہ ہم ایک منزل میں فروکش ہوئے تو ہم سب کے سب رات بھر بیدار رہے۔ صبح کو جب آپ کے خیمے میں گئے تو بجز بیڑیوں کے کچھ نہ دیکھا زہری کہتے ہیں کہ جب میں عبدالملک کے پاس گیا تو میں نے اس قضیہ کو اس سے نقل کیا۔ اس نے کہا کہ جس وقت میرے گماشتوں کے ہاتھ سے

کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ معجزے کرامات اور خوارق عادات کو جانے دیجئے غضب کی ترقی تو یہ کی گئی کہ نبوت کے عہدے بھی دھڑا دھڑ بٹنے لگے۔ اور جسکے جی میں جس کو آیا اُس نے بنا دیا۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی اپنے اُس رسالہ میں جو ہر صدی کے مجدد کی تحقیق میں لکھا ہے تحریر کرتے ہیں قال بعض العلماء الاکابر الجامعین بین الباطن والظاهر لو کان بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی لکان الغزالی ایسے علمائے کبار نے جو علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہیں کہا ہے کہ اگر نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوتا تو غزالی ہوتے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں اپنی والدہ گرامی قدر کی زبانی ایک عجیب و غریب نقل اپنے والد بزرگوار کی نبوت اور اپنی کمال فضیلت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ جس کو ہم اُن کی اصلی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں:۔

رأیت والدتی بارك الله فی عمرها فی المنام کان طائرًا عجیب الشکل جاء الی ابی قدس سرہ یحمل فی منقارہ کاغذۃ علیها اسم الله بالذهب ثم جاء طائر اخر یحمل فی منقارہ کاغذۃ اخر فیها بسم الله الرحمٰن الرحیم لو کان النبوۃ بعد محمد صلے الله علیه وآله وسلم ممکنا لجعلتك نبیا ولکنها انقطعت فقال ابی قدس سرہ بولدك ابشری واشار الیّ۔

میری والدہ نے (خدا اُن کی عمر میں برکت دے) ایک خواب میں دیکھا کہ ایک طائر عجیب الشکل میرے والد قدس سرہ کے پاس آیا۔ اُسکی چونچ میں ایک کاغذ تھا جس پر سونے کے حرفوں میں اللہ اکبر لکھا تھا۔ پھر ایک دوسرا طائر آیا اُس کی منقار میں ایک دوسرا کاغذ تھا اور اُسپر یہ عبارت لکھی تھی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اگر نبوت جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ممکن ہوتی تو تم ہی بنائے جاتے مگر امر نبوت تو ختم ہو چکا۔ بعد اُس کے میرے والد قدس سرہ نے میری ماں سے کہا کہ اپنے لڑکے کو بشارت دو اور اُن کا اشارہ میری طرف تھا۔

یہاں تک تو منصب جلیلۂ نبوت کی ارزانی کر دی گئی کہ ؎ خیرہ ماند دراں دیدۂ اولی الابصار۔ ختم النبیینؐ کی سچی بشارت پر ایمان لانے والے اور اُسکے مقدس احکام

کو اطراف عالم میں نشر کرنے والے جب ایسے ایسے خواب وخیال کی اوہام پرستیوں میں مبتلا ہوں اور اُن کو رویاے صادقہ سے تعبیر کرکے ان بدخوابیوں کو شائبۂ نبوت جانیں تو قیامت ہے ؎ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

مگر الحمد للہ۔ علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کے مقدس دائرہ میں کوئی فرد واحد ان لغویات یا حشویات کا قائل نظر آئی نہیں دیتا۔ نہ کوئی منصب امامت کا متوقع دکھلائی دیتا ہے اور نہ کوئی درجۂ نبوت کا متمنی۔ جس کو دیکھو وہ زبان حال سے یہی کہتا پایا جاتا ہے ؎

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

اور کیوں نہ ہو، یہ مقدس گروہ اور یہ متبرک طبقہ اُس عالم علم ربانی اور اُس واقف رموز سبحانی کا سچا اور خالص معتقد ہے جس کی غایت معرفت لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا سے ظاہر اور جس کا تبحر علمی انا مدینۃ العلم و علیّ بابہا سے ثابت ہے۔ اور جس کی عدیم النظیر اور بے عدیل اوصاف کے متعلق امام کفوی اپنی طبقات میں لکھتے ہیں:۔

کان علی رضی اللہ عنہ سریع الجواب بدیھی الخطاب وکان معجزۃ من معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لتبحرہ فی العلم وشجاعتہ فی الحروب وکان مطیعا ومنقادا ومقرا لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نہایت حاضر جواب تھے اور فی البدیہہ خطبہ کہتے تھے اور تبحر کے علم میں اور بہ سبب اپنی شجاعت کی لڑائیوں میں ایک معجزہ تھے بسبب تبحر کے علم میں اور بہ سبب اپنی شجاعت کی لڑائیوں میں اور تاہم جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطیع و منقاد تھے اور اُن کی نبوت کا اقرار کرتے تھے میر امامی بلگرامی مرحوم نے بھی اس مضمون کو ایک مصرع میں یوں منظوم فرمایا ہے ؎ یکے از معجزات او علی بود۔

جب اس مقدس گروہ کے پیشوا۔ رہنما اور امام کی معرفت۔ راسخ الاعتقادی اور کامل الایمانی کی یہ کیفیت ہو تو پھر سائر مومنین کے خیالات میں کیونکر ان بیہودات باطل اور ان توہمات لاطائل کے لیے گنجائش ہو سکتی ہے۔

بہرحال ہم اس جملۂ معترضہ کی اتفاقیہ بحث میں اپنے سلسلۂ بیان سے بہت دور

ہٹ آئے۔ اسی واقعہ کے ایک ایسا اور آپکی کرامت و اعجاز کے متعلق جناب محمد حنفیہ اور حجر اسود کا محاکمہ نہایت شہرت کے ساتھ کتب فریقین میں مندرج ہی۔ جسے ہم روضۃ الصفا کی اصلی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

جناب محمد ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ اور محاکمۂ حجر الاسود

آیات و علامات شرف و بزرگواری او از حیز تعداد بیرون است و از ہمہ بدیع تر و عجیب تر تکلم حجر اسود است چنانچہ مروی است کہ محمد حنفیہ و امام زین العابدین علیہ السلام در مکۂ شریفہ مجتمع گشتہ در باب امامت سخن می گفتند۔ محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ گفت کہ من بامامت سزاوار ترم زیرا کہ فرزند صلبی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہستم سلاح جناب رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بمن باید داد امام زین العابدین علیہ السلام گفت کہ اے عم از خدا بترس و دعویکہ دراں محق نباشی مکن۔ محمد حنفیہ رض بر سخن خود اصرار نمود امام زین العابدین علیہ السلام گفت اے عم ہر کہ بامامت او حجر اسود گواہی دہد خلیفۂ وقت و امام زمان اوست و قرار بایں جملہ واقع شد امام زین العابدین علیہ السلام گفت اے عم در سوال تو تقدیم نمائی و از حضرت قادر متعال مسئلت نمائی تا حجر الاسود بر امامت تو بشہادت اقامت نماید۔ و چوں محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ دست بدعا آوردہ و از حجر الاسود سوال کردہ ہیچ جواب نشنیدہ با امام زین العابدین علیہ السلام گفت کہ تو نیز بپرس و بدیں نہج عمل نما۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بعد از فراغ مناجات گفت اے حجر الاسود بحق آں خدائے کہ مواثیق انبیاء و اوصیا در تو نہادہ است و ترا بایں کرامت مشرف ساختہ خبر دہی مرا بزبان عربی فصیح کہ وصی و امام بعد از امیر المومنین حسین ابن علی علیہما السلام کیست و چوں امام زین العابدین علیہ السلام ایں سخن بگفت۔ سنگ در حرکت آمد چنانکہ نزدیک باں شد کہ از مکان خود بیروں آید و حضرت قادر مختار او را در سخن آوردہ گفت اے خدائے پرستش بتحقیق امامت بعد از حسین علیہ السلام بہ علی ابن الحسین علیہما السلام رسیدہ و امام اوست محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کہ ایں صورت غریب مشاہدہ نمود بامامت امام زین العابدین علیہ السلام قائل گشت۔

ہمارے معتبر اور مستند معصر صاحب کتاب عمدۃ المطالب اس واقعہ کو شواہد النبوہ کی

ترجمہ سے ذیل کے الفاظ میں لکھتے ہیں۔
جناب سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ایک روز محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ حضرت سجاد علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا میں تمہارا چچا ہوں اور عمر میں بھی آپ سے بڑا ہوں آپ سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیر علیہ السلام کے تبرکات مجھ کو دیدیں کیونکہ بعد امام حسین علیہ السلام کے امامت ہمارا حق ہے جناب سجادؑ نے فرمایا کہ اسکا تصفیہ کرلینا نہایت ضروری ہے کہ بعد شہید کربلا علیہ التحیۃ والثنا کے امام برحق کون ہے۔ تشریف لائیے۔ ہم حجرالاسود سے پوچھ لیں۔ دونوں صاحب حجرالاسود کے پاس چلے گئے۔ سجاد علیہ السلام نے اسماء مذکور الٰہی کو پڑھ کر حجرالاسود کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اے حجرالاسود اس امر کا فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے کہ جناب امام حسین کے بعد کون امام برحق ہے اور وصی وجانشین رسول رب العلمین صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین کون ہے۔ حجرالاسود بزبان فصیح بحکم رب العزت گویا ہوا کہ اے محمد حنفیہ۔ امامت حضرت سجاد علیہ السلام کا حق ہے۔ کل امور دین میں آپ پر انکا اتباع جائز و واجب ہے۔ (عمدۃ المطالب صفحہ ۴۸۴)
یہ واقعہ آپ کی مبارک سیرت کے متعلق ایسا مشہور اور متواتر ہے کہ ہم کو کسی تصدیق و توثیق کے درج کرنیکی بھی مطلق ضرورت نہیں۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے اعجاز وکرامت کے متعلق ہم انہی دونوں واقعات پر اکتفا کرکے پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں اور آپ کی وفات حسرت آیات کے حالات قلمبند کرتے ہیں:۔

جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات

آپ کی وفات ۲۲ اور بقولے ۱۸ محرم ۹۵ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ علمائے فریقین نے اس امر پر اتفاق فرمایا ہے کہ ولید ابن عبدالملک نے آپکو زہر دلوایا تھا۔ چنانچہ علامہ سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔
عمرہ سبع وخمسون منها اثنتان مع جدہ علي ابن ابي طالب علیہ السلام ثم عشر مع عمہ الحسن علیہ السلام ثم احد عشر مع ابیہ الحسین علیہ السلام یقال سمہ الولید ابن عبدالملک ودفن بالبقیع عند عمہ الحسن علیہ السلام وتوفی سنہ ۹۴ او سنہ ۹۵۔ آپ کی عمر ستاون ۵۷ سال کی تھی۔ دو برس آپنے اپنے

جدِ امجد جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ گزرانے۔ دس برس اپنے عمِ نامدار جناب حسن المجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے ہمراہ کاٹے اور گیارہ برس اپنے والد بزرگوار جناب امام حسین شہیدِ کربلا روحنا لہ الفدا کی خدمت میں صرف فرمائے۔ کہا جاتا ہے کہ ولید ابنِ عبد الملک نے آپ کو زہر دلوایا۔ آپ اپنے چچا حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس قبرستانِ بقیع میں مدفون ہوئے۔ وفات آپ کی ۹۴ھ یا ۹۵ھ میں واقع ہوئی۔

فصول المہمہ میں امام ابنِ صباغ مالکی لکھتے ہیں مات مسموما وان الذی سمّہ الولید ابن عبد الملک کہ آپ کا انتقال زہر سے واقع ہوا اور تحقیق کہ ولید ابنِ عبد الملک نے آپ کو زہر دیا۔ صواعق محرقہ میں ابنِ حجر لکھتے ہیں کہ قیل سمّہ الولید ابن عبد الملک ولید ابنِ عبد الملک نے آپ کو زہر دیا۔

آپ کے سنِ وفات میں تو کوئی ایسا اختلاف نہیں مگر تاریخِ وفات میں البتہ اختلاف ہے جہاں تک تحقیق کی گئی ہے اٹھارھویں ۱۸ محرم ۹۵ھ ہجری پر فریقین نے اتفاق کیا ہے۔ آپ کی وفات کے حالات میں جنابِ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب میرے پدرِ بزرگوار کا وقتِ وفات قریب پہنچا تو مجھ سے فرمایا کہ وضو کے لیے پانی لاؤ۔ جب پانی لائے تو فرمایا اس میں کوئی جانور مُردہ پڑا ہے۔ جب میں نے اُس پانی میں روشنی کے سامنے نظر کی تو دیکھا کہ ایک موش مُردہ اُس میں پڑا ہے۔ بعد ازآں ہم دوسرا پانی لائے۔ حضرتؑ نے پھر اُسی پانی سے وضو فرمایا اور مجھ سے ارشاد کیا کہ اے پارۂ جگر میرے اور اے فرزند میرے یہ وہی شب ہے جس شب میرا وعدۂ وفات ہے۔ اِسی کے ایسا اور ایک واقعہ آپ کے متعلق جنابِ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے اور وہ یہ کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب جناب امام زین العابدینؑ کی شب وفات آئی تو آپ اُس شب کو بیہوش تھے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوء من الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العٰملین یعنی حمد کرتا ہوں اُس خدا کی جس نے سچا کیا ہمارے وعدوں کو اور ہم کو میراث دی زمینِ بہشت کہ جس جگہ ہم چاہیں وہاں رہیں۔ پس کیا نیک ہے اجر عمل کنندگان کا واسطے خدا کے۔ یہ فرما کر آپ کے طائرِ روح بہارستانِ قدس کی طرف پرواز کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وصایا کے متعلق جناب امام محمد باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ جب میرے پدر بزرگوار علیہ السّلام کا وقتِ رحلت قریب ہوا تو مجھ کو وصیّت فرمائی کہ ہرگز اُس شخص پر ستم نہ کرنا جس کا خدا کے سوا کوئی مددگار نہو۔ جناب امام علی ابن موسے الرّضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے سورۂ واقعہ اور سورۂ انّا فتحنا کی تلاوت فرما کر رحلت فرمائی۔ بہرحال جب آپ کی وفات کی خبر عام ہوئی تو تمام عمائد و اشرافِ مدینہ درِ دولت پر امام محمد باقر علیہ السّلام کی خدمت میں بغرضِ تعزیت حاضر ہوئے۔ جناب امام محمد باقر علیہ السّلام نے اپنے والدِ بزرگوار علیہ السّلام کی تجہیز و تکفین فرما کر پہلوئے جناب امام حسن علیہ السلام میں جنّت البقیع کے اندر دفن فرمایا۔ مروج الذہب مسعودی میں لکھا ہے کہ اِس مقام پر ۳۳۲ھ ہجری میں ایک پارۂ سنگ منقوش ظاہر ہوا جس پر لکھا تھا بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔ الحمد للہ الّذی مبدء الامم محی الرمم ھٰذا قبر فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیّدۃ نساء العٰلمین وقبر حسن ابن علی وعلی ابن الحسین وقبر محمّد ابن علی وجعفر ابن محمّد علیہم السّلام۔ تمام حمد اُس خدا کے واسطے ثابت ہے جو پیدا کرنیوالا ہے اُمتوں کا اور زندہ کرنیوالا ہے استخوانہائے بوسیدہ کا۔ یہ قبر ہے فاطمۂ بنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سیّدۃ نساء العٰلمین کی اور قبر ہے حسن ابنِ علی وعلی ابن الحسین کی اور قبر ہے محمد ابنِ علی و جعفر ابنِ محمد علیہم السّلام کی۔

جنابِ امام زین العابدین علیہ السّلام کے محاسنِ اخلاق

بہرحال۔ اب ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں آپ کے محاسنِ اخلاق اور مکارمِ اشفاق کی واقعات فریقین کی کتبِ معتبرہ سے ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔

اس میں شک نہیں کہ اِس مقدّس دائرہ میں جس بزرگوار کے حالات پر غور کی نظر ڈالی جائے اُس کے حالات اور واقعات اپنی آپ نظیر اور اپنا آپ جواب ثابت ہوتے ہیں اور اپنے معاصرین میں مشکل سے اپنی مثال کا پتہ دیتے ہیں۔ خصوصاً اُس مقدّس طبقہ کے اخلاقی محاسن کی بے نظیر عظمت اتنی وسیع نظر آتی ہے کہ پھر اُس زیادہ کسی دوسرے عظیم الشّان قوم و قبیلہ کی عظمت قیاس نہیں کیجا سکتی

اِس میں بھی کوئی شبہہ نہیں کہ ان حضرات کے معاصرین بھی جن کو اِس مقدس طبقہ سے کوئی واسطہ نہیں اخلاقی خوبیوں سے خالی نہیں۔ مگر اُن کے اخلاق ایسے ہیں جن کی مثالیں اس وقت بھی پیدا کی جاسکتی ہیں۔ مگر اس مخصوص طبقہ کے مبارک اخلاق کی مثالیں نہ اُسی زمانہ میں پائی گئیں اور نہ اِسی زمانہ میں۔ اور اُس کی اصلی وجہ وجیہ یہ ظاہر ہوتی ہے کہ جس گروہِ مقدس کو جناب باری عزّ اسمہ نے دنیا کے تمام معائب سے پاک و پاکیزہ فرما کر خلعت عصمت وطہارت پہنایا، وہ یہی تھا۔ پھر اِن میں کسی محاسن کی کمی یا کسی خوبی کی فروگزاشت پائی جاتی تو کیونکر۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

روضۃ الصفا میں آپ کے اعلیٰ ترین محاسن اخلاق کے ثبوت میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ جسکو ہم اُسکی اصلی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

شخصے نزدِ حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام آمدہ با وے سفاہت بسیار نمود و اورا لعاب منسوب گردانید۔ اما علی ابن الحسین علیہ السلام با وے ہیچ نوع سخن نگفتہ و بجواب وے قیام نہ نمودہ و بعد از مراجعتِ آں شخص با جمعے کہ در خدمت او بودند گفت می خواہم کہ بیائید تا جوابِ آں مرد را بگویم ہمہ قبول کردند امام علیہ السلام نعلین در پا کردہ پیادہ می رفت و می گفت الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین یارانِ ایں طریق دانستند کہ ہیچ امرے از آں جناب ظاہر نخواہد شد کہ موجب آزار موذی باشد وچوں بدرِ آں مرد رسیدند ندا کرد اے فلاں شخص۔ با خاطرِ پریشاں بیروں آمد چہ تصور کرد کہ امام علیہ السلام بجہت انتقام آمدہ امام زین العابدین علیہ السلام اورا دیدہ فرمود اے برادر در شانِ من آنچہ گفتی اگر در نفسِ من موجود باشد از آں استغفار می کنم و دست در دامنِ توبہ و انابت می زنم واگر موجود نیست خدائتعالےٰ ترا بیامرزد وعفو کند۔ مردِ موذی چوں ایں سخن بشنید درمیانِ ہر دو چشمِ او بوسہ داد و زبان بہ ثنائے او کشادہ گفت قلت فیک مالیس فیک میں نے آپ کی شان میں وہ کہا جو آپ میں نہیں تھا۔

امام قندوزی نے بھی ینابیع المودۃ کے صفحہ ۳۱۷ میں اس واقعہ کو خواجہ محمد پارسا کی کتابِ فصل الخطاب سے نقل کیا ہے اور اتنا اضافہ اور فرمایا ہے کہ اُس شخص نے

توبہ واستغفار کرکے عرض کی اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ خداوند عالم اپنی رسالت کے نازل فرمانیکے مقام کو خوب جانتا ہے۔

صواعق محرقہ میں تحریر ہے کان زین العابدین علیہ السلام عظیم التجاوز والعفو والصفح حتی انہ سبہ رجل فتغافل عنہ فقال لہ ایاک اعنی فقال عنک اعرض واشارہ الی قولہ تعالیٰ خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجٰھلین

جناب امام زین العابدین علیہ السلام بہت بڑے تجاوز کرنیوالے۔ عفو کرنیوالے۔ اور گناہوں سے درگزر کرنیوالے تھے یہانتک کہ ایک شخص نے آپ کو بُرا کہا۔ آپ نے اُس سے تغافل فرمایا۔ اُس نے کہا کہ میں آپ ہی کو مراد لے رہا ہوں۔ آپنے فرمایا۔ میں تجھی سے اعراض کرتا ہوں۔ گویا آپ نے اُس آیۂ وافی ہدایہ کی طرف اشارہ فرمایا اس کے معنی یہ ہیں۔ عفو کو اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم کرو اور جاہلوں سے مُنہ پھیرلو۔ سبط ابن جوزی نے بھی اِس واقعہ کو لکھا ہے۔

روضۃ الصفا میں مندرج ہے از ہشام ابن اسمٰعیل مخزومی نسبت بہ حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام حرکتِ ناپسندیدہ بصدور رفتہ این قصہ بسمع ولید رسیدہ بعمر ابن عبدالعزیز نوشتہ کہ ہشام را تادیب بلیغ نمائی وعمر ابن عبدالعزیز از جناب علی ابن الحسین علیہما السلام استمزاج نمود علی ابن الحسین علیہ السلام فرمود نمی خواہم کہ از ممر من عذابے بوے رسد۔ ہشام این سخن شنیدہ گفت اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ (روضۃ الصفا جلد سوم ص ۱۲۴)

عبادت از خوفِ خدا

آپ کی عبادت کے ذکر میں صاحب روضۃ الصفا زیاد ابن رستم کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ در مجلسِ امام جعفر صادق علیہ السلام حاضر بودم کہ ذکر امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام می کردند۔ امام جعفر صادق علیہ السلام آں حضرت را مدحے کرد کہ اہل آں بود بعد ازاں گفت کہ ہیچ کس را از امت طاقت عملِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نبود ونباشد مگر امیر المؤمنین علیہ السلام را واگرچہ کسے عمل مردے کند کہ روئے او در میان بہشت ودوزخ باشد یعنی بثوابِ آں امیدوار باشد واز عقاب آں ترساں وگفت امیر المؤمنین علیہ السلام ہزار بندہ را آزاد کرد از خالص مال خویش ولباسِ او غیر کرباس

نبوده واگر آستین جامہ از سر انگشتان مبارک او درگزشتے آنرا ببریدے و ہیچکس از فرزندان و اہلبیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم در لباس علم وتقوائے باجناب امیرالمؤمنین علیہ السلام چناں وچنداں مشابہت نداشت کہ علی ابن الحسین علیہ السلام وقت عبادت گزاری وطاعت جناب باری عزّ اسمہ آپ کے قلب نورانی پر خوف الہٰی اس قدر طاری ہوتا تھا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا۔ اور ابتدائے نماز سے لیکر آخر تعقیبات تک آپکی حالت ایک رہتی تھی۔ صواعق محرقہ، فصل الخطاب اور روضۃ الصفا وغیرہ میں لکھا ہے کہ وضو کرنیکے وقت آپ کا رنگ زرد ہوجاتا تھا۔ ایک بار کسی نے دریافت کیا کہ وضو کرتے وقت آپ کے روئے مبارک کا رنگ کیوں متغیر ہوجاتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اُس وقت میرا مُنہ جناب باری عزّ اسمہ کے مصدر جلال کی طرف ہوتا ہے۔ یہ تو خیال کرو کہ اُس وقت میں کس کی خدمت میں اکتساب قربت کا عزم کرتا ہوں۔

سفیان بن عیینیہ جو سواد اعظم اہلسنت میں خیر التابعین کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے ہیں اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سال جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے ادائے حج کا قصد فرمایا۔ جب مقام احرام پر پہنچے اور چاہا کہ تلبیہ ادا کرکے احرام باندھیں تو یکایک آپکے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور تمام جسم میں لرزہ پڑ گیا۔ اور آخر آپ سے لبیک نہ کہی گئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ترک تلبیہ کیوں کیا؟ آپنے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شاید میں لبیک کہوں اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی طرف سے لا لبیک کا جواب آئے۔ یہ کہکر آپ بے ساختہ روئے اور اس قدر کہ بیہوش ہوگئے۔ یہانتک کہ تمام مناسک حج ایسے ہی خوف الہٰی کے ساتھ آپ نے ادا فرمائے۔ اس واقعہ کو خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں بھی لکھا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ آپ دن اور رات میں ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ فکان اذا توضاء للصلوٰۃ اصفرلونہ وقیل لہما ذٰلک فقال الاتدرون بین یدی من اقف۔ جب وضو فرماتے تھے تو آپکے چہرہ کا رنگ زرد ہوتا تھا۔ اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے ہو کہ میں کس کے آگے کھڑا ہونگا؟

سیّد السّاجدین اور سجّاد کی وجہ تسمیہ

کثرتِ سجود کی یہ حالت تھی کہ جنابِ امام محمد باقر علیہ السّلام آپ کے معمولات کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پدر بزرگوار جب کبھی نعمتِ خدا کو یاد فرماتے تھے تو سجدے کرتے تھے اور جب کسی آیہ کی تلاوت فرماتے تھے عام اس سے کہ وہ سجدہ واجب ہو یا سُنّت۔ تو ضرور سجدہ کرتے تھے۔ اور جب مکروہاتِ دنیاوی میں سے کوئی شے اُنکو پیش آتی تھی اور وہ دفع ہو جاتی تھی تو آپ سجدہ فرماتے تھے۔ اور جب دو آدمیوں میں صلح کرا دیتے تھے تب سجدہ کرتے تھے۔ اور جب نمازِ واجب سے فراغت فرماتے تھے تب سجدہ کرتے تھے اور اثرِ سجود آپ کے جمیع مواضعِ سجود میں خوب اچھی طرح سے نمایاں تھے۔ اِسی باعث سے آپ کو سجّاد کہتے تھے۔

آپ کے القاب میں ایک مشہور لقب ذو الثّفنات بھی ہے۔ اور اِسکی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ کثرتِ سجود سے پیشانی نورانی پر دو گھٹّے پڑ گئے تھے۔ اور وہ سختی میں اونٹ کی ٹلی کے ایسے تھے۔ عربی میں ثفنہ اونٹ کی ٹلی کو کہتے ہیں۔ اسی رعایت سے آپ کو ذو الثّفنات کہتے تھے۔

چنانچہ یہی عبارت امام ذہبی نے اپنی کتاب طبقات الحفاظ میں بھی لکھی ہے۔ اُن کی اصلی عبارت یہ ہے:۔

عن امام محمّد باقر علیہ السّلام ان ابی علی ابن الحسین علیہما السّلام ما ذکر اللّٰہ عزّ وجلّ نعمۃ علیہ الا سجد ولا قرأ اٰیۃً من کتاب اللّٰہ عزّ وجلّ فیہا سجود الا سجد ولا فرغ من صلوٰۃ مفروضۃ الا سجد ولا وفق الاصلاح بین اثنین الا سجد وکان اثر السّجود فی جمیع مواضع سجود فسمی السّجّاد۔

خضوع وخشوع

خوفِ الٰہی۔ جس بزرگوار کی کثرتِ نماز کی یہ کیفیت ہو اُسی سے اُس کے خضوع وخشوع کے کافی نشان ملتے ہیں۔ علّامہ سبط ابنِ جوزی تذکرۂ خواص الائمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

عن ابی فرج الاصبہانی قال وقع فی دار علی ابن الحسین علیہما السّلام حریق وھو ساجد فقالوا النّار النّار یا بن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم فما رفع رأسہ حتّٰی طفیت فقیل لہ ما الذی الہاک عنہا فقال النّار الاخرٰی۔

علامہ ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی۔ آپ اُس وقت سجدے میں تھے۔ لوگ آگ آگ پکارنے لگے۔ حضرتؑ نے سجدہ سے سر نہ اُٹھایا یہاں تک کہ آگ بجھا دی گئی۔ لوگوں نے عرض کی یابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو کس چیز نے اس آگ سے غافل کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا آخرت کی آگ نے۔ اس واقعہ کو خواجہ محمد پارسا نے بھی اپنی کتاب فصل الخطاب میں اسی طرح لکھا ہے اور امام قندوزی نے بھی لکھا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی عبادت کے روزانہ معمولات کے متعلق یہ ذکر لکھا ہے وکان له مسجد فی بیته یتعبد فیه واذا کان من اللیل ثلثه او نصفه نادی باعلیٰ صوته اللّٰھم ان ھول المطلع والوقوف بین یدیك اوحشنی من وسادی ومنع رقادی ثم یضع خدیه علی التراب فیجیٔ الیه اھله وولده یبکون حوله ترحماله وھو لا یلتفت الیھم ویقول اللّٰھم انی اسئلك الروح والراحة حین القاك وانت عنی راضٍ۔

بیت الشرف میں ایک مکانِ مسجد مخصوص تھا جس میں آپ عبادت کیا کرتے تھے اور جب ثلث شب یا نصف گزر جاتی تھی تو آپ باوازِ بلند یہ فرماتے تھے کہ پروردگارا! مجھ کو تیرے سامنے اُٹھائے جانے اور کھڑے کیے جانے کے خوف نے فرشِ استراحت پر ٹھیرنے نہ دیا اور مجھ کو نیند نہ آنے دی اتنا فرما کر آپ اپنے رخسارے زمین پر رکھدیتے تھے۔ پس انکی یہ حالت دیکھکر آپ کے گھر والے اور بچے حاضرِ خدمت ہو جاتے تھے اور آپ کے پاس جمع ہو جاتے تھے اور آپ پر رحم کھا کر رونے لگتے تھے۔ مگر آپ اُنکی طرف مطلق متوجہ نہیں ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ پروردگارا میں اس وقت اپنے لیے راحت کا تجھ سے طلبگار نہیں ہوں بجز اسکے کہ جب میں تیرے پاس بلایا جاؤں تو تو مجھ سے راضی ہو۔

پھر اسی کتاب میں طاؤس یمانی رح کی زبانی منقول ہے کہ میں نے جناب علی ابن الحسین علیہما السلام کو حج کے زمانہ میں حجر الاسود کے قریب دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں سجدہ کر رہے ہیں اور اپنے رخساروں کو خاک پر رگڑ رہے ہیں اور اپنی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے یوں دعا کرتے ہیں عبیدك بفنائك مسکینك بفنائك فقیرك بفنائك صغیرك بفنائك سائلك بفنائك طاؤس یمانی کا بیان ہے کہ میں نے ان

کلمات کے ساتھ جب کسی امر کے لیے دعا کی تو وہ مستجاب ہوئی اور سیر الکشو د کار ہو گیا
آپ خود عبادت الٰہی کی تعریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ان قوما عبدوا اللہ رھبۃ
فتلک عبادۃ العبید واٰخرین عبدو اللہ رغبۃ فتلک عبادۃ التجار واٰخرین عبدوہ
شکرا فتلک عبادۃ الاحرار یعنی لوگ دُنیا میں تین قسم کی عبادت کرتے ہیں اوّل وہ
قوم جو خوف سے عبادت کرتی ہے اُن کی عبادت غلاموں کی سی عبادت ہے۔ دوسری
قوم کسی غرض سے عبادت کرتی ہے اُن کی عبادت تاجروں کی سی عبادت ہے اور تیسری
قوم وہ ہے جو ہر حالت میں شکر کے ساتھ عبادت کرتی ہے وہی مردان خدا کی عبادت ہے
ینابیع المودۃ فی القربیٰ باسناد فصل الخطاب ص ۳۱۷۔
خواجہ محمد پارسا آپکے معمولات سے لکھتے ہیں وکان لا یحب ان یعینہ احد علی طھورہ و
یجعل الماء مہیا الطھورہ وھو بیتہ فخمر الاناء فی اللیل فاذا قام بدأ بالسواک وتوضأ ویصلی
ویقضی مافاتہ اور آپ اسے پسند نہیں فرماتے تھے کہ کوئی شخص وضو کرنے میں آپ کو مدد دے اور وضو
کا پانی آپکے لیے تیار کر کے رکھے نیز شب کو وقت برتنوں کے منہہ خود ڈھانک دیتے تھے اور جب بیدار ہوتے تو پہلے مسواک
کرتے پھر وضو فرماتے پھر نماز پڑھتے پھر تعقیبات و نوافل میں سے جو شب کو باقی رہجاتا وہ ادا فرماتے
امام قندوزی لکھتے ہیں فکان علیہ السلام اذا مشی لایجا وز یدہ رکبتیہ وکان شدید
الاجتہاد فی العبادۃ فاضر ذٰلک بجسمہ فقال لہ ابنہ محمد الباقر یا ابتاہ کم ھذا الجد
والجہد لاذنوب فقال لا احب ان یزلفنی ربی یعنی جب آپ پیدل چلتے تھے تو دست مبارک
گھٹنوں سے آگے بڑھتے تھے اور آپ امور عبادت میں کثیر الجہد تھے اور اس وجہ سے آپکے جسم مطہر
کو آزار پہنچتا تھا جسکو دیکھکر ایک مرتبہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے آپ سے پوچھا کہ
اتنی محنت و مشقت۔ حالانکہ حضور معصوم ہیں۔ آپنے جواب میں ارشاد فرمایا کہ
کیا تم راضی نہیں ہو کہ میں قرب الٰہی کا شرف حاصل کروں۔
آپ اکثر وعظ و نصیحت کی ارشاد میں فرمایا کرتے تھے یا معشر الناس اوصیکم بالاخرۃ
ولا اوصیکم بالدنیا اے گروہ مسلمین میں تم کو آخرت حاصل کرنیکی وصیت کرتا ہوں
نہ دنیا اختیار کرنے کی۔

غربا پر شفقت

اپنی عسرت اور تنگحالی کی حالتوں میں بھی غربا و فقرائے مدینہ کی برابر خبر گیری فرمایا کرتے تھے

اور اُن کی پرورش اور خورش کے سامان اپنے کاندھے پر اُٹھا اُٹھا کر اُن کی گھر پہنچایا کرتے تھے صواعق محرقہ میں آپکے تفقد رعایا کے متعلق ذیل کا واقعہ درج ہے۔

قال ابن عائشة سمعت اهل المدینة یقولون ما فقدنا الصدقة السرّ الا بعد موت علی ابن الحسین علیهما السلام قال ابن اسحٰق کان ناس من اهل المدینة یعیشون لا یدرکون من این معائشهم وما کلهم فلما مات علی ابن الحسین علیهما السلام فقد واما کانوا یوتون به لیلا الیٰ منازلهم قال سفیان وکان یحمل جراب الخبز علیٰ ظهره فی اللیل یتصدق فلما اغسلوه جعلوا ینظرون الی سواد فی ظهره فقیل ما هٰذا فقالوا کان یحمل جراب الدقیق علی ظهره یعطیه فقراء اهل المدینة

ابن عائشہ سے منقول ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہماری خیرات مخفی جناب علی ابن الحسین علیہ السلام کی وفات سے جاتی رہی۔ ابن اسحاق کا بیان ہی کہ اہل مدینہ میں سے اکثر لوگ کھانا پاتے تھے لیکن اُن کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کہاں سی پاتے ہیں اور اُن کو کون پہنچاتا ہے۔ جب جناب علی ابن الحسین علیہ السلام نے رحلت فرمائی تو رات کو ان کا کھانا ان کے مکانوں پر نہ آیا۔ سفیان کا قول ہے کہ آپ روٹیوں کا تھیلا اپنی پیٹھ پر رکھکر خیرات بانٹتے تھے جب بعد وفات آپکو غسل دینے لگے تو ایک سیاہ داغ آپ کی پشت مبارک پر نظر آنے لگا۔ پوچھا گیا کہ یہ کیا ہی لوگوں نے بیان کیا کہ آپ راتوں کو آٹے کی بوری اُٹھا کر فقرائے مدینہ کو غذا تقسیم فرماتے تھے۔

جانوروں تک پر وہی اشفاق مبذول فرمائے جاتے تھے اور اُن کے ساتھ بھی وہی سلوک قائم رکھے جاتے تھے۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میری پدر بزرگوار نے مجھ سے اپنی وفات کے قریب فرمایا کہ میرے ناقہ کو لیکر اُس کو اُس کی جگہ باندھ دو اور کچھ کھانا اُس کے لیے مہیا کردو۔ اس وفادار جانور کے متعلق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو لوگوں نے دفن کیا تو وہ ناقہ رسّی توڑا کر اپنی جگہ سے باہر نکل آیا اور قبر مطہر کے نزدیک جاکے اپنے سینہ کو قبر منور سے لگایا اور اپنا سر اُسپر رکھکر آہ و فریاد کرنے لگا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب پھر یہ خبر امام محمد باقر علیہ السلام کو پہنچی تو حضرت اُس ناقہ کے پاس آئے اور فرمایا خاموش رہ اور گھر پھر جا خدا تجھے برکت دے۔ پس وہ ناقہ اُٹھکر اپنی جگہ پر چلا گیا